ماہنامہ

دوشیزہ

کراچی

October
2016

☆ نامور مصنفہ رفعت سراج کا شاہکار ناول "دامِ دل" اندرونی صفحات پر ملاحظہ فرمائیں

بانی
سہام مرزا

ماہنامہ دوشیزہ کراچی

مُدیرِ اعلیٰ ____ منزہ سہام

مُدیر ____ زین شمسی

قانونی مشیر ____ جی ایم بھٹو (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

انکم ٹیکس ایڈوائزر ____ مخدوم اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹ)

MEMBER APNS CPNE	رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

خط و کتابت کا پتا

88-C II۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ
جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز 7 کراچی
فون نمبر: 021-35893121 - 35893122
ای میل: pearlpublications@hotmail.com

اکتوبر 2016ء
جلد:44☆شمارہ:10
قیمت:60 روپے

☆منیجر سرکولیشن: محمد اقبال زمان ☆ عکاس: موسیٰ رضا/مرزا محمد یاسر

باتیں ملاقاتیں

سلسلے وار ناول

ناولٹ

منی ناول

مکمل ناول

افسانے

رنگِ کائنات

دوشیزہ میگزین

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)......890 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ......5000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا......6000 روپے

پبلشر: منزہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: جی OB-7 تالپور روڈ۔ کراچی

Phone : 021-35893121 - 35893122

Email : pearlpublications@hotmail.com

اِس لیے کہ "سچی کہانیاں" کے مصنّفین پیشہ ور لکھنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کی حقیقتوں اور سچائیوں کو برتتے، دیکھتے، محسوس کرتے اور ہمیں لکھ بھیجتے ہیں "سچی کہانیاں" کے قارئین وہ ہیں جو سچائیوں کے متلاشی اور انھیں قبول کرنے والے ہیں

یہی وجہ ہے کہ "سچی کہانیاں" پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا اپنی نوعیت کا واحد ڈائجسٹ ہے "سچی کہانیاں" میں آپ بیتیاں جگ بیتیاں اعترافات جرم و سزا کی کہانیاں، ناقابلِ یقین کہانیاں، دلچسپ و سنسنی خیز سلسلوں کے علاوہ مسئلہ یہ ہے اور قارئین و مدیر کے درمیان دلچسپ نوک جھونک احوال۔ سب کچھ جو زندگی میں ہے وہ "سچی کہانیاں" میں ہے۔

پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا — اپنی نوعیت کا واحد جریدہ

ماہنامہ سچی کہانیاں۔ پرل پبلی کیشنز: 88-C II ۔فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

فون نمبرز: **021-35893121-35893122**

ای میل: **pearlpublications@hotmail.com**

خواب اور اُمید

ایک بہت بڑے باغ میں ایک گلاب کا پھول تنہا رہتا تھا۔ وہ روزانہ انتظار کرتا کہ اس کی پنکھڑیوں پر بھی شہد کی مکھیاں آ کر بیٹھیں، انہیں چومیں مگر ایسا کبھی نہ ہوا۔ وہ خواب میں ہمیشہ اپنے آس پاس بے شمار شہد کی مکھیاں دیکھتا اور اُس کو محسوس ہوتا کہ وہ جنت میں ہے مگر صبح جب نیند سے بیدار ہوتا تب دکھی ہو جاتا۔

ایک دن چاند نے جو اُس کی تنہائی سے واقف تھا۔ پوچھا ''تم انتظار کرتے کرتے تھک نہیں گئے۔''

گلاب نے کہا۔ ''شاید! مگر میں انتظار کرنا نہیں چھوڑوں گا۔''

چاند نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیوں؟''

گلاب نے ہنس کر کہا۔ ''اور اگر میں نے ایسا کیا تو میں سوکھ جاؤں گا، مر جاؤں گا۔''

اس چھوٹی سی کہانی سے ہمیں صرف یہی سبق ملتا ہے کہ زندگی میں بہت سی باتیں دُکھ دیتی ہیں۔ لوگ افسردہ کرتے ہیں ان کے رویے اذیت دیتے ہیں مگر ان تمام تکالیف کے باوجود ہمیں جینا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ہمیشہ امید رکھنی چاہیے کہ آنے والا نیا دن ہمارے لیے ضرور خوشخبری لائے گا۔ ہمیں خواب ضرور دیکھنے چاہئیں، کیونکہ جو آج حقیقت ہے وہ کل خواب ہی تھا......

منزہ سہام

محترم قارئین!

''مسئلہ یہ ہے'' کا سلسلہ میں نے خلقِ خدا کی بھلائی اور روحانی معاملات میں ان کی رہنمائی کے جذبے کے تحت شروع کیا تھا۔ سچی کہانیاں کے اوّلین شمارے سے یہ سلسلہ شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نا صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی روحانی طاقت نے حیران کردینے والے معجزے بھی دیکھے۔

ساتھیو! عمر کی جس سیڑھی پر میں ہوں خدائے بزرگ و برتر سے ہر پل یہی دعا کرتا ہوں کہ اُس کے حضور پیش ہونے سے پیشتر کچھ ایسا کر جاؤں کہ میرے دُکھی بچے، بچیاں میرے بعد کسی بھی ذریعۂ روزگار کو بروئے کار لاتے ہوئے عزت کے ساتھ رزقِ حلال کما سکیں۔

اتنے برس بیت گئے۔ آپ سے کچھ سوال نہ کیا۔ وہ کون سی پیشکش تھی جو نہ ٹھکرائی۔ کیسے کیسے دولت کے انبار ایک طرف کردیے۔ مگر اب...... وقت چونکہ ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتا جارہا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسا ٹرسٹ، اپنی موجودگی میں قائم کرجاؤں جس سے نیکی اور بھلائی کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہے۔

مجھے آپ کا تعاون درکار ہے۔

دکھی انسانیت کی فلاح کے لیے...... آیئے اور اپنے بابا جی کا ساتھ دیجیے......

ٹرسٹ میں اپنے عطیات جمع کرائیے۔

مجھے امید ہے۔ اپنے دکھی بھائی بہنوں کا درد محسوس کرتے ہوئے آپ کا اگلا قدم...... ٹرسٹ میں اپنے تعاون کے لیے ہی اٹھے گا۔

دوشیزہ کی محفل

محبتوں کا طلسم کدہ' خوب صورت

رابطوں کی دلفریب محفل

مدیرا علیٰ

اپنے تمام پڑھنے والوں کو منزہ سہام کا محبت بھرا اسلام...... میں ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جو میری محنت کو سراہتے ہیں اور اُن کا بھی شکریہ جو میری خامیوں کی جانب نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ محفل آپ سب کی محفل ہے لہٰذا اس میں بھرپور شرکت کر کے مجھے شکریہ کا موقع ضرور دیا کریں۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے جیسے ہم سب دنیا کی خوبصورتی کو نظر انداز کر کے صرف اُس کی بدصورتی پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ ڈراموں میں اس قدر رونا دھونا ہے کہ سچ پوچھیں کچھ کرداروں سے تو نفرت سی ہوگئی ہے۔ ارے یار ابھی شادی ہوئی ہے زندگی کو انجوائے کرو نہیں گھر میں قدم رکھتے ہی دلہن چالاکیوں اور سازشوں کی Deals لے کر آتی ہیں۔ عورتوں کے کرداروں کو بہت نگیٹو دکھایا جارہا ہے اور افسوس اس بات کا بھی ہے کہ لکھنے والی بھی زیادہ تر خواتین ہیں۔

خیر یہ سب تو چلتا ہی رہتا ہے اچھی خبر یہ ہے کہ بس اب موسم سرما کی آمد آمد ہے صبح صبح ہوا میں خنکی ہوتی ہے اور رات میں ہوا میں خوشبو، میں نے تو ابھی سے سردیوں کے استقبال کی تیاری شروع کردی ہے۔ کافی ڈرائی فروٹ، گاجر کا حلوہ، پائے اور دوستوں کی جاندار اور شاندار محفل...... آیئے اسی تیاری کے ساتھ پہلے خط کی طرف بڑھتے ہیں کراچی سے تشریف لائی ہیں غزالہ رشید، لکھتی ہیں۔ ہمیشہ دیر کردیتا ہوں کہ مصداق وعدہ نبھانے کے لیے کہا تھا۔ ستمبر، ستمگر بھی ہے لیکن کیا کیا جائے کہ جب اُداسی اوڑھنے کو جی چاہے، اور کوک اسٹوڈیو کے لوک گیت ہر وقت حسن بن نسیم سر پر بجائیں۔ تو پھر سب کچھ بھول جانے کو جی چاہتا ہے میں شاید اسی کی ہم عمر ہو جاتی ہوں کچھ موسم، وقت لمحے جو مس کردیے تھے۔ اب اس میں سچ پوچھو تو جینے کا مزا ہی اور ہے...... ایسے میں اپنی مرضی سے وقت گزارنے کے مزے لے رہی ہوں، تنہائی دور کرنے، بہت پیارے رشتے جو تم جانتی ہو، ہمیشہ سے میری کمزوری ہیں جو خواہ کراچی سے آئیں یا بدیس سے، میں تو اپنا آپ ہی بھول جاتی ہوں اور بار بار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ یہ سب مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ ایسے میں بھلا تم لوگ کہاں بھولتے ہو، جن سے دل کا رشتہ ہے۔ خواہ درد کا ہو یا ساحل کی ہوا جیسا، اس لیے دیکھ لو فوراً قلم سنبھال لیا اور تم میرا فلسفہ پڑھنے سے پہلے مسکراؤ...... ہاں ہاں مسکراؤ...... یہی تو سچا تعلق ہے۔ جو مجھے خوش رکھتا ہے۔ مان بڑھا دیتا ہے۔ محبتوں کا قرض تو اتنا چڑھالیا ہے کہ ہاؤس بلڈنگ فنانس کا قرضہ لگ رہا ہے ایک قسط میں 0 یقیناً ہی اترے گا۔ خاص طور پر رضوانہ کوثر' زمر نعیم' فرح انیس اُداس کر کے جانے والی مینا تاج...... اور دھیمے سے مسکرا کے خط پڑھنے والے جانب کاشی چوہان...... ہے ناں۔ خوش رہو تم سب کہ مجھے

کہنا نہیں آتا پھر بھی ایوارڈ سے نواز دیتے ہو، ذہن کے دروازے سے خوشبو بھاگتی ہوئی اندر آجاتی ہے۔ سارے اپنے جیسے بھی یاد آتے ہیں جو عید پر بھی مسیج ضرور کرتے ہیں سلامت رہیں، سارے پیارے لوگ۔ افسانے سب پڑھ لیے کچھ پر تبصرہ کرنے کو جی چاہا، لیکن پتہ نہیں کیوں سب ہی اچھے لگنے لگتے ہیں تمہارا اداریہ، رفعت سراج کی ناول اُن کے قلم سے تو جو لفظ نکلتا ہے دل میں اتر جاتا ہے۔ سکینہ فرخ، فرزانہ آغا، جن کو پڑھنے کے لیے ہر وقت دل چاہتا ہے دلشاد نسیم کے جملے تو میرے لیے محاورے بن جاتے ہیں۔ دردانہ نوشین کی کہانی' فرزانہ کے ساتھ ساتھ صبیحہ شاہ کی سادہ سچا کھرا انداز عقیلہ حق کی محبتیں، خط تو پورا بینک بن جاتا ہے۔ جس میں محبتوں کا لاکر ہے۔ شائستہ عزیز، سیما مناف کی دوستی' اور شہناز انور شفا' عابدہ رؤف کا انداز سب کچھ فلم کی طرح نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ خط تو افسانہ ہوجائے گا مجھے خاص طور پر رضوانہ کوثر' رضوانہ پرنس کے قریبی رشتوں کے کھو جانے کا ذکر بھی کرنا ہے۔ جس کے لیے الفاظ کم ہیں لیکن سوچتی ہوں جو محبتیں ہم سے کھو جاتی ہیں وہ ہمیں دھیرے دھیرے رب کے قریب لے جاتی ہیں اور پھر ہم پُرسکون ہوجاتے ہیں۔ صابر ہوجاتے ہیں دیکھو تو...... تم سے مل کے ان سب سے باتیں کرکے میں خود کتنی پُرسکون ہوگئی ہوں۔ نئے لکھنے والے بہت اچھا لکھتے ہیں لیکن بس چلتے چلتے درخواست ہے کہ پڑھنا نہیں چھوڑیں۔ ورنہ لفظ بہت سارے لکھنے کے باوجود...... ہم بھی کبھی مڑ کے دیکھیں تو ورق سادہ ہی نظر آتے ہیں ورنہ قلم تو تلوار ہے جن سے ہار جیت کے فیصلے ہوجاتے ہیں۔ کافی طویل ہوگئی گفتگو' دانیال اور زین کو بھی سلام کہ ماشاء اللہ بڑے ہوگئے ہیں۔ اور اُن سب کو جو تمہارے اور دوشیزہ کی کہانیاں کے ساتھ ہیں۔ پڑھنے والوں کا شکریہ کہ اگر وہ نہ ہوتے...... تو ہم گمنام ہوتے۔

✉: ڈیئر غزالہ! جس شاہکار کا انتظار تھا وہ مل گیا یعنی آپ کا خط' بذریعہ **UMS** بھیجنے کے باوجود بھی ڈاک خانے والوں نے خوب جی بھر کر دیر کی۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ ہمارا ڈاک خانہ دل کی آنکھوں سے خطوط پڑھ کر ہمیں روانہ کرتا ہے ورنہ تاخیر کی اور تو کوئی وجہ نہیں۔ ویسے غزالہ مجھے لگتا ہے کہ آپ سب کو بہت یاد کرتی ہیں تو آجائیں نہ کسی دن آفس ایک اچھی سی شام مل کر بتاتے ہیں۔ اصل مقصد تو بس خوش رہنا ہے، ہم لوگ ساری زندگی اس خوف میں گزار دیتے ہیں کہ کوئی ہمیں سمجھے گا بھی یا نہیں۔

✉: کراچی سے ہی آمد ہوئی ہے سکینہ فرخ کی، لکھتی ہیں۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ ستمبر کا دوشیزہ اپنی روایتی خوبصورتی کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ اداریہ حسبِ معمول زبردست تھا۔ یوں تو پورے پاکستان ہی کے لیے مگر بالخصوص شہر کراچی کے لیے اس وقت صفائی ستھرائی اور ہریالی کی اشد ضرورت ہے۔ کاش کہ اربابِ اختیار واقتدار کے ساتھ ساتھ عوام بھی اس کو ایک مہم اور کارِ خیر کی طرح سمجھیں اور پورے جذبے کے ساتھ اپنے شہر کو صاف ستھرا اور ہرا بھرا بنانے کی کوشش کریں۔ ورنہ یہاں کا بڑھتا ہوا Pollution نہ جانے ہمیں کہاں لے جائے۔ دانیال راحیل اور عیشا شفیع دونوں کے بارے میں جان کے اچھا لگا۔ دانیال کا پہلا ڈرامہ سلوٹیں اتفاق سے میں نے دیکھ رکھا ہے۔ واقعی انہوں نے اس میں بہت جاندار پرفارمنس دی تھی۔ عشق واقعی روگ تو ہے مگر معذرت کے ساتھ فی زمانہ آج کل کی لڑکیاں نہ تو سادہ ہیں اور نہ ہی اتنی بے وقوف کہ اپنا وقت اور پیسہ لٹاتی رہیں اور اُن کی آنکھیں پھر نہ کھلیں۔ بلکہ زبردستی کھولنی پڑیں۔ آج کی لڑکی ایسے لڑکوں کو منٹوں میں سمجھ جاتی ہے اور ہری جھنڈی دکھا دیتی ہے کہ آج کل محبت بھی ناپ تول کر اور چھان پھٹک کے کی

دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

ستمبر 2016 کا نتیجہ: قارئین نے مندرجہ ذیل تحریر کو پسند کیا ہے

یہ جو عشق ہے، اِک روگ ہے — نفیسہ سعید

آپ کی نظر میں اس ماہ ''دوشیزہ'' کی بہترین تحریر کون سی ہے؟

دوشیزہ — اکتوبر 2016

عنوان: ______

قلم کار: ______

نام: ______

پتا: ______

ماہنامہ دوشیزہ کراچی

جاتی ہے۔ اور سب کو اپنا مفاد سب سے پہلے عزیز ہوتا ہے۔ اُف یہ محبت پڑھ کر ہنسی آئی آج کل 'فاسٹ اینڈ فیورس' ٹائپ کی محبتوں کا فیشن ہے تو صحیح ہے بھئی، لیلیٰ مجنوں، اگر اس دور میں ہوتے تو اُن کی محبت کا انجام اتنا دردناک نہ ہوتا۔ چھوٹی باجی کی قربانی جان لے کر ہی ختم ہوئی کہ اب لوگ قربانی دینے والوں سے اُن کے خون کے آخری قطرے کے بھی طلب گار رہتے ہیں۔ ایک دل دکھانے والی تحریر تھی، مگر کیا کریں کہ معاشرے میں ایسے واقعات ہوتے بھی ہیں۔ اک آہ چاہیے میں سچ ہی لکھا ہے ڈر بیٹیوں سے نہیں اُن کے نصیب سے لگتا ہے۔ اللہ ساری بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔ آمین۔ آپ اور آپ کے ادارے کے لیے بہت ساری دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ اجازت۔

پیاری دوست تم نے ٹھیک لکھا اب لڑکیاں اتنی بے وقوف نہیں رہیں اور کم از کم میں بہت خوش ہوتی ہوں۔ اسمارٹ اور ذہین لڑکیوں کو دیکھ کر وقت کے ساتھ چلنے والی سمجھدار لڑکیاں جذباتی اور ہر وقت کسی کی محبت میں مبتلا لڑکیاں انتہائی نامعقول ہوتی ہیں بس اللہ سب بچیوں کے نصیب اچھے کرے۔ شمارہ پسند کرنے کا شکریہ

⋈: سعدیہ سیٹھی برطانیہ سے تشریف لائی ہیں، لکھتی ہیں۔ ڈیئر منزہ! امید ہے کہ سب خیریت ہوگی عید پر آپ سے بات ہوئی اچھا لگا اس بار کچھ مصروفیت رہی اس لیے دوشیزہ پورا نہیں پڑھ سکی مگر جتنا پڑھا اُس میں مجھے یشا شفیع کا انٹرویو بہت اچھا لگا۔ بڑی سچی سچی باتیں کیں انہوں نے، ماہ وش طالب کا ناول زبردست تھا۔ رفعت سراج کے بارے میں کیا کہوں وہ تو ہیں ہی زبردست...... افسانوں میں مجھے ماں، سکینہ فرخ، بہترین لگا۔ نفیسہ سعید کا ناولٹ شروع کر دیا ہے اب تک تو بہت اچھا جا رہا ہے۔ مکمل کر کے ضرور بتاؤں گی باقی بھی سب کی تحریر ضرور پڑھوں گی۔ منزہ جی میں یہاں اُن سب کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنہیں میری تحریر اچھی لگی۔ انسان جب وطن سے دور ہوتا ہے تب اپنے وطن کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی پہروں رُلاتی ہیں۔ ماں باپ کے گھر بہن بھائیوں کے ساتھ جو اعقات پاکستان میں گزرا وہ تو کبھی بھول ہی نہیں سکتی۔ سچی بات ہے جب دوشیزہ ہاتھوں میں آتا ہے تو میں پہلے اس کو سونگھتی ہوں میرے دیس کی خوشبو آتی ہے نا...... منزہ کاشی سے کہیے گا کہ ایک کہانی بھیج رہی ہوں پُراسرار نمبر میں ضرور لگا دیں اگر اچھی لگے تو...... اچھا منزہ اب اجازت انشاء اللہ جلد دوشیزہ میں بھی حاضری لگاؤں گی۔

اچھی سی سعدیہ! آپ کی آمد اور وہ بھی وقت پر بہت اچھی لگی۔ واقعی وطن سے دور رہنے والے ہی اس بیش قیمت نعمت جسے دنیا پاکستان کے نام سے جانتی ہے قدر کرتے ہیں ہم لوگوں نے تو اپنے ملک کو تماشہ بنا ڈالا ہے۔ بس دعا ہے اللہ ہم پاکستانیوں کو بھی عقل دے دے۔ آپ کی تعریف لکھاریوں تک پہنچا دی ہے اُن کی طرف سے شکریہ قبول کیجیے۔ دیس کی خوشبو آنے والی لائن نے تو رُلا دیا۔ کہانی کاشی کے حوالے کر دی ہے۔ اب آپ جانے اور وہ...... امید ہے جلد ہی افسانہ ارسال کریں گی۔ خوش رہیے اور اپنا بہت خیال بھی رکھیں۔

⋈: کراچی سے تشریف لائی ہیں خولہ عرفان، لکھتی ہیں۔ بخلوص و محبت محفل دوشیزہ میں قلم رنجہ

اٹھائیسواں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

وہ تقریب جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

وہ تقریب جس میں ملک بھر سے قلم کاروں کا کارواں، اپنے محبت کرنے والوں کے روبرو ہوتا ہے۔

قلم کاروں کے قلم کا حق ادا کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش۔

بہت جلد......

اٹھائیسویں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی تقریب اپنے روایتی رنگ میں جلوہ گر ہوگی۔

''بس تھوڑا سا انتظار......''

سانحہ ارتحال

کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز (CPNE) کے نائب صدر اور ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ گروپ کے ایڈیٹر جناب عامر محمود کی والدہ بیگم محمود ریاض (مرحوم) رضائے الٰہی سے گزشتہ ماہ انتقال فرما گئیں۔ ادارہ دکھ کی ان گھڑیوں میں ان کے ساتھ ہے اور مرحومہ کے درجات کی بلندی کے لیے دعا گو ہے اور اہلِ خانہ کے لیے صبر کی دعا کرتا ہے۔

فرما رہی ہوں۔ ستمبر کا دوشیزہ ہاتھ میں ہے۔ تقریباً پرچہ کی تیاری ہے ایک دو افسانے یا ناول رہ گئے ہیں وہ بھی دعا ہے کہ اس کے خط کے دوران تحریر زیرِ مطالعہ آ جائیں۔ اب تحریر و تقریر بیک وقت کیونکر ممکن ہے اس کے لیے واقعات اور مشاہدات کا سہارا لینا پڑے گا۔ کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ جس طرح امتحانات کے دوران قریبی رشتے داروں کی شادیاں اور اہم کام کے دوران مہمان ضرور آتے ہیں۔ اسی طرح ہماری تحریر کے دوران بھی اولادِ نرینہ کے جھگڑے، میاں جی کی چائے کی فرمائش یا پھر کسی کا فون بن بلائے مہمان کی طرح ضرور ایسی ڈرامائی مداخلت کرتے ہیں کہ اُن امور کو حل کرنے کے بعد یاد ہی نہیں رہتا کہ ہم کس منصب پر کام کررہے تھے۔ ایسے موقعوں پر ہم اپنے واک آؤٹ کر جانے والے خیالات کو پکڑنے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے باقی مصنفین کی تحریر و افکار سے ذہن و دل کو دوبارہ اپنے مقام پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور یوں وقت کے قطرے قطرے سے فائدہ اٹھا کر ہم تحریر و تقریر و تبصرہ کو اس کے خوش آئند انجام تک پہنچا کر دم لیتے ہیں۔ بحرحال محفل میں سب سے پہلے رضوانہ کوثر کی ہمشیرہ کے وصال کی خبر پڑھی اللہ اُن کی مغفرت اور رضوانہ و اہل خانہ کو صبر و ہمت سے اس بڑے صدمے کو جھیلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ پروفیسر صفیہ سلطانہ، مغل صاحبہ اور شگفتہ شفیق صاحبہ کو داد و اور نانو بننے کی بہت بہت مبارک باد قبول ہو۔ اب آتے ہیں دوشیزہ کی طرف منزہ آپ کا اعزاز یہ ارسال کرنے کا بہت بہت شکریہ...... دونوں رسالے اگرچہ 26 اگست کو وصول پائے۔ مگر سچی کہانیاں کا ستمبر کا رسالہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ تبصرہ تو کب کا لکھ کر روانہ کر ہی چکے تھے البتہ سچی کہانیاں ستمبر کا نیا تھا سو وہ زیرِ مطالعہ لانے میں دیر نہیں کی۔ اب دونوں رسالوں کو احتیاط سے ایوارڈ کی طرح سجا کر رکھ دیا ہے۔ کیونکہ یہ آپ کی طرف سے ملنے والا پہلا تحفہ اور اعزاز ہے۔ جزاک اللہ منزہ، اللہ آپ کو بہت نوازے آمین۔ اب دوشیزہ کے تبصرے کی باری ہے۔ اداریے میں موسم کی اتنی خوبصورت منظر کشی کر کے جو سبزہ کی افادیت سے روشناس کرایا ہے تو جناب آپ کی سوچ کی تقلید میں سرخم ہے۔ طہریالی ہماری بھی کمزوری ہے اللہ ہمارے وطن کو ہمیشہ سرسبز و شاداب اور خوشیوں سے آباد رکھے آمین۔ محفل میں شریک ان تمام شرکاء کا شکریہ جنہوں میری تحریر پر اپنی قیمتی رائے کا اظہار کر کے میرے قلم کو تقویت اور دل کو حوصلہ بخشا۔ الفاظ بہت اہم اور محترم ہوتے ہیں اور بے انتہا حساس اس وقت ہو جاتے ہیں جب اُن کے پاس لہجہ کا سہارا نہ ہو درحقیقت ہم اپنی رائے نہیں بلکہ دوسروں کے احساسات کو نئی زندگی دے رہے ہوتے ہیں۔ محفل میں زمر، فرح اسلم اور فصیحہ کے خطوط سے متعلق یہ

پراسرار کہانی نمبر 3

Email : pearlpublications@hotmail.com

پراسرار نمبر 1 اور پراسرار نمبر 2 کے بعد پراسرار نمبر 3

ایک ایسا شاہکار شمارہ جس میں دل دہلا دینے والی وہ سچ بیانیاں شامل ہیں جو آپ کو چونکنے پر مجبور کر دیں گی۔

آپ کے اُن پسندیدہ رائٹرز کے قلم سے، جو آپ کی نبض شناس ہیں۔

جن کی کہانیوں کا آپ کو انتظار رہتا ہے۔

جنوں، بھوتوں اور ارواحِ خبیثہ کی ایسی کہانیاں جو واقعی آپ کو خوف میں مبتلا کر دیں گی۔

ہمارا دعویٰ ہے!

اس سے پہلے......

ایسی ناقابلِ یقین، دہشت انگیز اور خوفناک کہانیاں شاید ہی آپ نے پڑھی ہوں۔

آج ہی اپنے ہاکر یا قریبی بک اسٹال پر اپنی کاپی مختص کرالیں۔

سچی کہانیاں کا ماہِ دسمبر کا شمارہ، پراسرار نمبر 3 ہوگا۔

ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں۔

ضرور کہوں گی کہ جتنا فصیل میرا خط ہوتا ہے اتنے ہی اُن کے خطوط بھی ہوتے ہیں اور یہ سب اپنی سوچ اور تحریر کی پختگی کے ساتھ افسانوں کے خدوخال واضح کرتی ہیں اور کہانی واندازِ بیان کے حوالے سے زیادہ بہترین انداز میں الفاظ میں تبصرہ پیش کرتی ہیں۔ فصیحہ کے حوالے سے تو میں سمجھ رہی تھی کہ اگست کا ایوارڈ اُن کے افسانے مقتل اور ریمل کے افسانے دشت عطش کو جائے گا۔ لیکن خیر...... اس دفعہ کا فصیحہ کا خوشیوں بھری عید بھی اچھی تحریر ہے اور اللہ اُن کا قلم سدا رواں اور جواں رکھے۔ ایوارڈ بہت زمر اور آپ کی کمپوزنگ کے حوالے سے ہونے والی گفتگو سے مجھے اتفاق ہے کیونکہ میرے شعر میں موجود لب نے اب بن کر شعر کا حسن مجروح سا کردیا ہے۔ لیکن ہم خود بڑے خطا کار ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے اپنی اصلاح کی دعا کرتے ہیں اور دوشیزہ کے لیے تو دعائیں ہی دعائیں ہیں۔ عقیلہ حق کا خط پڑھنے والا نہیں سننے والا ہوتا ہے۔ الفاظ باتیں کرتے ہیں جو صرف دل سنتا ہے اور اس پر سر دھنتا ہے۔ کمال مصنفہ ہیں جناب لب محفل فرح انیس کے خط میں اپنا نام دیکھ کر چونک گئی۔ اس تصنع کے دور میں مصنفین اور مبصرین حقیقت کا گہرا ادراک ہی نہیں رکھے ہوئے ہیں بلکہ معاشرے کے نشیب و فراز پر اُن کی تنقید و اصلاح کی نظر بھی ہے۔ بہت خوشی ہوئی شکریہ فرح انیس آج کل سنبل محفل اور رسالے میں نظر نہیں آ رہی ہیں۔ ورنہ اُن کا بھی بڑا جامع تبصرہ ہوتا ہے۔ کچھ دنوں بعد منزہ مجھے لگتا ہے کہ محفل اور افسانوں پر تبصرہ کے لیے الگ الگ خطوط ارسال کرنے پڑیں گے۔ قامت خط کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ افسانوں پر تبصرے کی طرف بڑھتی ہوں۔ اسماء اعوان لاکھ اپنے افسانوں میں لائف بوائے شیمپو کے کمالات دکھائیں لیکن سب سے بڑا کمال اُن کی تحریر ہے زندگی میں آج تک کسی بوائے کی تعریف میں اتنا بڑا سہرا نہیں لکھا جا سکتا ہے۔ جتنا بڑا سہرا اسماء کی تحریروں کو جمع کر کے لائف بوائے کے لیے لکھا جائے گا۔ ہاہاہا...... یہ صرف مذاق ہے اسماء ورنہ ہمیں یقین ہے کہ تم کو اپنی صلاحیتوں پر اِس سے کہیں زیادہ بھروسہ ہے۔ جتنا کہ ہمیں اپنی تنقید برائے تنقید پر ہے۔ کیونکہ ہماری تنقید کا دائرہ مذاق کی حد تک ہے اور کچھ نہیں۔ رفعت سراج حسب سابق دام دل پر بڑی اچھی گرفت رکھے ہوئے ہیں۔ سکینہ فرح کا مان بہت بہت...... اچھی تحریر تھی۔ سفید پوش لوگوں کے آنکھ کے تاروں جیسی بیٹیوں کی روشنی اُن کے جیسے سفید پوش لوگ ہی گل کردیتے ہیں۔ بس امید کی کرن ہے جو ستاروں کو چمکنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ نفیسہ سعید کا ناولٹ یہ جو عشق...... اندازِ تحریر بہت خوب تھا۔ کہانی روایتی محبت اور بیوقوفی کی حد تک سیدھی محبوبہ کے گرد تھی۔ اگر یہ محبوبہ طٰحہ کے ابا سے شادی کرلیتی تو صحیح معنوں میں طٰحہ اور اُن کی والدہ کو تارے نظر آ جاتے۔ ایسے لوگ معافی کے قابل نہیں ہوتے۔ بلال فیاض کا اُف یہ محبت بہت خوبصورت تحریر تھی۔ مزہ آ گیا پڑھ کر، شیما عبدالقیوم کا چھوٹی باجی اور منعم اصغر کا مرحومہ کی عید دونوں سگے رشتے داروں سے متعلق سبق آموز کہانی تھی۔ شمسہ فیصل کا ناولٹ ایک آہ چاہیے میں عورت کی بے وقعتی کی لب ولہجہ اور زبان و بیاں کے اعتبار سے بہترین ترجمانی کی ہے۔ زمر کا ناول ابھی امکان...... بہت خوبصورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ زمر ہر اُس احساس اور جذبے کو قلم کی گرفت میں لائی ہیں جو حالات و واقعات کے متقاضی ہیں اور خوبصورت

سچی کہانیاں کا یادگار ’عشق نمبر‘

محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے

عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے

بلکہ ہم تو کہتے ہیں

عشق کا تجربہ ضروری ہے
ورنہ یہ زندگی ادھوری ہے

عشق نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟

یہ واردات ہوئی تو آپ عشق کی ہتھکڑی میں قید ہوئے یا بس دیکھتے ہی دیکھتے، عشق نے آپ کو کسی اور جہان میں پہنچا دیا۔

سچی کہانیاں کے صفحات پر اگلے ماہ..... یعنی ماہِ نومبر میں ’عشق کی وارداتیں، عشق کی گھاتیں، عشق کی فتح اور عشق کی ناکامی سے جڑی وہ کہانیاں، جن سے ابنِ آدم اپنی زندگی میں ضرور گزرا ہوگا۔

جی ہاں! سچی کہانیاں کا ماہِ نومبر کا شمارہ **عشق نمبر** ...... ہوگا

ایجنٹ اور ہاکر حضرات نوٹ فرمالیں

سچی کہانیاں کا ماہِ نومبر کا شمارہ ’’عشق نمبر‘‘ ہوگا

جملوں سے اس میں جان ڈال دی ہے۔ اسماء اعوان کا دوشیزہ گلستان ہمیشہ کی طرح مہکتا ملا۔ نئے لہجے نئی آوازیں میں اپنے دو مصرعے غائب ہونے سے اشعار غیر متوازن و مبہم لگے۔ لیکن باقی غزلیں سب معیاری تھیں۔ سپنے سہانے ابھی زیرِ مطالعہ نہیں آیا لیکن پہلا حصہ جاندار تھا امید ہے دوسرا حصہ بھی شاندار ہوگا۔ ماہ وش طالب کا ناول ابھی تھوڑا سا شروع کیا ہے۔ لیکن جملے مربوط و مضبوط ہیں کہانی بھی عمدہ ہوگی۔ حنا اصغر کا وطن سے محبت سے سرشار افسانہ اچھا تھا۔ کچن کارنر کی تمام تراکیب پر مصالحہ لگا کر رکھ دیا ہے کھانے جائیں گے اور دعا دیتے جائیں گے کیونکہ عید قربان سر پر سے گزر چکی ہے۔ بکرے اور گائے کے بعد اب ہمیں اپنے وقت کی بھی قربانی دینی ہے۔ اس لیے اجازت چاہوں گی۔ منزہ ایک افسانہ حاضرِ خدمت ہے ویسے تو سوچ رہی ہوں کہ ابھی پچھلے افسانے انتظار کی لائن میں ہیں نیا ارسال کروں کہ نہیں۔ لیکن طبیعت بڑی عجلت پسند اور فطرت اپنی ستاہل پسند ہے۔ کبھی ہفتوں قلم نہیں اٹھتا، اور جب جاگ جائے تو تحریر کو جلد ہی روانہ کرنے کی فکر ہو جاتی ہے۔ جیسے تحریر نہ ہوئی بیٹی ہوگئی۔ یہاں بڑی ہوئی نہیں وہاں اُس کو اپنے گھر کا کرنے کی فکر کھڑی ہوئی نہیں۔ بہر حال سب آپ کے حوالے کر کے ہم چین ہی چین نہیں لکھتے۔ بلکہ منتظر منتظر ہی لکھتے ہیں ہی ہی ہی...... منزہ آپ اتنی محبت وخلوص سے پوچھتی ہیں کہ ہم سر چڑھ گئے ہیں لیکن آپ سے ہلکا پھلکا گلا کرنا تو بنتا ہے نا۔ اگر کوئی بات قابلِ اعتراض لگے تو پیشگی معافی نامہ حاضر ہے۔ اب اجازت چاہتی ہوں۔ اہلیان وطن کو دوشیزہ اور اراکین دوشیزہ اور بہت اچھی اور پُرخلوص منزہ کو منزل بہ منزل کامیابیوں اور خوشیوں سے بھرپور دعائیں اور خولہ کی طرف سے سب کو تاخیر کے ساتھ عید الاضحیٰ مبارک۔

ﷺ: پیاری سی خولہ! تمہارے تبصرے اور پابندی وقت سے تو میں بہت مرعوب ہوگئی ہوں۔ درست وقت پر غلط چیز بھی ملے تو مزہ دیتی ہے اور اگر وقت غلط ہو تو درست چیز بھی اہمیت کھو دیتی ہے۔ تم نے سنبل کو یاد کیا تو جناب وہ حاضر ہیں ادارہ یہ اور شمارہ پسند کرنے کا شکریہ

✉: لاہور سے تشریف لاتی ہیں حبیبہ عمیر، لکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے سب کی خیریت مطلوب ہے۔ کب سے سوچ رہی تھی کہ ایک چٹھی لکھوں لیکن گھر بھر کی مصروفیات نے مہلت ہی نہ دی۔ خدا خدا کر کے بڑی مشکلوں سے ٹائم نکالا ہے۔ دوشیزہ ذرا لیٹ موصول ہوا تو زیادہ پڑھ نہیں پائی لیکن یہ بخوبی اندازہ ہوگیا کہ یہ عید نمبر کے رنگ لیے ہوئے ہے۔ آپ کو میں نے چند افسانے اور ایک ناول بھیجا ہوا ہے پلیز جلدی سے انہیں اپنے شمارے میں جگہ دیجیے۔ تاکہ میں اپنا طویل ناول ارسال کرسکوں۔ آج کے لیے بس اتنا ہی آئندہ مکمل تبصرے کے ساتھ تشریف لاؤں گی۔

ﷺ: سویٹ حبیبہ! تم نے بھی پابندی وقت کا پورا خیال رکھا تو میری کیا مجال کہ میں خط شائع نہ کروں۔ اب تو چند اعتبار کرلو کہ میری کوشش ہوتی ہے کہ رائٹرز کو زیادہ انتظار نہ کرواؤں۔ تمہارے طویل ناول کا انتظار رہے گا۔ خوش رہو۔

✉: کراچی سے تشریف لائی ہیں ماریہ یاسر، لکھتی ہیں۔ پیاری سی منزہ آپی آداب عرض ہے امید کرتی ہوں کہ آپ اور کاشی سر خیر خیریت سے ہوں گے۔ کافی مہینوں بعد آپ سے مخاطب ہو رہی ہوں کہیں آپ مجھے بھول تو نہیں گئیں۔ ابھی تک میں کچھ ایسا لکھ نہیں پائی کہ نا قابلِ فراموش لوگوں کی

دنیا
میں کس جگہ
دوشیزہ
کے چرچے نہیں
آپ دوشیزہ کے خریدار بن کر ملک کو
زرمبادلہ بھیجیے
اندرون ملک =/890 روپے
ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلے میں دستیاب ہے
زرسالانہ
کویت 55 امریکی ڈالرز
ایران 55 امریکی ڈالرز
سعودی عرب 55 امریکی ڈالرز
سری لنکا 55 امریکی ڈالرز
یو اے ای 55 امریکی ڈالرز
جاپان 55 امریکی ڈالرز
مصر 55 امریکی ڈالرز
لیبیا 55 امریکی ڈالرز
یونان 55 امریکی ڈالرز
ڈنمارک 55 امریکی ڈالرز
فرانس 55 امریکی ڈالرز
جرمنی 55 امریکی ڈالرز
برطانیہ 55 امریکی ڈالرز
ہالینڈ 55 امریکی ڈالرز
ناروے 55 امریکی ڈالرز
پولینڈ 55 امریکی ڈالرز
امریکہ 65 امریکی ڈالرز
کینیڈا 65 امریکی ڈالرز
افریقہ 65 امریکی ڈالرز
آسٹریلیا 65 امریکی ڈالرز
آج ہی رابطہ کیجیے
88-C II۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی
فون نمبر 021-35893121 - 35893122

فہرست میں شامل ہوسکوں۔ خیر اگست میں میری کہانی شامل کرنے کے لیے مہربانی......اب دوبارہ سے ایک ہلکی پھلکی کہانی کے ہمراہ ہوئی ہوں۔ یہ کہانی میری پچھلی کہانیوں سے تھوڑی......نہیں بلکہ کافی مختلف ہے امید کرتی ہوں کہ آپ کا گلا دور کرنے میں کامیاب ہو پائے گی۔ اگر پسند آئے تو کسی نزدیکی شمارے میں لگائیے گا پلیز...... اچھا آپی میری ایک پرانی کہانی (افسانہ، محبتوں کے رنگ انوکھے) جو میں نے اِس سال کے پہلے مہینے میں بھیجی تھی اُس کیا فیصلہ ہوا مطلب قابلِ اشاعت ہے یا نہیں؟ اکتوبر میں اُس کے بارے میں ضرور بتائیے گا اب آتے ہیں ستمبر کے شمارے کی طرف جو حسبِ روایت اعلیٰ تھا۔ دوشیزہ کی محفل تو واقعی میں ساری دوشیزاؤں کے لیے خوبصورت اور پُر رونق محفل کی مانند اپنے اندر اپنائیت سموئے ہوئے ہوتی ہے۔ میں شروعات اسی محفل میں آنے سے ہی کرتی ہوں اُس کے بعد افسانوں کی باری ہوتی ہے جو اس بار بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ مکمل ناول میں ماہ وش طالب کا نام جگمگا رہا تھا۔ بہت خوب بے شک ماہ وش خوب سے خوب تر لکھ رہی ہیں۔ عید اور بیٹی کی مصروفیات کی بنا پر ابھی تک صرف یہی پڑھ پائی ہوں اس لیے باقی پرچے پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔ آپی میں نئے لہجے نئی آوازیں کے لیے اپنی غزل بھی بھیج رہی ہوں۔ امید کرتی ہوں پسند آئے گی۔ آخر میں آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ خط کون سی تاریخ تک بھیجے جاسکتے ہیں تاکہ وہ اگلے مہینے شامل ہو پائیں۔ اس بار آپ تک اگر خط تھوڑا لیٹ پہنچے تو پلیز اگلے مہینے لگا دیجیے گا۔ اللہ حافظ۔

ﷺ: کیوٹ سی ماریہ! تمہارا خط بالکل وقت پر پہنچا ہے خط ہر ماہ کی 24 تک اگر مل جائے تو بڑی سہولت سے محفل میں شامل ہو جاتا ہے۔ تمہارا افسانہ ابھی نہیں پڑھ سکی مگر پچھلا افسانہ تیار ہے جلد شائع کروں گی۔ بچے گلہ نہیں تھا مگر میں چاہتی ہوں کہ لکھنے والے مستقل ایک ہی موضوع پر نہ لکھیں۔ جب اللہ نے ذہن عطا کیا ہے تو زندگی کے دیگر معاملات کو بھی بغور دیکھنا چاہیے تبھی ایک شاہکار افسانہ تخلیق ہوتا ہے۔ اور ہاں میں کبھی بھی اپنے رائٹرز کو نہیں بھولتی...... تمہاری غزل کاشی چوہان کے حوالے کر دی ہے بقول غزالہ رشید وہ شاعر پاکستان ہیں۔

✉: کراچی سے تشریف لائی ہیں مہوش میر، لکھتی ہیں۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے میں اپنی تحریر کردہ ناول (اعتبار کا رشتہ) کی پہلی قسط دوشیزہ کے لیے اور ایک سچی کہانی (کاش سمجھ جاتے) بھجوا رہی ہوں اس امید کے ساتھ کہ انہیں شائع کر کے قارئین تک پہنچایا جائے گا۔ اللہ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

ﷺ: ڈیئر مہوش تمہیں محفل میں خوش آمدید کہتی ہوں۔ تحریر مل گئی ہے مگر ابھی پڑھ نہیں سکی جلد مطلع کروں گی۔ سچی کہانی ایڈیٹر سچی کہانی کے حوالے کر دی ہے۔

✉: یہ آمد ہے کراچی سے درشہوار کی، لکھتی ہیں۔ ایڈیٹر صاحبہ! یہ میرا پہلا خط ہے دوشیزہ کو آنکھ کھلتے ہی گھر میں دیکھا۔ پہلے نانی پڑھتی تھیں پھر اماں اور اب ہم بہنیں اس طرح دوشیزہ ہمارے گھر کا ہی ایک فرد ہے۔ مجھے اس میں چھپنے والی تحریریں بہت پسند ہیں حالانکہ اکثر مجھے اماں سے ڈانٹ بھی پڑتی ہے کہ میں دوشیزہ منگوا کر جب تک پورا پڑھ نہ لوں کوئی کام نہیں کرتی خیر یہ تو وجہ نہیں آپ کو خط لکھنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ میرے کالج آئی تھیں بطور چیف گیسٹ میں اس دن کالج نہیں جاسکی

پہلا سچی کہانیاں رائٹرز ایوارڈ

انتظار کی گھڑیاں ختم!

منی پاکستان سے نکل کر......

پاکستان کے دل میں......

زندہ دلانِ لاہور کے درمیان

ماہِ نومبر میں

پہلے سچی کہانیاں رائٹرز ایوارڈ کی تقریب

اپنی روایتی شان وشوکت کے ساتھ منعقد کی جارہی ہے

کیا **لاہور** ...... **کراچی** سے سبقت لے جائے گا؟

اس سوال کا جواب...... سچی کہانیاں کے چاہنے والوں کے ہاتھ میں ہے

اس تقریب کو کامیاب بنانے کے لیے......

آپ میرا ساتھ دے رہے ہیں ناں؟

آپ کے جواب کا منتظر......

آپ کا اپنا......

کاشی چوہان

نوٹ: تقریب کی تاریخ اور مقام کا اعلان اگلے ماہ کے شمارے میں کردیا جائے گا۔

تھی۔ کچھ دن قبل دوست کے موبائل میں آپ کی پکچرز دیکھیں تو آپ کی فین ہوگئی مجھے بہت دکھ ہوا کہ آپ سے ملاقات نہیں ہوئی آپ تو بہت سوئٹ ہیں مجھے لگتا تھا کہ دوشیزہ کی ایڈیٹر کوئی بوڑھی سی آنٹی ہوں گی۔ امید کرتی ہوں کہ آپ کو میری کوئی بات بری نہیں لگی ہوگی۔

ج: سوئٹ در شہوار! تمہارا خط پڑھ کر بہت اچھا لگا اور یہ جان کر تو بہت ہی اچھا لگا کہ میں تمہیں سوئٹ لگی ذرا میرے بیٹوں سے تو پوچھو...... اصل میں تم خود بہت پیاری سی گڑیا ہو۔ اور آنٹی تو میں ہوں مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے محفل میں شرکت کی مگر اچھی لڑکی اماں کو ناراض مت کیا کرو دوشیزہ ضرور پڑھو مگر اپنی پڑھائی اور اماں کے کاموں کے بعد...... اللہ تمہیں اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے رکھے آمین۔

✉: کراچی سے پہلی بار محفل میں شریک ہیں زہرا، لکھتی ہیں ڈیئر ایڈیٹر صاحبہ، یہ ناول میری اردو میں لکھی جانے والی پہلی کاوش ہے۔ جیسا کہ اس ناول کو ہاتھ میں لے کر آپ کو اندازہ ہو رہا ہوگا کہ لکھنے والے کے پاس اب Resources کی واضح کمی ہے۔ لیکن اس کے صفحات کی نمبرنگ اس طرح کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو وقت نہ پیش آئے۔ الٹے ہاتھ پر صفحہ نمبر اور سیدھے ہاتھ پر اس بنڈل کے صفحات کی نمبرنگ آپ کی آسانی کے لیے موجود ہے۔ مزید یہ کہ اس کاوش کو کامیاب ہونا میرے لیے بہت ضروری ہے۔ اس کا شائع ہونا میری زندگی کی رکی ہوئی گاڑی کو دھکا لگانے میں معاون ثابت ہوگا۔ امید ہے کہ آپ اس کوشش کو صفحات کے معیار سے قطع نظر جانچیں گی۔ اس ناول میں مزاح، رومانس، سسپنس اور جذبات کے اظہار میں توازن رکھنے کی کوشش کی گئی ہے امید ہے کہ آپ اس ناول کو پسند کریں گی اور میرے اندر حوصلہ بڑھے گا کہ اپنے دماغ میں موجود مزید پلاٹس کو کہانی کی شکل دے سکوں۔

ج: پیاری زہرا! تمہارا خط پڑھ کر مجھے امید نہیں یقین ہے کہ تم یقیناً اچھا لکھ سکتی ہو۔ مگر کیا کریں تمہاری تحریر پڑھے بغیر قیاس آرائی نہیں کر سکتی۔ انشاء اللہ بہت جلد تحریر پڑھ کر تمہیں مطلع کر دوں گی۔ اور ہاں محفل میں اگلے ماہ مجھے تمہارے تبصرے کا انتظار رہے گا۔

✉: رضوانہ کوثر اپنی محبتوں کے ساتھ لاہور سے محفل میں شریک ہیں، لکھتی ہیں۔ منزہ پیاری سلامت رہو۔ دوشیزہ حسب روایت وقت پر میرے ہاتھ میں موجود تھا۔ تمہاری محبتوں کو کیا نام دوں۔ خدا تمہیں خوش رکھے اور زندگی کی تمام خوشیاں تمہارے پاس ہر دم موجود ہوں۔ زندگی کی علامت نے بیماری کی حالت میں بھی مجھ میں جینے کی امنگ دلا دی۔ دوشیزہ کی محفل میں زمر، فرح اسلم قریشی، عقیلہ حق، شگفتہ شفیق، مومنہ بتول، فصیحہ آصف خان، مسز احمد، خولہ عرفان، ڈاکٹر اقبال ہاشمانی، سکینہ فرخ اور فرح انیس کے خطوط نے خوب رونق لگائی ہوئی تھی بہت اچھا لگا۔ نشا شفیع اور دانیال راحیل سے ملاقات زبردست رہی۔ آگے بڑھے تو لائف بوائے انٹرنیشنل شیمپوز کو مات دلا رہا تھا۔ سچ پوچھیں تو اسماء اعوان اس وقت دوشیزہ کی صف اول کی مصنفہ بن چکی ہیں۔ خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ...... رفعت سراج کا دام دل 20 ویں قسط میں بھی پڑھنے پر مجبور کر رہا ہے۔ رفعت سراج اردو ادب کا بڑا نام ہیں۔ ان کی تحریر پڑھ کر تحریر کی تازگی اور خوبصورتی کا احساس ہوتا ہے۔ سکینہ فرخ کا افسانہ مان اعلیٰ پائے کا افسانہ رہا، فصیحہ آصف نے عید الاضحیٰ کو بھی خوشیوں سے بھر دیا۔ واہ فصیحہ تم بھی کمال کرتی ہو اس بار نفیسہ سعید نے ناولٹ یہ جو عشق ہے اک روگ ہے لکھ کر میلہ لوٹ لیا۔ نفیسہ تمہاری تحریر پڑھ کر میں بہت روئی ہوں۔ بلال فیاض تم نے بھی اُف۔ محبت کا اتنا سچا

روپ دکھایا ہے کہ بڑھ کر داد دینے کو دل چاہا۔ جیتے رہو، مجھے آئیڈیل میں چھپی تمہاری تحریریں آج بھی یاد ہیں۔اب اگر تم نے قلم اٹھا ہی لیا ہے تو بیٹا اب پیچھے نہ ہٹنا...... ویلڈن بلال...... شیما عبدالقیوم پیاری لڑکی شکر ہے چھوٹی باجی کو لے کر تم بھی میدان میں آ گئیں۔ چھوٹی باجی ایک ہلکی پھلکی زبردست تحریر رہی۔اس کے بعد ماہ وش طالب اپنے مکمل ناول 'جنوں کی راہ' پر افسردہ سی لڑکی کا اسکیچ لیے موجود تھیں۔ زبردست...... ماہ وش تمہارے اندر ایک بہت بڑا لکھاری چھپا ہے۔ تمہاری اس سے پہلے شائع شدہ تحریریں بھی بہت زبردست تھیں لیکن اس مکمل ناول میں تمہارے اندر کا لکھاری کھل کر سامنے آیا ہے۔ منعم اصغر تمہارا افسانہ مہرمہ کی عید بھی اچھا لگا۔ شمسہ فیصل زمانوں بعد تمہاری تحریر نظر آئی۔ ناولٹ 'اک آہ چاہیے' میں تم نے غضب ڈھایا ہے۔ سچ پوچھو تو کچھ تحریریں اپنی سچائی کی وجہ سے دل کو چھو لیتی ہیں۔اک آہ چاہیے بھی ایک ایسی ہی خوبصورت تحریر ہے۔ تم نے واقعی اس تحریر میں قلم کا حق ادا کر دیا ہے۔ خوش رہو اور اتنی پیاری تحریر لکھنے پر میری طرف سے بہت بہت مبارکباد قبول کرو۔ نسرین اختر نینا کا منی ناول سپنے سہانے کا دوسرا حصہ بھی اچھا لگا۔ نسرین تم کہاں کھو گئی تھیں۔ لکھتی رہا کرو لکھنے سے انسان کا فرسٹریشن ختم ہوتا ہے۔ ایک لکھاری اپنے آپ کو، اپنی تحریر کے ذریعے صفحہ قرطاس پر بکھیر کر از جیلک ہو جاتا ہے۔ یہ منی ناول بھی آہستہ آہستہ یقیناً اپنی جگہ بنا لے گا۔ حنا اصغر کا افسانہ 'اُفق کے اُس پار' انتہائی خشک موضوع پر لکھا گیا تھا۔ لیکن حنا نے ثابت کیا کہ اُس کے اندر بھی ایک اچھا رائٹر پوری جزئیات سمیت موجود ہے۔ افسانے کے اختتام نے افسانے کو نیا رنگ دے کر کامیاب کر دیا۔ زمر نعیم کا ناول 'ابھی امکان باقی ہے' اپنی خوبصورتی کے ساتھ جاری ہے۔ دوسری قسط میں بھی زمر نے شاندار لکھا۔ زمر مجھے دو سو فیصد یقین ہے کہ ابھی امکان باقی ہے تمہارا سب سے لازوال ناول ثابت ہوگا۔ پتہ نہیں کیوں جب میں یہ ناول پڑھتی ہوں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے تمام کردار میرے ساتھ ساتھ فلم کی صورت اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ زمر تمہارے ناول کی اس سے زیادہ تعریف مجھ سے ممکن نہیں۔ بس میں ہر پل یہ دعا کرتی ہوں کہ خدا تمہیں صحت دے اور تم اپنی تمام خواہشات پوری کر سکو۔ منزہ جی اس بار ساجدہ نامی لڑکی کی شاعری نے متاثر کیا۔ دوشیزہ گلستان میں پروین شروانی کا گوتم بدھ، ناصرہ ناروے کا وہ اکیلا ہے۔ رضوان اللہ کا صاحب ثروت اور سلمیٰ بحرین کا جبرائیل امین بہت پسند آیا۔ جبکہ سلمیٰ شکور 'رام گیتا' غزالہ رشید 'افشاں یو کے' 'رازِ عدن بحرین' کے انتخابات بھی زبردست رہے۔ رمزی آثم کے چار اشعار نے رولا دیا۔ نئے لہجے نئی آوازیں میں ہلکی پھلکی شاعری اچھی لگتی ہے۔ چٹ پٹی خبریں اور کچن کارنر بھی حسب معمول پسند آئے۔ منزہ جی اب اجازت دیجیے۔ میری صحت کی دعا ضرور کیجیے۔

ج: پیاری رضوانہ! سچ پوچھو تو تمہارے تبصرے نے مجھے مہمیز کر دیا۔ خوش رہو اور تمہاری صحت کے لیے میں ہی نہیں میرے قاری بھی دعا گو ہیں۔ تبصرہ واقعی بہت زبردست رہا اور میں یہ کہنے پر مجبور ہوگئی ہوں کہ خدا کا شکر ہے کہ تمہارے جیسے محبت کرنے والے میرے اپنے ہیں۔

اس آخری خط کے ساتھ مجھے اجازت دیجیے، خوش رہیے اور خوش رکھیے۔

دعاؤں کی طالب

منزہ سہام

دیپک پروانی

Top فیشن ڈیزائنر اور ایکٹر

مونی خان

دیپک پروانی کے نام سے شائد ہی کوئی ہو جو واقف نہ ہو۔ اس وقت اُن کا شمار پاکستان کے TOP ڈیزائنرز میں ہوتا ہے۔ دیپک نے 20 سال کی عمر میں فیشن انڈسٹری میں قدم رکھا۔ اُن کی پہچان اصل میں مردوں کے ڈریسز ہیں مگر برائیڈل جوڑوں کا بھی جواب نہیں۔ چاہیے فارمل ہوں یا لان دیپک کی خاصیت رنگوں کا حسین امتزاج ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انہیں شوخ رنگوں سے کھیلنے کا شوق بھی ہے اور ہنر بھی......

دیپک 1973ء میں میرپور خاص میں پیدا ہوئے۔ ابھی تک سنگل ہیں۔ کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں دیپک کے اسٹورز موجود ہیں۔ جن لوگوں کو مختلف اور حسین لباس پہننے کا شوق ہو چاہے وہ لان کے جوڑے ہوں، ساڑھی، فارمل یا دلہن کے جوڑے وہ دیپک کی رینج

ضرور دیکھیں، دولہا کی شیروانی اور کرتے بہت زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔ دیپک بہت اچھے آرٹسٹ بھی ہیں اب تک کئی ڈراموں میں کام کرچکے ہیں۔ لوگ اُن کی نیچرل اداکاری کے مداح ہیں۔ دیپک کا کہنا ہے کہ جب کام کر کر کے تھک جاتا ہوں تب شوبز کا رُخ کرتا ہوں۔ خوش قسمت ہوں کہ لوگ میرے کپڑوں کی طرح میری اداکاری کو بھی پسند کرتے ہیں۔ دیپک نے پاکستان اور پاکستان سے باہر بے شمار فیشن شوز میں حصہ لیا اور ایوارڈز بھی جیتے ہیں۔ آپ لوگوں کو سن کر خوشگوار حیرت ہوگی کہ دیپک کا نام گینزر بک آف ورلڈ ریکارڈ میں بھی موجود ہے۔ دیپک پاکستان فیشن انڈسٹری کا ایک روشن ستارہ ہیں اور ہمیں اُن پر فخر ہے۔

☆☆☆

نیلم منیر

دورِ حاضر کی منفرد اداکارہ

ذیشان فراز

س: آپ کی تاریخ پیدائش؟
ج: میں 20 مارچ 1992ء کو کراچی میں پیدا ہوئی۔
س: آپ کا قد ماشاء اللہ بہت اچھا ہے چھوٹے قد کے ہیروز کے ساتھ آنا کیسا لگتا ہے؟
ج: (ہنستے ہوئے) اب کچھ ایسا لمبا قد بھی نہیں میری ہائیٹ 5.5 ہے اور ہیروز زیادہ تر Tall ہی ہیں کم از کم کوئی 5.5 تو نہیں۔
س: آپ نے ڈراموں کے علاوہ ماڈلنگ بھی کی کیسا تجربہ ہے؟
ج: جی میں نے مختلف ڈیزائنرز کے لیے شوٹ بھی کیے مجھے ماڈلنگ اداکاری سے بہت مختلف اس لیے نہیں لگتی کیونکہ چہرے کے تاثرات دونوں میں بہت اہم ہوتے ہیں بالکل Blank لُک ماڈلنگ میں بھی نہیں چلتی۔
س: آپ نے بہت سارے ڈراموں میں کام کیا لوگ آپ کو

بہت پسند بھی کرتے ہیں مگر آپ کو اپنے کون سے Plays زیادہ اچھے لگتے ہیں۔

ج: آپ نے ٹھیک کہا کہ Plays تو بہت ہیں اور چوائس کرنا کافی مشکل مگر جو مجھے یاد ہیں ان میں 'تھوڑا سا آسمان، میری صبح کا ستارہ، آنکھ مچولی، کیسے ہوئے بے نام، اوپر گوری کا مکان، جل پری، اشک اور قید تنہائی' ہیں۔

س: سنا ہے آپ نے شادی کرلی؟

ج: افوہ! خدا کے لیے وہ صرف ایک مارننگ شو کا ڈرامہ تھا اور میں نے اُس کی بار بار اس لیے بھی تردید کی کہ کہیں میرے لیے اچھے اچھے رشتے آنا بند نہ ہو جائیں۔

س: نیلم سنا ہے آپ بھارتی فلم میں کام کرنے والی ہیں؟

ج: بالکل نہیں میں سچ کہوں گی مجھے کسی بھارتی فلم کی آفر نہیں ہے ہاں مجھے بھارتی ڈراموں کی کئی آفرز ہیں اور میں سوچ بھی رہی ہوں کہ کام کروں۔

س: آپ ہر قسم کے رول بہت مہارت سے ادا کرتی ہیں کیا باقاعدہ تربیت لی ہے؟

ج: تربیت تو کچھ خاص نہیں بس میں Observe بہت کرتی ہوں ان کرداروں کو بہت محنت سے اسٹڈی کرتی ہوں شاید یہی وجہ ہے کہ اپنے کرداروں سے کسی حد تک انصاف کر لیتی ہوں۔

س: سنا ہے کرینہ کپور بھی آپ کی بڑی فین ہیں؟

ج: آپ یقیناً میری ان کے ساتھ تصویر کے حوالے سے ایسا کہہ رہے ہیں اصل میں میری ان سے ملاقات دبئی میں ہوئی تھی وہ بہت

خوبصورت خاتون ہیں اور بہت Humble بھی۔
س: کچھ اپنے شوق کے بارے میں بتائیں؟
ج: مجھے کتابیں پڑھنا بہت پسند ہے، گھومنا، ڈرائیونگ کرنا اچھا لگتا ہے۔
س: جلدی دوست بنالیتی ہیں یا اچھی طرح سوچتی ہیں؟
ج: میں بہت جلدی دوستی کرتی ہوں مجھے سب لوگ اچھے لگتے ہیں۔ پھر Attitude دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔
س: کون سی ایسی اداکارہ یا اداکار ہے جسے آپ Institution مانتی ہیں۔
ج: ویسے تو بہت ہیں مگر مجھے بشریٰ انصاری بہت پسند ہیں ان سے میں نے بہت سیکھا بھی ہے۔
س: کرکٹ کا شوق ہے؟
ج: بالکل جب پاکستانی ٹیم کھیل رہی ہوتی ہے تب ضرور دیکھتی ہوں۔
س: کس کھلاڑی کو پسند کرتی ہیں؟
ج: مجھے سرفراز احمد کا کھیل بہت پسند ہے وہ ہمیشہ بہت ذمہ داری سے کھیلتے ہیں۔
س: اچھا یہ بتائیں کھانے میں کیا پسند کرتی ہیں؟
ج: مجھے سب اچھا لگتا ہے مگر چاول میری پسندیدہ ڈش ہیں۔
س: شادی کا کب تک ارادہ ہے؟
ج: فی الحال تو بالکل نہیں ابھی بہت کام کرنا ہے۔
س: آپ پٹھان فیملی سے ہیں تو مشکل نہیں ہوئی اس انڈسٹری میں، اجازت آسانی سے مل گئی کام کرنے کی؟
ج: میرے والدین بہت لبرل ہیں اور انہوں نے ہم بہنوں کو بہت اعتماد دیا ہے۔
س: کیسا لباس پسند کرتی ہیں؟
ج: میں سمجھتی ہوں کہ انسان کو ماحول کے حساب سے رہنا چاہیے مگر لوگوں کو بھی احتیاط کرنی چاہیے ایکدم سے رائے دے دیتے ہیں۔
س: آپ کی کمزوری؟
ج: مجھے ہنسی بہت آتی ہے اور اکثر بہت Odd صورت حال ہو جاتی ہے۔
س: آپ بہت بولڈ ہیں وجہ؟
ج: شاید گھر کی تربیت، ہمیں کبھی ہمارے والدین نے یہ نہیں کہا کہ یہ مت کرو وہ مت کرو کیونکہ تم لڑکیاں ہو۔
س: میک اپ خود کرتی ہیں یا؟
ج: میں زیادہ میک اپ نہیں کرتی اور ڈراموں میں تو بہت مشکل ہوتی ہے کیونکہ میرا رنگ بہت صاف ہے ایسے میں بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے۔
س: آج کل اسکرپٹ کیسے مل رہے ہیں؟
ج: اسکرپٹ بہت کمزور ہیں بس سب کمرشل ہی ہو گیا ہے۔
س: آپ کا تل بڑا مشہور ہے؟
ج: مشہور کا تو پتہ نہیں مجھے بہت پسند ہے۔
س: لوگوں کی کون سی تعریف اچھی لگتی ہے؟
ج: جب وہ ایکٹنگ کے حوالے سے تعریف کرتے ہیں پرسنل باتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں کہ آپ کے بال اچھے ہیں یا آپ مجھے پسند ہیں وغیرہ وغیرہ۔
س: آپ کا نام خان صاحب کے ساتھ بھی لیا گیا وجہ؟
ج: بالکل غلط مجھے شاہد آفریدی پسند ہیں اور نام عمران خان کے ساتھ لیا گیا۔
س: اچھا پھر سے ایک بار آپ کی ایکٹنگ کی طرف آتے ہیں۔ یہ بتائیں کامیڈی رول اچھے لگتے ہیں یا رونے دھونے والے؟

ج: میں آپ کو سچ بتاؤں اگر اسکرپٹ اچھا ہے تو کوئی بھی رول یادگار بن جاتا ہے اور پھر ایکٹر کا تو کام ہی ایکٹنگ کرنا ہے مجھے اصل میں چیلنجنگ رول پسند ہیں۔

س: نیلم اپنے فینز کو کیا پیغام دیں گی؟

ج: میں اپنے فینز سے بہت محبت کرتی ہوں مگر میں عام لوگوں کے لیے کہوں گی کہ شوبز میں کام کرنے والی لڑکیوں کو برا مت سمجھا کریں وہ بھی کسی کی بہن ، بیٹی ، بیوی اور ماں ہوتی ہیں۔

☆☆☆

لائف بوائے... صحت مند بنائے

اسماء اعوان

حقیقت سے جڑی وہ کہانیاں، جو اپنے اندر بہت
سارے دکھ سکھ اور کامیابی کے راز پنہاں رکھتی ہیں

جاڑے کے دن قریب آ رہے تھے۔ برسات کے بعد سے جاڑے کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ہر سال لحاف کی روئی تبدیل کرا کر استعمال کرنے سے بڑی بچت ہو جاتی ہے۔ ایک تو لحاف اپنی گرمائش کو برقرار رکھتے ہیں دوسرا روئی کی بھی عمر میں ہر برس نئے سرے سے اضافہ ہو جاتا ہے۔ میں ابھی اسٹور سے لحاف نکال ہی رہی تھی کہ 'بھولی' ممیاتی ہوئی میرے پاس آ گئی۔

ارے چونکیے نہیں۔ بھولی میری بھیڑ ہے۔ میں اپنی بھولی کا بالکل اپنی 'ڈولی' کی طرح خیال رکھتی ہوں۔

'ڈولی' میری بیٹی...... میری آنکھوں کا نور...... میرے اور فیصل کے باغ کی انمول کلی...... ہماری اکلوتی بیٹی...... خدا نے ہمیں اولاد کی دولت سے نوازا تو ڈولی کی صورت ایک ہی پھول ہمارے دامن میں مہکا مگر اس مالک کا احسان ہے۔ ہمارے لیے ہماری زندگی بس 'ڈولی' ہی ہے۔

ڈولی گاؤں کے پرائمری اسکول سے پانچ کلاسیں پاس کر چکی ہے اور اب وہ چھٹی کلاس میں پڑھ رہی ہے۔ لیں میں بھی باتوں میں لگ گئی۔ ڈولی کے اسکول سے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔

''میں میں...... میں......'' بھولی ممیا رہی ہے۔ اسے بھی ڈولی کا انتظار ہے۔ میں اب روٹی ڈالنے جا رہی ہوں۔ ڈولی بستہ پھینکتے ہی بھوک بھوک پکارنے لگے گی۔

☆......☆......☆

میں ڈولی ہوں...... اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد...... میری امی اور ابو میرے لیے دنیا کی ہر خوشی ڈھیر کر دینا چاہتے ہیں لیکن کچھ چیزیں خدا کے اپنے اختیار میں ہوتی ہیں۔ بندہ اُن چیزوں کے حصول میں

بے بس ہوتا ہے۔ روزی اور رزق کے علاوہ ایک اور چیز ہے جو خدا عنایت کرتا ہے۔ وہ ہے صحت، صحت جیسی انمول چیز شاید میری قسمت میں نہیں۔ صحت اچھی نہیں تو کچھ بھی اچھا نہیں۔ صحت کی خرابی ہی نے میرے بال بڑھنے نہ دیے اور میں نے بچپن سے اپنے سر پر ایک اسکارف بندھا دیکھا......اور یہ اسکارف ہی میرا سب سے اچھا دوست بن گیا۔ مجھے کتنی اچھی لگتی ہیں میری ہم جماعت لڑکیاں، جب وہ اپنی لمبی لمبی چوٹیاں لہرا کر اٹھلاتی ہیں۔ کھلے بالوں کو ہلاتی ہیں مگر...... میں اُس سے اپنا دل مسوس کر رہ جاتی ہوں۔ مالک کے کام ہیں یہ سب...... کس کے نصیب میں کیا ڈال دے...... ارے ہاں میری ایک ہی سب سے اچھی دوست ہے اور وہ ہے میری سہیلی 'بھولی' بھولی میری بھولی سی صورت والی بھیڑ...... میرے لیے کچھ برس پہلے ہی لائی گئی تھی۔ اب تو بھولی کے چار بھولے بھولے گولو بچے بھی ہیں۔ بھولی میری صحت کے لیے تازہ دودھ کے لیے لائی گئی تھی۔ بھولی کی صبح شام کی میرے لیے یہ سیوا بھی میری صحت پر خاطر خواہ اثر نہ ڈال سکی۔

میں کبھی کبھی بھولی کے اوپر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس کے بھرے بھرے بالوں والے جسم کو دیکھتی تھی تو بھی میرے دل سے ہوک سی اٹھ جایا کرتی تھی مجھ سے اچھے تو اس بھولی کے بال ہیں...... خدا نے اسے اتنے حسین بال دیے ہیں۔ کیا تھا جو میرے بھی بال خوبصورت ہوتے......شکوہ دل میں آ ہی جاتا تھا۔

☆......☆......☆

میرا نام حور بانو ہے۔ سنا تھا کہ لوگ گاؤں سے شہر ہجرت کرتے ہیں۔ مگر میرے ساتھ معاملہ ہی کچھ اور ہوا...... میں سوشیالوجی میں ماسٹرز کرنے کے بعد اپنی بچپن کی طے شدہ نسبت کے مطابق بیاہ کر عظیم احمد کی ہمراہی میں گاؤں آ گئی۔ شادی سے پہلے میں ٹیچرز بھرتی کا ٹیسٹ دے کر آئی تھی۔ شادی کے فوراً بعد میری تقرری کے احکامات آ گئے۔ انٹرویو وغیرہ کے بعد میرے موجودہ ہوم ٹاؤن (سسرال) میں میرا تبادلہ بطور HST (ہائر اسکول ٹیچر) کر دیا گیا۔

گاؤں کے ماحول میں مجھے ایڈجسٹ ہونے میں بہت مشکلات پیش آ رہی تھیں مگر سوشیالوجی کی تعلیم نے میرے تمام مسائل کا حل نکال دیا۔ اب میرا اِس گورنمنٹ مڈل اسکول میں خوب دل لگتا تھا۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ اس نئے سیشن میں آنے والی فصیحہ فیصل کچھ زیادہ ہی ریزرو رہنے والی بچی تھی۔ مگر کیوں......؟

بچیاں تو ہنستی بولتی ہی اچھی لگتی ہیں مگر فصیحہ......! یہ سب سے الگ تھلگ بھلا کیوں رہتی ہے۔ سر پر اسکارف بھی یوں ہوتا جیسے بڑی کلاس کی لڑکیاں لگاتی ہیں۔ میرا نظریہ تھا کہ اسکول کی اس لائف کو سب بچیاں بے فکری سے انجوائے کریں گی تو تعلیم حاصل کرنے میں اُن کو بہت لطف آئے گا اور پڑھائی میں لگن کے ساتھ ان کے اندر کے جوہر باہر آ کر ایک بہترین اسٹوڈنٹ میں ڈھل جائیں گے۔

میرے لیے فصیحہ ایک پہیلی سی بن گئی تھی

اور میں جلد اس پہیلی کو بوجھنا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

''میری گڑیا! آج اتنی دیر لگا دی۔'' صفیہ نے ڈولی کو چومتے ہوئے اسکول سے پندرہ منٹ لیٹ ہونے پر استفسار کیا تھا۔

''سوری امی! اسکول میں وقت کا پتا ہی نہیں چلتا...... سچ میں امی میرا دل کرتا ہے کہ کلاس ختم ہی نہ ہو اور مس حور ہمارے سامنے رہیں۔'' ڈولی مس حور بانو سے از حد متاثر تھی۔ پرائمری اسکول میں تو وہ سمجھو جان چھڑاتی تھی مگر اب جب سے پانچ کلاسیں پاس کر کے مڈل اسکول میں آئی تھی۔

مس حور بانو اس کی کلاس ٹیچر تھیں اور وہ سب کی فیورٹ ٹیچر تھیں۔ اُس نے اکثر محسوس کیا تھا کہ اُن کی شفقت اس پر کچھ زیادہ تھی مگر وہ اپنی عادت سے مجبور تھی۔ اُسے کسی سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا۔ اتنی کمزور سی بچی کو دیکھ کر لوگ مذاق اڑاتے تھے۔ اور اسے اپنا مذاق بننا قطعاً پسند نہ تھا۔

''کہاں کھو گئی میری گڑیا!'' صفیہ نے قریب آ کر بیٹی کا اسکارف اتارا تھا۔ اُس کے بال عجیب گھاس جیسے اُگتے تھے۔ صحت تو جیسے تھی ہی نہیں۔ بھولی کو بھی ڈولی کے لیے خریدا گیا تھا۔ حکیم صاحب نے کہا تھا کہ بھیڑ کا دودھ بھی شفا کے ساتھ ساتھ صحت بخش ہوتا ہے۔

''امی جان! کیا میں ایسی ہی رہوں گی ہمیشہ۔'' ڈولی نے اپنے سوکھے کمزور جسم پر نظر ڈالتے ہوئے حسرت سے کہا تھا۔ اُس کی بات سن کر صفیہ کے چہرے پر ایک سایا سا لہرا گیا تھا اور آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''میری گڑیا! انشاء اللہ! اللہ تجھے بھی صحت دے گا تین وقت پیٹ بھر کر کھانا کھایا کرو۔ سب کچھ عمر کے ساتھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔'' صفیہ طفل تسلیاں دیتی ہوئی بولی تھی۔

''سب کچھ تو وقت کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گا مگر امی......!'' وہ اُلجھی اُلجھی نظروں سے اپنے اسکارف پر نظر ڈالتے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

''امی! یہ بال...... یہ سوکھے گھاس جیسے بال بھلا کس طرح ٹھیک ہوں گے۔ ان بالوں کی نشوونما کے لیے بھی یہی عمر ہوتی ہے ورنہ ساری عمر بال ایسے ہی رہیں گے۔'' ڈولی یہ بول کر درزیدہ نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی تھی۔

''یوں ناامید نہیں ہوتے میری بچی...... تیری صحت کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا چلو تم کھانا کھا لو۔'' صفیہ اُسے اپنے ہاتھوں سے نوالے کھلانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

اسکول میں آج بہت گہما گہمی تھی۔ بالوں کے متعلق آگاہی دینے والی لائف بوائے شیمپو ٹیم اپنے وزٹ پر تھی۔ وہ سب کے بال چیک کر کے شیمپو سے دھو کر ٹیسٹ کر رہے تھے اور پروجیکٹر کے ذریعے ایک ڈاکومنٹری فلم چلاتے اور بتاتے کہ بچوں کی صحت کے لیے صفائی ستھرائی کی کتنی اہمیت ہے۔ حور بانو کافی دیر سے محسوس کر رہی تھیں کہ کچھ Missing ہے اور پھر پتا چلا کہ فصیحہ وہاں موجود نہیں تھی۔ حور بانو فوراً وہاں سے نکلیں اور فصیحہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے بالآخر بڑے درخت کے پیچھے ہی بینچ پر اُسے جا ہی لیا۔

’’فصیحہ آپ اِدھر کیوں بیٹھی ہو بیٹا......؟‘‘

’’مس بس ایسے ہی...... مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا وہاں...... اس لیے میں اِدھر چلی آئی۔‘‘ اُس نے اسکارف والا سرا اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

’’پلیز بیٹا...... ایسے نہیں کرتے...... سب مل کر پارٹی سیپٹ کرتے ہیں۔‘‘ حور بانو سمجھانے لگیں۔

’’مس آپ نہیں سمجھتی ہیں...... میں اپنا سر نہیں دھلوا سکتی ٹیسٹ کے لیے۔‘‘

’’کیوں بیٹا...... بولو کیا بات ہے؟‘‘

’’مس وہ میرے بال......‘‘ اتنا کہہ کر فصیحہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

’’اسکارف اُتارو...... کیا ہوا ہے تمہارے بالوں کو......‘‘ حور بانو کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وہ اُس کا سر دیکھنے پر مصر ہو گئیں۔

مجبوراً فصیحہ کو اسکارف اُتارنا پڑا۔ حور بانو پہلے تو اس کے کمزور جسم کو دیکھ کر ہی اس کی صحت یابی کے لیے دعا گو رہا کرتی تھیں اب جو اس کا سر دیکھا تو گھاس پھوس جیسے بالوں کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔

’’تم نے کوئی ٹریٹمنٹ لی بیٹا......‘‘

’’مس یہ گاؤں ہے۔ میری امی اور ابو میری صحت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ بھولی کو بھی میرے لیے خریدا تھا انہوں نے...... مس اس سے زیادہ کوئی کیا کر سکتا ہے بھلا۔‘‘ وہ روہانسی ہو کر بولی۔

’’بھولی...... یہ کون ہے فصیحہ......‘‘

’’مس مجھے پیار سے ڈولی کہتے ہیں نا اس لیے میرے لیے حکیم صاحب کے کہنے پر بھیڑ کا تازہ دودھ استعمال کرنے کی ہدایت کی تھی تو جو بھیڑ لی ابو نے، اُس کا نام ہم نے بھولی رکھ دیا تھا۔‘‘

حور بانو اُسے لے کر کلاس میں آ ئیں۔ اور اُسے تلقین کی کہ پریشان نہ ہو...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد حور بانو اس ٹیم کی ایکسپرٹ میڈم سنبل کے پاس تھیں۔

’’میں آپ کا مسئلہ سمجھ گئی ہوں۔ آپ بچی کو ذرا بلوایئے۔‘‘ ہیئر ایکسپرٹ میڈم سنبل نے حور بانو کا فصیحہ کے لیے پریشان ہو کر مسئلہ کی جانکاری لینے کے بعد کہا تھا۔

کچھ دیر بعد فصیحہ اُن کے سامنے تھی۔ سنبل صاحبہ نے فصیحہ کا اسکارف اُتار کر اس کے سر کا معائنہ کیا اور اس کے کمزور جسم کو دیکھ کر مسکرائیں۔

’’میڈم آپ بھی میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔‘‘ فصیحہ آنسو پیتے ہوئے بولی تھی۔

’’نہیں بیٹا...... میں مذاق نہیں اڑا رہی بلکہ اس لیے مسکرائی تھی کہ تمہاری کمزوری کی اصل وجہ خوراک نہیں بلکہ صفائی ہے۔ تمہارے بال اس حالت میں اس لیے ہیں کیونکہ تم لوگ جراثیم سے بھرپور پانی استعمال کرتے ہو۔ بال صحت مند ہوں تو آدھی بیماری وہ خود ہی ہوا میں اڑا دیتے ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے تمہیں اپنے بالوں کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔‘‘

یہ کہہ کر میڈم سنبل نے بیگ سے ایک شیمپو کی بوتل نکال کر مس حور بانو کو دی۔

’’یہ کیا ہے میڈم!‘‘

’’یہ ہے علاج اس کمزوری کا...... لائف بوائے شیمپو نیا لائف بوائے شیمپو روغن بادام

اور دودھ کی طاقت کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ جو بالوں کی صحت کا ضامن ہے۔ بالوں کو قدرتی تحفظ دیتا ہے۔ بالوں کو مضبوط توانا اور گھنے کرنے میں مدد کرتا ہے۔ اس لیے اگر آپ اپنے بالوں کے کمزور ہونے سے پریشان ہیں تو اپنی پریشانی لائف بوائے شیمپو کے سپرد کر کے آرام کریں۔ لائف بوائے شیمپو اپنا کام آپ ہی آپ کرلے گا۔''

''مگر میڈم یہ تو میرے بالوں پر کام کرے گا۔ میرے کمزور جسم کا اس سے کیا تعلق...... '' اب فصیحہ لائف بوائے شیمپو کی بوتل پکڑے میڈم سنبل سے سوال کر رہی تھی۔

''گڈ کوئیچن...... آپ اس شیمپو کو بالوں میں باقاعدہ استعمال کریں۔ آپ کے بال نشوونما پانے لگیں گے اور ان کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ ٹریٹمنٹ اسٹارٹ ہوگیا۔ پھر یہ نشوونما پاتا ہوا حصہ جسم کے باقی حصوں پر بھی اثر دکھائے گا۔ آپ کے بال صحت مند ہوتے ہی آپ کو ان دیکھا ہیلتھ دیں گے اور آپ دیکھتے ہی دیکھتے اس کمزوری سے چھٹکارا پالیں گی۔ میرا خیال ہے باتیں ہم سب بہت کرتے ہیں اور عمل کم...... اب یہ باتوں کا وقت نہیں بیٹا عمل کا وقت ہے۔ جاؤ اور لائف بوائے شیمپو کے کمال دیکھو۔''

میڈم سنبل سے رخصت لے کر حور بانو اور فصیحہ کلاس میں آگئیں۔

''فصیحہ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ آج تمہاری خدا نے سن لی ہے اور وہ دن دور نہیں جب تمہیں اس اسکارف سے نجات بھی مل جائے گی۔''

حور بانو نے یقین سے کہا اور فصیحہ کو لگا۔ جیسے اس کی دعا قبول ہوتے ہی ایک ستارہ آسمان سے ٹوٹا تھا۔

☆......☆......☆

صفیہ نے حور بانو کے کہنے کے مطابق جب پانی کو اُبال کر جراثیم سے پاک کر کے فصیحہ کے بالوں پر لائف بوائے شیمپو کا استعمال شروع کیا تو شروع میں کوئی فرق نہ پڑا مگر پھر آہستہ آہستہ جیسے جادو ہوگیا۔ فصیحہ کے بال بہت تیزی سے نشوونما پانے لگے تھے۔ تین ماہ کے بعد تو جیسے فیصل اور صفیہ اپنی بیٹی کے بال بھی پہچان نہ سکتے تھے کہ یہ سوکھی گھاس، لہراتی ہوئی فصل میں کیسے تبدیل ہوگئی۔ اِدھر بال گھنے ہو رہے تھے اور اُدھر میڈم سنبل کے کہنے کے عین مطابق فصیحہ کا کمزور جسم بھی کچھ بھر گیا تھا۔

صفیہ کے آنسو نہ تھمتے تھے۔ وہ اپنی بچی کے لیے تارے تک توڑ کر لاسکتی تھی مگر صحت کا حصول صرف ایک لائف بوائے شیمپو کی بوتل تھا۔ واقعی لائف بوائے شیمپو نے ثابت کردیا تھا کہ لائف بوائے...... صحت مند بنائے۔

اور آج اسکول میں حور بانو فصیحہ کو دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سماتی تھیں بلکہ اب وہ اس انٹرنیشنل کوالٹی کے شیمپو کو اپنے گاؤں بھر کے گھروں کی بچیوں اور بچوں کو استعمال کرتا دیکھنا چاہتی تھیں۔ لائف بوائے شیمپو نے اپنی افادیت سے ثابت کردیا تھا کہ لائف بوائے شیمپو ہر گھر کی ضرورت ہے اور بالوں کے تمام مسائل حل کر کے صحت کی طرف پہلا قدم بھی ہے۔

☆......☆......☆

ناول

رفعت سراج

قسط 21

معاشرے کے بطن سے نکلی وہ حقیقتیں، جو دھڑکنیں
بے ترتیب کردیں گی، رفعت سراج کے جادوگر قلم سے

ندا سارے گلوے شکوے...... نانا کی لعنتیں ملامتیں بھول بھال ارسلان کے گھر میں داخل ہوتے ہی اُس کی خاطر مدارت کے لیے کمر کسنے لگی۔ وہ رشتے جو ابھی تک ہوا کے دوش پر رواں دواں اور گراہم بیل کی ایجاد کے مرہون منت رہے تھے آج وہ وجود کے ساتھ نظر کے سامنے تھے۔

ارسلان اندر آتے ہی لاؤنج میں پڑے صوفے پر ڈھے گیا تھا۔
''اُف......توبہ......تھک کر چور ہو رہا ہوں۔'' اُس نے صوفے پر گرتے ہی اپنی کیفیت کا اظہار کیا۔
''کیا راستے میں پلین میں کوئی ٹیکنیکل خرابی ہو گئی تھی۔'' ندا بظاہر سنجیدہ تھی مگر نظر میں شرارت کا عکس تھا۔
''کیا مطلب؟'' ارسلان نے حیرت سے ندا کی طرف دیکھا۔
''مطلب یہ کہ پلین کو دھکا لگانا پڑ گیا تھا جو اتنا تھک گئے ہیں۔'' ندا یہ کہہ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
اُس کی بے ساختہ اور معصوم سی ہنسی نے ارسلان کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔
کتنی خوبصورت ہنسی تھی۔ جیسے وادی میں آبشار گرنے کی آواز معاً اُسے ایک خیال نے چونکا دیا۔
''ارے ہاں......وہ تمہارا ہسبنڈ کہاں ہے......Obviously......سو رہا ہوگا۔ گیسٹ آئے ہیں۔ مسٹر X.Y.Z پڑے سو رہے ہیں۔ ارسلان نے ایک کشن اُٹھا کر سر کے نیچے دباتے ہوئے بڑے لاپرواہ انداز میں کہا۔
''اُن کا نام ثمر ہے......Mind You......آپ انہیں ثمر بھائی بھی کہہ سکتے ہیں۔''
''Because He Is Your Brother In Law Understand۔'' ندا نے بڑی ادا سے اُسے رشتے کی اہمیت سمجھانے کی کوشش کی۔
''Whats Non Sense؟'' ارسلان نے منہ بنایا۔
''ہم آج تک Legal رلیشن شپ Main Tain نہیں کر سکے۔ اور یہ In Laws......Good Good......پتہ نہیں یہ لوگ کہاں سے آ جاتے ہیں ایک دم سے......''
''خود سے تو نہیں آ جاتے......ہم Allow کرتے ہیں تو آ جاتے ہیں......خیر Leave It......یہ بتائیں کھانا کھائیں گے......یا......''
''کھانے کا تو نام بھی مت لینا......24 Hours کی ٹریولنگ......سوائے کھانے پینے اور سونے کے کوئی کام نہیں کیا۔'' ارسلان نے یوں تڑپ کر قطع کلامی کی گویا ندا کوئی نازیبا بات کرنے لگی ہو۔
''چائے کوفی تو چلے گی؟'' ندا نے آداب میزبانی نباہنے کی کوشش کی۔
''نو......نو......Not At All۔''
''مجھے وہ روم دکھا دو جہاں میں ریسٹ کر سکتا ہوں۔'' ارسلان نے پندرہ واٹ کے Saver میں ندا کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے بڑی بے تکلفی سے کہا۔
یہ سنتے ہی ندا بوکھلا گئی۔
''ہیں......روم......؟ آپ نے تو اپنے آنے کا کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔ ورنہ میں کوئی روم تیار کر لیتی......فی الحال تو آپ کو نانا جان کے بیڈ روم میں ہی ریسٹ کرنا پڑے گا۔ اس نے بوکھلاہٹ کی کیفیت ہی میں اسے رستہ دکھایا۔
''اتنا بڑا گھر......؟ اتنے سارے رومز......''
''ہاں تو ہم اتنے سارے رومز کا کیا کرتے......میڈ روم صاف کرنے کے بہت پیسے Charge کرتی ہے ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔ اوپر کے تینوں بیڈ روم سالوں سے بند ہیں۔''

''نانا جان نے تو ڈرائنگ روم بھی Locked کر دیا تھا کہ یہاں کون سے ایسے گیسٹ آتے ہیں جن کے لیے ڈرائنگ روم سجایا جائے۔'' ندا نے منہ بنا کر حقیقی معلومات سیکنڈ کزن کے ساتھ 'شیئر' کیں یا حقیقت حال میں شریک کیا۔

''مائی گاڈ...... بھئی میں مہینہ دو مہینہ اس صوفے پر سو کر تو گزارا نہیں کر سکتا...... مجھے تو Proper بیڈ روم چاہیے۔اور......''

''مہینہ......دو مہینے؟'' ندا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں

''کبھی دو دن کے لیے تو آئے نہیں۔اب پورے دو مہینے ہمیں تنگ کریں گے؟'' وہ گویا چیخ پڑی تھی۔

''اپنے ڈیئر ہسبنڈ کو سکون سے سونے دو...... کیوں اتنا شور مچا رہی ہو؟''

''وہ گھر میں نہیں ہیں......'' اس نے درمیان میں ہی ارسلان کی بات اچک لی۔

''اوہ تھینک گاڈ......'' ارسلان نے کوئی سوال کرنے کے بجائے گویا سکھ کا سانس لیا۔

''کیا مطلب......؟'' ندا حسبِ توفیق ہونق دکھائی دی۔

''مطلب یہ کہ اب میں تمہارے روم میں ریسٹ کر سکتا ہوں۔مجھے بہت سارا سونا ہے۔جب میں سو جاؤں تو Kindly مجھے جگانا مت By The Way تمہارا ہسبنڈ ہے کہاں...... ابھی تو تمہارا ہنی مون پیریڈ چل رہا ہے بھئی......''

''اور تم یہاں اتنے بڑے گھر میں اکیلی...... میرا Wait کر رہی ہو؟'' ارسلان نے اُٹھ کر طوعاً کرہاً اپنا بڑا سا بیگ کھولا۔

''میں کیوں آپ کا Wait کروں گی بھئی......؟ مجھے فرشتوں نے بتایا تھا کہ آپ آرہے ہیں؟''

''میرے ہسبنڈ نے مجبوری میں مجھے اکیلا چھوڑا ہے......ان کی مدر کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے وہ ہاسپٹلائزڈ ہیں، ورنہ وہ تو مجھے چھوڑ کر ایک منٹ کے لیے باہر نہ جائیں۔'' ندا کا انداز محبتوں کے مان و یقین سے روشن تھا۔

''Stop...... میں Jealous ہو رہا ہوں۔میں میاں بیوی کی اتنی محبت برداشت نہیں کر سکتا۔'' ارسلان بیگ اس سے اپنا مہکتا ہوا ٹاول کھینچ کر ندا کو گھورنے لگا۔

''اللہ......ارسلان بھائی آپ اتنی عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں۔'' ندا نے عاجز آکر اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا۔

''میں گارنٹی سے کہہ سکتی ہوں پورے امریکہ میں ایسی بے تکی باتیں کرنے والے آپ اکیلے ہوں گے۔''

''فی الحال میں پاکستان میں ہوں۔I Am Sure یہاں بھی کوئی میرا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔''

''میں آپ کا واش روم یوز کر سکتا ہوں۔'' ارسلان ٹاول کندھے پر ڈال کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''سارے گھر میں ایک ہی تو ڈھنگ کا واش روم ہے۔اب اس پر بھی آپ قبضہ کر لیں۔'' ندا نے سنجیدہ شکل بنا کر مذاق کیا۔

''میم...... یہ میرا گھر ہے...... مائی پراپرٹی...... آپ نے Care Taking کی...... تھینک یو ویری مچ...... اب آپ اپنے ہسبنڈ کے گھر میں آرام سے شفٹ ہو سکتی ہیں۔''

''پاپا نے مجھے یہی ٹاسک دے کر بھیجا ہے کہ یہ گھر سیل آؤٹ کر کے تمہیں کوئی چھوٹا سا اپارٹمنٹ دلا دوں۔''

''ڈونٹ وری...... تمہیں Proper Accomodate کر کے جاؤں گا۔'' ندا کی پھیلی آنکھیں، کھلا منہ دیکھ کر ارسلان کو خیال ہوا کہ وہ شاکڈ ہو رہی ہے۔

اس لیے اُس کی تسلی کے لیے مناسب الفاظ استعمال کیے۔

''Guide Me...... مجھے کس ڈائریکشن میں جانا چاہیے؟'' اس نے ندا کے قریب آ کر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرائے۔ بات بات پر حیران ہونے والی کے لیے سچ مچ مقامِ حیرت آیا تو خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

''Oh Yes...... آیئے پلیز......''

''Very Fast......'' وہ گومگو کیفیت میں تھی۔ امریکن واقعی بہت Fast جا رہے ہیں۔

اتنی سی دیر میں ارسلان بھائی نے ساری باتیں کر لیں۔ آنے کی وجہ بھی بتا دی۔ شاید کل شام تک یہ گھر سیل بھی کر دیں گے اور پرسوں صبح کی فلائٹ سے واپس بھی چلے جائیں گے۔

وہ ارسلان کی رہنمائی کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

رات دو بجے کے بعد حیرت انگیز طور پر بانو آپا کی حالت سنبھلنے لگی۔ حالانکہ اُن کی تازہ ترین رپورٹس کچھ اچھی خبریں نہیں دے رہی تھیں۔

بانو آپا جدید سائنسی آلات کے قابو میں نہیں آ رہی تھیں ابھی تک ڈاکٹرز 'Basic Reason' جاننے کے لیے مسلسل تگ ودو کر رہے تھے۔

مگر بانو آپا نے جب آنکھیں کھول کر اپنے بچوں اور بہو کا نام لے کر انہیں اپنے پاس طلب کیا اور پورے ہوش وحواس میں بات کی تو ڈاکٹر سمجھے کہ وہ کچھ غلط اندازے لگا رہے تھے مریضہ اب صحتیابی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

ثمر کی تو جیسے جان میں جان آ گئی تھی۔

صبح اذانِ فجر کے بعد انہیں آرام دہ کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں اٹینڈنٹ کے لیے بھی ہر طرح کی سہولت موجود تھی۔

بڑا سا انتہائی صاف ستھرا فنائل کی خوشبو سے مہکتا واش روم، ڈریسنگ ایریا میں بڑی سی تین درازوں والی وارڈ روب جس میں نچلے حصے میں ایک چھوٹا سا ریفریجریٹر اور تیسرے دروازے کی اوپر شیلف میں جائے نماز اور کلام پاک تک موجود تھا۔

کمرہ بھی خاصہ کشادہ، روشن اور ہوادار تھا۔ تیمارداری کے لیے آنے والوں کے لیے سیاہی مائل براؤن چمکدار لیدر کا صوفہ سیٹ اور درمیان میں ایک گول شیشے کی میز بھی کمرے کو پُر سہولت بنا رہی تھی۔ اٹینڈنٹ کے لیے بھی ایک باقاعدہ صاف ستھرا بستر لگا ہوا تھا۔

یہ ہاسپٹل کا Delux روم کہلاتا تھا۔ ثمر کے پاس کس شے کی کمی تھی؟ وہ ماں کو عام سے کمرے میں کیوں

رکھتا۔

I.C.U سے اس روم میں شفٹ ہونے کے بعد ثمر ذہنی طور پر بے حد ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔ شب بیدار آنکھوں میں نیند کی سرخیاں گہری ہونے لگیں تو اُسے افشاں یاد آئی۔

نرس بانو آپا کو میڈیسن کھلانے لگی تو وہ افشاں سے بات کرنے کمرے سے باہر چلا آیا۔ اور عجلت کے انداز میں افشاں کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

سب سے پہلے تو افشاں کو خوش خبری سنانا تھی کہ ماں کی حالت سنبھل رہی ہے پھر پتہ کرنا تھا کہ وہ کب تک پہنچ رہی ہے۔

چند سیکنڈ Ring پاس ہوتی رہی پھر افشاں نے کال ریسیو کرلی اس کا انداز بوکھلایا ہوا تھا۔

''السلام علیکم بھائی جان...... امی...... کیسی ہیں؟ ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے صبح تین بجے آپ کو فون کیا تھا مگر آپ کا سیل آف تھا۔''

''ایک منٹ افشاں...... ذرا سانس لو...... سلام کے بعد کال کی بات پہلے سننا چاہیے...... ہوسکتا ہے اس کے پاس 'گڈ نیوز' ہو۔'' ثمر نے گویا ریلے کے آگے بند باندھا۔

''اوہ...... سوری...... جی بھائی جان بولیے......'' افشاں اب قدرے شرمندہ ہوکر گویا ہوئی تھی۔

''ویسے گڈ نیوز کہنا بھی بہت اہم ہے۔'' افشاں کی زبان پھر پھسل گئی۔ بے ساختہ تخلیق ہونے والی مسرت اب لہجے سے آشکار تھی۔

''امی جان روم میں شفٹ ہوگئی ہیں۔ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ کا شکر ہے اُن کی طبیعت سنبھل رہی ہے۔'' ثمر نے پُرسکون انداز میں مطلع کیا۔

''اوہ...... اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ بس میں تھوڑی دیر میں بھابی کو لے کر آتی ہوں۔ وفورِ مسرت سے افشاں کی آواز کانپ رہی تھی۔

''بھابی کو......؟'' ثمر کو زوردار جھٹکا لگا۔

''بھائی جان...... رات کو میں نے بھابی کو گھر ڈراپ کردیا تھا۔ اُن کو ساتھ لے کر آؤں گی۔ امی جان بھی خوش ہوجائیں گی۔''

افشاں اپنی دھن میں بولتی جارہی تھی۔

''ایک منٹ افشاں...... میری بات غور سے سنو...... اگر وہ اپنے گھر جاچکی ہے تو اب ڈسٹرب کرنے کی ضرورت نہیں۔ الحمدللہ امی جان اس وقت کافی بہتر ہیں۔'' ثمر نے جلدی سے قطع کلامی کے انداز میں ٹوکا۔

''اوفوہ یہی تو کہہ رہی ہوں وہ اپنی امی کے گھر میں نہیں ہیں اپنے گھر میں ہیں۔ انہیں وہیں سے پک کروں گی۔ اچھا خدا حافظ۔ بس تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔''
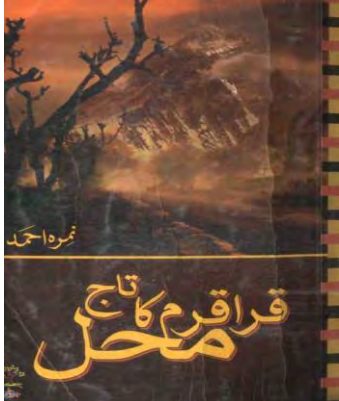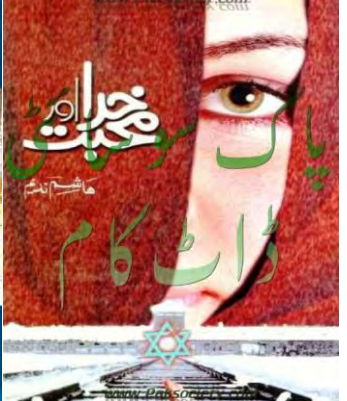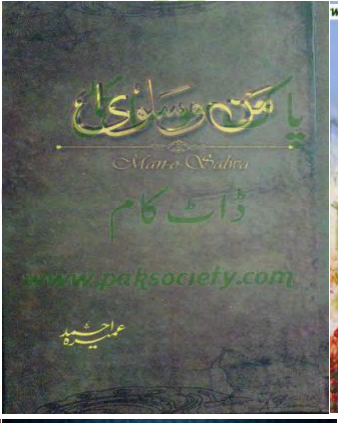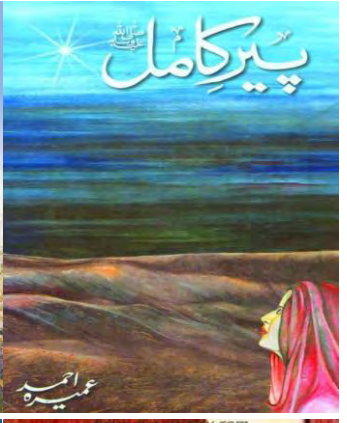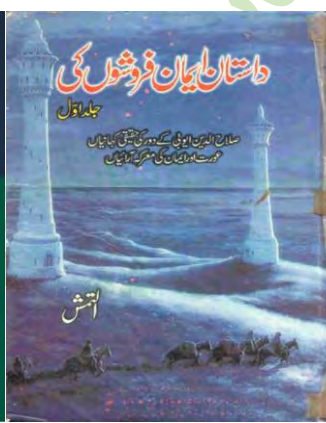
یہ کہتے ہی افشاں نے رابطہ منقطع کردیا تھا۔ ثمر پتھرائے انداز میں سامنے دیوار کی طرف گھور رہا تھا۔

''اپنے گھر...... یہ...... افشاں نے کیا کہا؟''

''وہ گھر اب اس کا نہیں ہے۔''

''جب میں اس کا نہیں رہا...... تو میرا گھر اُس کا گھر کیسے ہوسکتا ہے؟ امی جان آپ یہ ایک نئی آزمائش میں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ڈال رہی ہیں۔ اُس کے احسانات بڑھ گئے تو اس کو ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہنا میرے لیے مسئلہ ہو جائے گا۔''
ثمر کے اعصاب سنسنانے لگے۔
وہ ایسے خوف یا فوبیا کا شکار ہونے لگا جو طاقتور وہم و گمان کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اور انسان کو اندازوں سے کھیلنے پر لگا دیتا ہے اور قوتِ عمل کو مفلوج کرنے لگتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے انسان کسی ایسے مسئلے میں گھر گیا ہے جس کا حل اُس کی زندگی میں تو ملنے سے رہا۔
اب اُسے رہ رہ کر چمن پر غصہ آنے لگا۔
جس طرح اکڑ کر نفرتوں کے باب کھول کر روانہ ہوئی تھی اسے اپنی بات پر قائم رہنا چاہیے تھا۔ یا وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر گئی تھی کہ کچھ دنوں بعد میں اس کے پاؤں چھونے پہنچ جاؤں گا۔
اتنے دن ساتھ رہ کر اُسے اندازہ نہیں ہوا کہ میں قرض تو معاف کر سکتا ہوں بے عزتی معاف نہیں کر سکتا۔
''ٹھیک ہے وہ آجائے میں صاف صاف کہہ دوں گا کہ افشاں کے کہنے پر اسے نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ موت زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے کسی بھی سچویشن میں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ چار حرف بھیج چکا تم پر...... تین لفظ کہنا باقی ہیں وہ بھی کہہ دوں گا۔
شل ہوتے اعصاب کے ساتھ وہ فیصلہ کن ہو گیا۔ جیسے ڈوبنے والا زندگی بچانے کے لیے آخری بار طاقتور لہروں کا مقابلہ کرتا ہے۔

☆......☆......☆

چمن نے کوشش کی تھی کہ وہ کچھ دیر سو جائے۔ مگر رات کے پچھلے پہر جس طرح آخری کمزور امید اُس کا منہ چڑا کر بھاگی تھی اس کے بعد وہ اپنے ریزہ ریزہ وجود کو سمیٹنے کی تگ و دو میں لگ گئی تھی۔
لاؤنج میں صوفے پر لیٹی پتھرائی آنکھوں سے چھت کو گھورتے گھورتے پو پھٹ گئی اور دودھیا اُجالا نمودار ہو گیا۔
ذہن زمان و مکان کی قید سے آزاد ماورائی افق پر سیر کناں تھا۔ بھوک پیاس، نفس یہ تو زمان و مکان کی مجبوریاں ہیں۔ روح اس قید خانے سے آزاد ہو کر مجبوریوں کی زنجیریں توڑ دیتی ہے۔
نہ نیند تھی نہ بھوک پیاس...... اس کے پانچ قیمتی سال اسٹور میں پگلی کی زلفوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔
اسے فیصلہ کرنا تھا کہ وہ افشاں کا انتظار کرے یا فی الفور یہ گھر چھوڑ دے کہ اس گھر میں قیام کا لمحہ لمحہ جانکسل ہے...... جیسے ٹرین جنگل میں رُک گئی ہو اور انجن کی مرمت شروع ہو گئی ہو۔
منزل سے پہلے جنگل میں رُکنا...... بڑے دل گردے کا کام ہے۔ ایسی ہی صورتِ حال کے لیے غالب پر یہ شعر اترا تھا۔

تاب لائے ہی بنے گی غالب
کہ واقعہ سخت ہے اور جاں عزیز

اسی لمحے لینڈ لائن نمبر پر Ring ہوئی تھی اور وہ بری طرح چونک پڑی تھی۔ بڑی اجنبی نظروں سے اس نے فون سیٹ کی طرف دیکھا تھا۔
وقت ایک دم بدل گیا تھا۔

پانچ سال سے اس فون سیٹ پر Ring ہونے کے بعد کال ریسیو کرنا اسی کی ڈیوٹی تھی۔ گھر کے کسی حصے میں ہوتی ہاتھ کا کام ایک طرف رکھ کر تیز تیز چل کر آتی اور کال ریسیو کرتی۔ زیادہ تر اس نمبر پر بانو آپا ہی کی کالز آتی تھیں۔

وہ کال اٹینڈ کرتی کالر کو ہولڈ کراتی پھر بانو آپا کو مطلع کرتی۔ اُٹھ کر تو بیٹھ گئی مگر کال ریسیو کرنے کی نیت نہیں کی۔ گھر کے جامد و قائم سناٹے میں فون کی گھنٹی یوں محسوس ہو رہی تھی گویا صبح دم کسی گاؤں کے قریب سے ٹرین گزر رہی ہو۔ انجن سیٹی بجا رہا ہو۔ گھنٹی بند ہونے کے بعد دوبارہ بجنے لگی۔

اب اسے طوہاً کرہاً اٹھنا پڑا۔ ریسیور پر یوں ہاتھ رکھا جیسے شجرِ ممنوعہ کو ہاتھ لگا رہی ہو۔

''ہیلو......'' خشک گلے سے بمشکل آواز نکلی۔ دوسری طرف افشاں تھی۔

''بھابی...... افشاں بات کر رہی ہوں...... خیریت ہے ناں، آپ نے بڑی دیر میں کال ریسیو کی۔ فون تو آپ کے روم میں ہی ہے۔ شاید آپ واش روم میں ہوں گی۔''

''Any Way...... بس میں گھر سے نکل رہی ہوں۔ اور آپ کو پک کرنے آ رہی ہوں۔ آپ ریڈی رہیں۔ اوکے......؟ اللہ حافظ۔'' افشاں کچھ زیادہ عجلت میں تھی۔ صرف اس کا ہیلو سن کر اس نے مدعا بیان کیا اور فون بند کر دیا۔ اصولاً تو اس وقت فون کا بہترین استعمال ہوا تھا مگر وہ جو افشاں کے گوش گزار کرنا چاہتی تھی۔ وہ تو ذہن سے یوں اڑنچھو ہو گیا جیسے بارش کی پہلی پھوار میں کچے رنگ بہہ جاتے ہیں۔

اس نے گہری سانس لے کر ریسیور آہستگی سے رکھا۔ بکھرے بالوں کو سمیٹا۔

اور دوبارہ سے صوفے پر جا کر یوں بیٹھ گئی جیسے افشاں کے انتظار کے علاوہ اسے اور کوئی کام نہ ہو۔

اس گھر کے پانی سے منہ پر چھپکے مارنا بھی ایسا ہی تھا۔ جیسے وہ کسی قانون شکنی کی مرتکب ہو رہی ہو۔

زندگی کی سب سے یادگار تصویر پر شیشے کی کرچیاں چپکی ہوئی تھیں۔ یہ تو واضح علیحدگی کا 'Tag' تھا۔

جب اس گھر سے نکلی تھی تو سو فیصد یقین تھا کہ پیچھے پیچھے طلاق نامہ پہنچے گا مگر کئی دن گزرنے کے بعد جب کچھ نہ ہوا تو دل نے امیدوں کے رنگ برنگ کھلونوں سے کھیلنا شروع کر دیا۔ اس طرح بہت واضح ہو کر سوچتی بھی تھی کہ اگر ثمر نے طلاق نامہ نہ بھجوایا تو وہ خلع کی درخواست دے دے گی۔

محبتیں اعزاز ہوتی ہیں۔

مروتیں...... تعلقات کا سنگھار ہوتی ہیں۔

محبتیں تو برف کے مرقد میں دفن ہو گئی تھیں۔ مروتوں سے ذرا سی آس تھی۔

رات وہ بھی اپنی موت آپ مر گئی تھی۔

نقصانات کے ملال...... جدائی کے ماتم...... آخری پونجی کا جوا گویا سارے کاموں سے فارغ ہو گئی تھی۔

وہ خود کو پھول کی پتی کی طرح ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ اسے صبح بھی نئے جنم کی پہلی صبح کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

پھر بھی...... کوئی پہاڑ سا بوجھ تھا جو اس کے پیروں پر آ پڑا تھا۔

☆......☆......☆

ارے باپ بیٹا کیا اسی دن کا انتظار کر رہے تھے؟ یہ تو بالکل ہی امریکی ہو گئے۔ کوئی شرم و حیا بھی ہوتی ہے۔

اسد خواتین

اسد خواتین کی بعض اہم خصوصیات یہ ہیں۔
☆وہ بے حد حساس ہوتی ہیں، بچپن سے ہی وہ اپنی ذات کو بہترین سمجھنے لگتی ہیں۔
☆انتہائی رومانی مزاج کی مالک ہوتی ہیں اور ایڈونچرز میں انتہائی دلچسپی رکھتی ہیں۔
☆وہ ہر طرح سے دوسروں پر حاوی رہنا چاہتی ہیں۔ دوسروں کے دل ودماغ پر حکمرانی کرنے کی زبردست خواہش ان میں پائی جاتی ہے۔
☆وہ زبردست تخلیقی قوتوں کی مالک ہوتی ہیں، چنانچہ ان کے اظہار کے لیے بے چین رہتی ہیں۔
☆ان میں حس مزاح بھی خوب ہوتی ہے۔
☆انٹرٹینمنٹ اور اداکاری کے شعبے میں ان کی دلچسپی بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اسد خواتین کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ''اپنے منہ میاں مٹھو'' بنی رہتی ہیں۔ حسن، سیرت، تعلیم، فیشن، عادات واطوار ...... غرض ہر میدان میں خود کو سب سے بہتر سمجھتی ہیں۔ اپنے سامنے وہ کسی اور کی تعریف کبھی پسند نہیں کرتیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسد عورت اپنے اس انداز فکر کی بدولت اپنے بہت سے دوستوں اور محبت کرنے والوں سے کٹ کر رہ جاتی ہے، اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کی اچھائیوں اور خوب صورتی کو بھی تسلیم کرے۔ اپنے آپ کو اتنا بلند ہرگز نہ کرے کہ بعد میں دھڑام سے زمین پر آگرے۔ وہ دنیا کی ہر اچھی اور خوب صورت چیز کو اپنی ملکیت نہ سمجھے۔ اسد عورت کی خود پسندی کی یہ عادت اس کی مجموعی زندگی کے لیے کسی بھی طرح بہتر ثابت نہیں ہوسکتی۔ (حسن انتخاب: راز عدن۔ بحرین)

اور پھر صاحبزادے آ ہی گئے تھے تو کم ازکم کچھ دنیاداری ہی برت لیتے۔ یعنی آتے ہی بتادیا کہ گھر بیچنے آئے ہیں۔ شاباش ہے بھئی ...... نرگس تو رات گئے کا ماجرا سن کر گویا ہتھے سے ہی اکھڑ گئیں۔ صبح صبح مغز فرائی کیا تھا یہ سوچ کر ندا کے لیے لے آئیں کہ وہ اپنے لیے ناشتہ بنانے کی شاید زحمت نہ کرے۔ اور دوپہر تک یونہی پھرتی رہے گی۔ ندا نے ناشتے کی ٹرے ہاتھ میں لیتے ہی اپنے مخصوص پھکڑ پن کے ساتھ نرالے انداز میں مہمان کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

''اچھا کیا آنٹی آپ ناشتہ لے آئیں۔ میں سوچ ہی رہی تھی کہ ارسلان بھائی کے لیے ناشتے میں کیا بناؤں؟''

''ہیں ...... ارسلان بھائی ...... اب کیا یہاں سے ناشتے بنا کر امریکہ بھیجوگی ...... نرگس کے کیا خاک پلے پڑتا ...... جب اطلاع ہی بغیر 'ہیڈ لائن' کی خبر کی طرح سنائی گئی ہو۔

''اوفوہ ...... رات آگئے تھے ناں ...... ارسلان بھائی ...... یہ کہہ کر ندا نے لمبی چوڑی بات کرنے کے بجائے صاف صاف بتادیا کہ بے چارے جلدی میں آئے ہیں۔ ماموں جان نے گھر سیل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کے بعد نرگس کو خود بخود ساری بات سمجھ آگئی تھی۔

''گھر سیل کرنے آئے ہیں ...... آلو پیاز بیچنے آئے ہیں۔'' وہ برامان کر گویا ہوئیں۔

''پہلے اپنے دادا کی قبر کی رسید تو گورکن سے لیں ...... وہ رسید ملے گی تو وراثت Claim کریں گے ناں؟''

''ارے سمجھو ...... اب چار پانچ مہینے سے پہلے نہیں جانے والا ...... اب تم دونوں میاں بیوی جم کر مہمان داری کرو اس کی ...... شبیر چچا تو برا بھلا کہتے رخصت ہوگئے۔

''میرا تو شکل دیکھنے کو دل نہیں چاہتا...... وہ واپسی کے لیے مستعد ہو گئیں۔ طبیعت ہی مکدر ہو گئی تھی۔

''آہستہ بولیں آنٹی کہیں سن نہ لیں۔'' ندا نے گھبرا کے نرگس کو ٹوکا۔

''سو بار سنیں...... برا مانیں تو اپنے گھر جا کر دو روٹی زیادہ کھالیں۔'' وہ تلخ لہجے میں کہہ کر چلتی بنیں۔

ندا غور ہی کرتی رہ گئی کہ برا ماننے کی وجہ سے دو روٹی زیادہ کیوں کھانا چاہیے...... غصے میں تو ویسے ہی بھوک نہیں لگتی۔

☆......☆......☆

الحمدللہ...... جب امی جان بہتری کی طرف جا رہی ہیں تو میرا خیال ہے اب مجھے ہاسپٹل جانے کی ضرورت نہیں۔ میں راستے میں آٹو لے کر گھر چلی جاتی ہوں۔

چمن نے افشاں سے تازہ ترین صورت حال سننے کے بعد فوراً دل کی بات کی ساتھ ہی کھڑکی سے باہر جھانک کر آٹو کی تلاش بھی شروع کر دی۔

''اب آپ کہیں نہیں جا رہی ہیں...... سنا آپ نے؟'' افشاں نے بہت اپنائیت و لاڈ کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔

''آپ نے جو Greatness دکھائی ہے۔ میں ہمیشہ کے لیے آپ کی احسان مند ہو گئی ہوں۔ آپ سے معافی بھی مانگ چکی ہوں۔ اب آپ اپنی امی کے گھر جانے کی بات کبھی نہیں کریں گی۔'' افشاں نے پرزور انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

ڈرائیور کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ افشاں کے ساتھ بیک سیٹ پر تھی افشاں کے اظہار تشکر و محبت نے گویا زخموں پر نمک چھڑک دیا تھا۔ کچھ بچے ہوئے آنسو راستہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے حلق میں آ کر اٹک گئے اُس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش میں نرمی سے افشاں کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''تھینک یو افشاں...... مگر Issue میرے اور ثمر کے درمیان ہے۔ ثمر مجھے ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہہ چکے ہیں۔ اس نے بمشکل اپنی بات مکمل کی۔ اور آنسو چھپانے کے لیے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''ہیں......؟'' افشاں کے چہرے سے اطمینان رخصت ہو گیا اور وہ ہونق سی ہو کر چمن کی شکل دیکھنے لگی۔

''کک...... کیا مطلب...... بھائی جان نے Divorce Paper آپ کو دے دیے۔'' چمن نے انکار میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

''پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ جب میں آپ کا احسان مان رہی ہوں تو لازمی بھائی جان بھی آپ کے Thankful ہوں گے۔''

''آپ نے میری ماں کو کتنی بڑی روحانی اذیت سے بچایا۔ وہ آپ سے ملنے کے بعد کتنی پُرسکون ہو گئی تھیں۔ اور اس کے بعد سے دیکھیں ماشاءاللہ Survive کر رہی ہیں۔ انشاءاللہ بہت جلدی ٹھیک ہو جائیں گی۔''

افشاں نے چمن کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بہت محبت سے دبایا۔

محبت لامحدود پھیلاؤ رکھتی ہے۔

ماں کی محبت نے افشاں کو صحیح معنوں میں محبت سے آشنا کر دیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ ہر انسان کو تخلیق کرتے ہوئے اُس کی مٹی کو محبت سے گوندھتا ہے۔ پھر اس کی آزمائش کے لیے دنیائے آب و گل کا نظام جاری و ساری رکھنے کے لیے متضاد اجزائے ترکیبی اُس کے خمیر میں شامل کر دیتا ہے۔

ہے۔

ناپختہ ذہن حاکم اعلیٰ کا بنیادی مقصد بھلا کر نفس کو ہی زندگی سمجھ لیتے ہیں۔ غصہ، کدورت، مبالغہ، جانبداری، اپنی خواہش کو ہی عین حق سمجھنا...... اقرباء پروری میں حد سے گزر جانا۔ اور خلاف خواہش کو ہی خلافِ حق سمجھنا...... نفس کے چوکھی رنگ ہیں۔

نفس کی غلامی کرتے کرتے کبھی کبھی انسان کا مقدر یاوری کر جاتا ہے۔ اور وہ اداشناس کسی ایک ادا کو قبول کرتے ہوئے حق شناسی کو توفیق بخش ہی دیتا ہے۔

شاید ماں سے محبت کی والہانہ ادا ہی قبول ہوگئی تھی کہ افشاں کو اپنی کوتاہیوں کا ادراک ہونے لگا تھا۔

افشاں میں ہزار بشری کمزوریاں ہوں گی مگر ماں کو اس کا وہی مقام دیتی تھی جو اس کا حق تھا۔ ہر دم والہانہ ماں کے پاؤں چھونے کو بیتاب...... اور یہ ماں ہی کی محبت کا اعجاز تھا کہ وہ بھابی جو اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو چکی تھی اسی کو سر پر بٹھا کر لے آئی تھی۔

مجھے بھی سن کر بہت خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ امی جان کی طبیعت سنبھل رہی ہے۔ مگر چمن کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

''اگر مگر کچھ نہیں...... امی جان نے آپ کو بلایا تھا اور اب آپ ان کی اجازت سے ہی جانے نہ جانے کا فیصلہ کریں گی۔'' افشاں کے انداز میں بے بس کر کے رکھ دینے والا اصرار تھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے افشاں...... مگر مجھے لینے تم آئی تھیں۔ ثمر تو نہیں آئے تھے۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ یہی ناں کہ وہ ایک فیصلہ کر چکے ہیں اور اپنے فیصلے پر قائم ہیں۔ چمن نے بہت مضبوط دلیل دی۔ مگر افشاں اس وقت دل کی سن رہی تھی اس لیے ہر دلیل غیر موثر تھی۔

بھائی جان کی ہمت نہیں ہو رہی ہوگی۔ وہ سوچ رہے ہوں گے اگر آپ نے انکار کر دیا تو ان کی بہت انسلٹ ہوگی۔ میری بات اور ہے۔ آپ مجھے دھکے دے کر بھی گھر سے نکال دیتیں تو میں نہ جاتی وہیں گیٹ پر بیٹھی رہتی۔ اس لیے کہ میں امی جان کی خاطر ذلت کی آخری حد بھی برداشت کر سکتی ہوں۔

''ماں ایک بار ملتی ہے...... بھابی...... ماں کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے؟'' یہ کہہ کر افشاں بھل بھل کر کے رو پڑی۔

چمن کی حالت یہ تھی کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن...... اب اس کے خیال میں مزید اپنی بات پر اصرار کرنا بدترین 'دل آزاری' کے زمرے میں آتا تھا۔

اس نے بے بسی کی کیفیت میں اپنے آنچل سے افشاں کے آنسو پونچھنا شروع کر دیئے۔

☆......☆......☆

ارے شادی شدہ سے ہی شادی کرنا تھی تو ہم کیا مر گئے تھے؟'' ارسلان کوفی مگ ہاتھ میں لیے لاؤنج میں اِدھر سے اُدھر ٹہل کر ندا سے تازہ ترین خبریں وصول کر رہا تھا۔ اس کے شوہر کے بارے میں سوالات کر رہا تھا۔ جیسے ہی ندا نے اسے بتایا کہ اس کے شوہر کی پہلی شادی 'فلاپ' ہو چکی ہے تو وہ تقریباً اچھل ہی پڑا تھا۔

حیرت سے ندا کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بے ساختہ ردِعمل دیا تھا۔

''وہ بہت اچھے ہیں ارسلان بھائی...... اگر ان کی پہلے سے پانچ شادیاں بھی ہو چکی ہوتیں تب بھی میں اُن کو

پسند کرتی......وہ ہیں ہی اتنے اچھے......"

"پ......پ......پا......پانچ شادیاں......؟" ارسلان کو اچھولگ گیا اس نے ٹیبل پر مگ رکھا۔ چند سیکنڈ کھانسا...... پھر ٹیبل پر رکھے ٹشو پیپر باکس سے ایک ٹشو کھینچا اور منہ صاف کرنے لگا۔ ندا اب ہونقوں کی طرح اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کہ ایسا کیا کہہ دیا۔

"چار شادیاں ہی کہہ دیتیں کم از کم 'ہارٹ بیٹ' تو نارمل رہتی۔ بے وقوف لڑکی...... پانچ شادیاں Crimnals کرتے ہیں۔ جس شخص کی ایک کے بعد ایک شادی فلاپ ہو رہی ہو...... وہ کیسے اچھا ہو سکتا ہے؟"

"Stupid......اچھے بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ مل جائیں تو کون چھوڑتا ہے؟" ارسلان نے تقریباً جھاڑ پلا دی تھی۔

"I Swear......ارسلان بھائی وہ بہت اچھے ہیں۔ ویری نائس...... بڑی ڈیشنگ پرسنالٹی ہے۔ آپ اُن سے ملیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا......" ندا کے خیالات و انداز میں استقامت تھی۔

ارسلان نے دوبارہ کوفی مگ اٹھا لیا تھا۔ دو تین گھونٹ بھرے گویا اگلا جملہ ترتیب دے رہا ہو۔

"تم نے اُس سے پوچھا تھا کہ اُس نے اپنی فرسٹ وائف کو کس وجہ سے 'ڈیورس' کیا۔" ارسلان نے بڑے اعتماد سے ندا کی آنکھوں میں براہِ راست جھانک کر منطقی سوال کیا۔

"انہوں نے Divorce تو نہیں کیا۔ بس ویسے ہی الگ الگ ہیں۔" ندا نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

اب ارسلان پر پہلے سے زیادہ بڑا 'بینگ' آیا تھا۔ پہلے اس نے مگ ٹیبل پر رکھا پھر دھپ سے صوفے پر گر گیا۔ کین کا صوفہ بری طرح کراہ کر رہ گیا تھا۔ چند سیکنڈ کو چر چرانے کی عجیب و غریب صدائیں ابھری تھیں۔

"آرام سے بیٹھیے...... پہلے ہی ٹوٹا ہوا ہے......" ندا نے ٹوکا۔

"اس گھر میں تمہارے دل کے سوا کوئی چیز ایسی بھی ہے جو ٹوٹی ہوئی نہ ہو؟" ارسلان نے ٹوکنے پر برا منا لیا تھا۔

"ہاں تو نانا جان کوئی بزنس ٹائیکون نہیں تھے کہ ہم ہر چھ مہینے بعد گھر کا فرنیچر چینج کرتے......" ندا نے بھی برا منا کر جواب دیا۔

"Any Way...... یہ فرنیچر کو بعد میں ڈسکس کر لیں گے۔ تم نے تو مجھے اس وقت سرپرائز کیا ہے۔"

"تم بہت غلط جگہ پھنس گئی ہو...... اس بندے نے تمہیں ٹریپ کیا ہے شاید اس شہر میں اسے تم سے زیادہ بے وقوف لڑکی مل بھی نہیں سکتی تھی۔" ارسلان بہت متفکر انداز میں کہہ رہا تھا۔

"Language Please...... جب سے آئے ہیں مجھے پتہ نہیں کیا کیا کہے جا رہے ہیں......"

"بڑی فکر تھی آپ کو ہماری...... جلدی سے گھر Sale کرنے آ گئے۔ ایسے Selfish رشتے داروں سے تو ثمر لاکھ درجے بہتر ہیں۔ جب نانا جان کی طبیعت خراب ہوتی تھی تو کون آتا تھا؟ ثمر ہی آتے تھے۔

"اسی طرح لڑکی پھنساتے ہیں۔ ورنہ آج کل کس کے پاس ٹائم ہوتا ہے۔ اس نے کام کے کارڈز کھیلے اور Win کر گیا۔ اتنی ہمدردی نہ کرتا تو تم کیسے امپریس ہوتیں۔

"وہ تمہارے ساتھ سیریس ہوتا تو سب سے پہلے اپنی بیوی کو Divorce کرتا۔ بچوں کی وجہ سے پرابلم

ٹین بھی کرتا ہوگا۔'' ارسلان اب خاصہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

''بچے نہیں ہیں...... وہ اکیلی ہیں۔'' ندا نے سخت کوفت کے عالم میں برجستہ انداز میں گرہ لگائی تھی۔

''اوہ...... May Be...... سیکنڈ میرج کی وجہ یہی ہو۔ مگر میں پتہ کر کے ہی جاؤں گا۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم تمہیں اسپانسر کر کے امریکہ بلالیں گے۔''

''جی نہیں...... تھینک یو ویری مچ......'' ندا نے فوراً قطع کلامی کی۔

''پہلے خیال نہیں آیا۔ اب میں امریکہ جا کر کیا پاپ کارن کا اسٹال لگاؤں گی۔ بس رہنے دیں۔ بہت بہت شکریہ۔'' اس نے برامان کر کہا تھا۔

''اُن کی دو بیویاں ہوں یا چار...... آپ کا کیا Concern ہے؟'' وہ اب قدرے بھڑک کر بولی۔

''Concern ہے...... اسے ہمارا ہی گھر ملا تھا۔ بڑے آرام سے صاف کر گیا۔'' ارسلان کو جیسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ بس پتہ نہیں کیوں غصہ آ رہا تھا۔

کوفی ٹھنڈی ہو چکی تھی، وہ پانی کی طرح پی گیا اور پٹخنے کے انداز میں مگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ ندا آف موڈ میں اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے اس بندے کی اس گھر پر نظر ہوگی...... ورنہ اتنے میچور بندے کو تم میں ایسی کیا خاص بات نظر آئی تھی؟ 100% Miss Match شادی ہے۔''

ارسلان جس معاشرے میں پروان چڑھا تھا وہاں کا طرزِ زندگی بندے کو بہت زیادہ صاف گوئی سکھاتا ہے۔

الفاظ کے گورکھ دھندے سے نابلد...... بے دھڑک اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔ ندا کو اتنی صاف گوئی بلکہ بے رحمانہ صاف گوئی کی عادت نہیں تھی۔ اب وہ اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ کو پراپر تھراپی کی ضرورت ہے Divorcee لوگوں کو سیریس قسم کے Issues آ سکتے ہیں۔''

اس نے بھی ایک وار میں کام تمام کرنے کی کوشش کی۔ گویا بھرپور بدلہ لے لیا تھا۔

ارسلان نے چونک کر ندا کی شکل دیکھی۔ اتنی احمق اور بودم نظر آنے والی لڑکی اتنا دانشورانہ تجزیہ بھی کر سکتی ہے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اگر اس کے ساتھ مزید وقت گزارتا تو شاید Issuse آ سکتے تھے۔ گولی کان کے پاس سے گزر گئی۔ بال بال بچ گیا۔ بڑی مشکل سے جان چھوٹی مگر تھینک گاڈ کہ چھوٹ گئی اب میں کسی بھی اچھی سی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے آزاد ہوں۔ ویسے بھی آج کل میں لائف انجوائے کر رہا ہوں۔ بغیر پروں کے ہواؤں میں اڑ رہا ہوں۔

''تم نے جلد بازی میں شادی کر لی...... ورنہ تم جیسی بے وقوف لڑکی سے شادی کرتا تو زندگی بہت آرام سے گزر جاتی۔''

ندا جو ارسلان کا ایک ایک لفظ بہت توجہ سے سن رہی تھی آخری جملہ سن کر ہتھے سے اکھڑ گئی۔

یوں سمجھیں گولی میرے کان کے پاس سے بھی گزر گئی، بچت ہوگئی۔

''توبہ توبہ...... آپ سے شادی کرنے کا مطلب تو سیدھا سیدھا موت کے کنویں میں چھلانگ لگانا ہے۔ آپ جیسا بندہ میرا آئیڈیل کبھی بھی نہیں ہو سکتا تھا۔'' ندا نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

ارسلان نے بہت طبیعت سے قہقہہ لگایا تھا۔
''پتہ چلے گا...... جب ففٹی ففٹی کھیلو گی......''
ندا نئے سرے سے ہونق ہوگئی۔
''ففٹی ففٹی؟''
''جناب...... جب مسٹر ثمر ہر دو دن بعد بہانے سے غائب ہوا کریں گے یار بندے نے پہلے سے ایک بیوی سنبھالی ہوئی ہے۔ آخر اس کے بھی تو Right ہیں...... ورنہ Release نہ کر دیتا...... مگر تمہیں ابھی سمجھ نہیں آئے گی۔ فی الحال میں سونے جا رہا ہوں۔ دوبارہ سے نیند آنا شروع ہوگئی ہے۔ ارسلان نے عجیب نظروں سے گھورتی ندا پر ایک شریری نگاہ ڈال کر زبردست انگڑائی لی۔ ندا نے بمشکل خود کو سنبھالا۔
''اب پھر سے سوئیں گے؟ ناشتہ کب کریں گے؟'' اس نے تکلفاً پوچھا۔ اچھا خاصا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ پُرسکون تالاب میں کنکر پھینک کر سونے جا رہا تھا۔ ندا کو تو سوچنے پر لگا دیا تھا۔
''جب دل چاہے گا۔'' ارسلان شانِ بے نیازی سے بولتا ہوا ندا کے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔
''آپ ایسا کریں جلدی سے یہ گھر سیل آؤٹ کر کے واپس امریکہ چلے جائیں میں اس طرح کسی کے 'دل' کے ساتھ انگیج نہیں رہ سکتی۔'' وہ وہیں بیٹھے بیٹھے چلائی۔
''کوائٹ پلیز...... میں آدھا سو چکا ہوں۔'' یہ کہہ کر ارسلان نے دھاڑ سے دروازہ بند کر دیا۔
ندا کو یوں لگا گویا دروازہ اس کے سر پر دے مارا ہو۔ بری طرح کھول کر رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

گزشتہ رفاقتیں راہ کی دھول نہیں تھیں جو نہانے دھونے سے بہہ جاتیں۔ ثمر بہت بے تابی سے افشاں کا انتظار کر رہا تھا۔ افشاں چمن کے ساتھ کاریڈور کے سرے پر نمودار ہوئی۔ ہوا کے ہلکے سے جھونکے نے کانوں میں متروک طلسم پھونکا۔ نگاہ یوں اٹھی گویا زندگی بچانے کے لیے مجبوراً کچھ کرنا پڑ جائے۔ دھلا دھلا میک اپ کے تکلفات سے پاک نکھرا ستھرا چہرہ...... کیچر میں سمٹے ہوئے بال، جھکی جھکی نظر......
دل کو کچھ ہوا...... جو سمجھ سے بالاتر تھا۔
یوں جیسے خواب کے عمل میں کسی سبزہ زار کا لمحاتی نظارہ...... کچھ ایسا تھا جو اچھا نہیں تھا مگر برا بھی نہیں تھا۔ ریشمی بانہوں کے حلقے کی حسین سی جدت وجود سے لپٹ گئی۔ فاصلے صدیوں کے اور لمس لمحے کا ایک مخصوص مہک مشامِ جان میں اتر گئی۔ ثمر نے گھبرا کر رخ موڑ لیا۔
''السلام علیکم بھائی جان...... کیسی طبیعت ہے امی جان کی......؟'' افشاں نے سلام کے جواب کا انتظار کیے بغیر بڑی بے تابی سے پوچھا تھا۔
''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے بہت بہتر ہیں۔ مگر ڈاکٹرز کی ایڈوائز ہے کہ اُن سے زیادہ بات چیت نہ کی جائے۔'' ثمر نے دشمنِ جاں کی طرف سے مکمل رخ پھیر کر جواب دیا تھا۔
''یا اللہ تیرا شکر ہے۔ میں تو سمجھتی ہوں اللہ نے بھابی کو امی جان کے لیے رحمت بنا کر بھیج دیا۔ بہت بے چین تھیں۔ بھابی سے ملتے ہی پُرسکون ہوگئیں اور طبیعت سنبھلنے لگی۔
افشاں نے بہترین منجھے ہوئے سفارت کار کی طرح تعلقات میں بہتری کے لیے فوری اقدامات شروع

کر دیے۔

''اب میں چلوں گا...... تھوڑا ریسٹ کروں گا۔ لیکن کسی بھی وقت میری ضرورت ہو تو کال کر لینا...... میں یہاں سے زیادہ دور نہیں ہوں۔'' ثمر نے پرانی رفاقتوں کے شکنجے سے بمشکل گردن چھڑاتے ہوئے کہا۔ مجبوری تھی وہ افشاں کے ذاتی خیالات کو تسلسل دینے کا پابند نہیں تھا۔ اس لیے بہرے کانوں کے ساتھ اپنی بات کی۔

''ہاں تو گھر ہی جا رہے ہیں ناں...... آفس جا کر تو ریسٹ نہیں کر سکتے۔'' افشاں نے اپنی کوشش کی رائیگانی پر بجھے بجھے انداز میں سوال کیا۔

''گھر......؟'' وہ اپنے دھیان سے چونک پڑا۔

ندا آنچل لہراتی بے ساختگی سے کھلکھلاتی سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ایک غیر ارادی نظر خود بخود چمن کی طرف اُٹھ گئی تھی۔ جیسے دل میں کسی نے زور سے چٹکی لی ہو۔

اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب پر جا پڑا...... جہاں موبائل رات سے خاموش تھا۔

''اوہ...... وہ خود ہی ندا کو فون کر لیتا...... شاید وہ سو رہی ہے ورنہ اُس کی کال تو لازمی آتی۔''

چمن کا چہرہ ایک دم بدہیبت ہو گیا۔ اس کے وجود سے سڑاند آنے لگی۔ آن کی آن میں وہ خون آشام بلا میں ڈھل گئی۔

ایک حقارت آمیز نظر اس نے چمن پر ڈالی جو ہنوز سر جھکائے گونگی بہری بنی کھڑی تھی۔

''خدا حافظ......'' اس نے افشاں کا سوال یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ اور فوراً ہی لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا تھا۔

زندگی میں کچھ تعلقات ایسے ہوتے ہیں کہ پلٹ کر دیکھنا بھی مجبوری ہوتا ہے۔ مگر اس تعلق میں شاید ساری مجبوریاں ماضی کے مدفن میں دفن ہو چکی تھیں۔

☆......☆......☆

عطیہ بیگم حیرت سے ڈاکٹر علی عثمان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ بلیو ڈریس پینٹ میں بلیو باریک چیک کی شرٹ میرون ٹائی لگائے بہت خوش باش اور تروتازہ نظر آ رہے تھے۔ ہونٹوں پر وہ مسکراہٹ جو قربتوں کا احساس اُجاگر کرتی ہے۔ کسی خاموش اور مہربان تعلق کی ترجمان ہوتی ہے۔

''شاید میں نے ڈسٹرب کیا ہے۔'' وہ عطیہ بیگم کی حیرانی پر خجل سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

''ارے نہیں...... آپ نے تو شرمندہ کر دیا۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو حیران ہو رہی ہوں کہ آپ خود چل کر ہمارے گھر آئے۔ آپ جیسا مصروف انسان کسی کے لیے وقت نکالے یہ تو بڑی عزت افزائی ہے۔''

''آیئے...... تشریف لایئے...... مشکور صاحب گھر پر ہی ہیں اُن کو بلاتی ہوں۔'' عطیہ بیگم شرمندہ سے انداز میں اُن کو ڈرائنگ روم کی طرف لے جاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ صبح صبح ڈاکٹر علی عثمان کی آمد نے ایک عجیب سی مسرت سے ہمکنار کیا تھا۔

''ایکچوئلی کئی ہفتے بعد آج میری مارننگ ہے۔ گھر سے نکلا تو کچھ ذہن میں نہیں تھا۔ بس یونہی اچانک خیال آیا کہ مسز چمن کی مدر اِن لاء بیمار ہیں آپ سے اُن کی خیریت پتہ کرتا چلوں۔'' ڈاکٹر علی عثمان نے بہت پُرخلوص اور سادہ سے انداز میں اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

''بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب...... آپ نے بہت زحمت کی۔'' عطیہ بیگم بہت متاثر نظر آ رہی تھیں۔

''ارے نہیں...... اس گھر سے میری پیاری سی بہن کو ایک نہیں دو فرینڈز ملی ہیں۔ آپ سب لوگ میرے لیے بہت Important ہیں۔ آپ یقین کریں میں Heartly آپ سب کا تھینک فل ہوں۔ ٹینا مہ پارہ اور مہ وش کی وجہ سے بہت خوش رہنے لگی ہے۔ اُن کا Wait کرتی رہتی ہے۔ Games پلان کرتی رہتی ہے۔''

''اس پر تو اللہ کا جتنا شکر کیا جائے کم ہے۔ اللہ اس معصوم بچی کو خوش رکھے۔'' عطیہ بیگم نے دونوں ہاتھ بے ساختگی سے اُٹھا کر دعا کی۔

''آمین......'' ڈاکٹر علی عثمان نے فوراً کہا۔ جیسے وہ اس دعا ہی کے منتظر تھے۔ اب وہ عطیہ بیگم کے مقابل بیٹھے ہوئے تھے۔ عطیہ بیگم انجانے میں بڑی گہری نگاہ سے اُن کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لاشعوری طور پر وہ ڈاکٹر علی عثمان اور ثمر کا موازنہ کر رہی تھیں۔

بڑے نقصانات یادداشت کا ناسور ہوتے ہیں۔ عظیم دکھ سے آشنا کرانے والے روح میں امربیل کی طرح لپٹے ہوتے ہیں۔ اُن کا بات بات پر یاد آ جانا کوئی غیر معمولی یا اچھنبے کی بات نہیں ہوتی۔

میرا مسز چمن کے سسرال والوں سے تعارف نہیں ہے ورنہ میں پیشنٹ کی عیادت ضرور کرنے جاتا۔'' ڈاکٹر علی عثمان نے مسز چمن کا سسرال کہہ کر اپنی پاکیزگی اور صاف باطنی کی خود ہی گواہی دی تھی کہ اُن کا ذہن اور دل بالکل صاف ہے اور اُن کے آگے بڑھ کر تعلقات بڑھانے میں کسی قسم کی کوئی خود غرضی یا مطلب پوشیدہ نہیں۔ یہ تو ثابت ہی تھا کہ وہ چمن کی ماں کے گھر جائیں گے تو چمن سے ملاقات نہیں ہوگی۔

اُن کے اس مخلصانہ عمل کا عطیہ بیگم پر بہت گہرا اثر نظر آ رہا تھا۔ میری دونوں بچیاں بھی ٹینا کو دوست بنا کر بہت خوش ہیں۔ ہر وقت ٹینا سے ملنے کی ضد کرتی ہیں۔ عطیہ بیگم نے پھر ایک گہری اور لاشعوری نگاہ ڈاکٹر علی عثمان پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں اس میں آپ کا اور مسز چمن کا بہت ہاتھ ہے۔ ورنہ بچے تو ٹینا سے فرینڈلی ہو ہی نہیں پاتے۔ بڑے عجیب عجیب کومپلی منٹس پاس کرتے ہیں۔ معصومیت سے پوچھتے ہیں یہ اتنی بڑی ہیں تو پھر چھوٹی کیوں بنتی ہیں۔ ہم تو اللہ میاں سے دعا کرتے ہیں کہ جلدی سے بڑے ہو جائیں۔''

ڈاکٹر علی عثمان کے ہونٹوں پر اُداس سی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

''بیگم صاحبہ...... آج ناشتہ نہیں ملے گا۔ آپ تو اب ہمیں پرانے سامان کی طرح بھول جاتی ہیں، لیکن یاد رکھیے۔'' مشکور احمد بولتے ہوئے اچانک سامنے آ گئے تھے۔ گھر میں پھیلی خاموشی نے عجیب سا تجسس پیدا کر دیا تھا۔ اور عطیہ بیگم بھی دیر سے منظر سے غائب تھیں۔

باہر سے عطیہ بیگم پر ہی نظر پڑی تھی جن کا اندازِ نشست ہی بتا رہا تھا کہ وہ کسی کے روبرو بیٹھی ہیں۔ اسی شوق میں وارفتہ انداز داخل ہوئے تھے۔ ڈاکٹر علی عثمان ان کی آواز سن کر پہلے ہی مستعد ہو چکے تھے جیسے ہی سامنے آئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

''ارے ڈاکٹر صاحب...... آپ...... ماشاء اللہ......'' مشکور احمد نے بہت گرم جوشی سے ڈاکٹر علی عثمان کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا۔

''یقین جانیں آپ کو اپنے گھر میں دیکھ کر اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ بیان سے باہر ہے پلیز...... تشریف

رکھیے۔'' مشکور احمد نے دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر علی عثمان کو بیٹھنے کے لیے کہا۔
''اب آپ ڈاکٹر صاحب سے بات کیجیے...... میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' عطیہ بیگم نے آداب میزبانی نباہتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔
''بھئی...... زبردستی چائے پلائیں گی۔ ڈاکٹر صاحب سے تو پوچھیے کہ اُن کا کیا موڈ ہے۔ چائے یا ٹھنڈا؟'' مشکور احمد نے اسی پرمسرت انداز میں بیگم کو ٹوکا۔
''واہ...... مجھے واقعی خیال نہیں رہا۔ چلیے اب پوچھ لیتی ہوں۔'' عطیہ بیگم نے قدرے خفیف انداز میں کہا۔
''تھینک یو سوچ...... چائے پی کر آرہا ہوں۔ کولڈ تو بہت ہی کم لیتا ہوں، پلیز کوئی تکلف نہیں۔'' ڈاکٹر علی عثمان بہت زوردار انداز میں تکلفات سے روک رہے تھے۔
''ڈاکٹر صاحب...... کمال کرتے ہیں۔ مہمان کی خاطر تواضع نہ کرنا تو عمر بھر کی ندامت ہے۔ حسبِ استطاعت کچھ تو کرنا ہے۔'' مشکور احمد کے انداز میں بھی ناقابلِ تسخیر اصرار تھا۔
''آپ ڈاکٹر صاحب سے باتیں کیجیے میں ابھی آئی۔'' عطیہ بیگم یہ کہہ کر بڑی تیزی سے ڈرائنگ روم سے نکل گئیں مبادا ڈاکٹر علی عثمان انہیں پیچھے سے آواز دے کر روک لیں۔
''سب خیریت ہے۔ ہماری بیٹی ٹینا کیسی ہے؟ مہ پارہ اور مہ وش کو تو بس ٹینا کا بہانہ مل گیا ہے۔ ہر وقت جانے کے لیے تیار......'' مشکور احمد یہ کہہ کر دھیرے سے ہنس دیے۔
''جی انکل اُدھر بھی یہی حال ہے۔'' ڈاکٹر علی عثمان نے مسکرا کر کہا۔ بہن کا بہت جاندار تھا یوں جیسے سامنے کھڑی ہو۔ مسکراہٹ میں محبت کے سارے رنگ اُتر آئے تھے۔
''دو دن سے بہت تنگ کر رہی ہے کہ بس کسی طرح بھی اُس کی فرینڈز گھر آجائیں۔ مگر شاید کچھ دن تک تو Possible نہیں ہے۔ مسز چمن تو بہت زیادہ بزی ہو گئی ہیں۔'' ڈاکٹر علی عثمان بہت مہذبانہ انداز میں گویا ہوئے تو مشکور احمد چونک پڑے۔
''مسز چمن......!''
شاید ڈاکٹر صاحب کو اس کے شوہر کا نام معلوم نہیں۔ انہوں نے سوچا۔
''جی...... جی...... بس اللہ کی مرضی...... ثمر کی والدہ کی اچانک ہی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ بہرحال اب قدرے بہتری کی طرف ہیں۔'' مشکور احمد نے بہت سلیقے سے چمن کے شوہر کا نام بھی گوش گزار کر دیا۔
پھر بھی وہ اب کچھ دن تو بہت زیادہ مصروف رہیں گی۔ اب آپ کوئی راستہ نکالیے۔ ٹینا اپنی فرینڈز سے ملنا چاہ رہی ہے۔'' ڈاکٹر علی عثمان نے ذرا ہچکچاتے ہوئے کہا۔
''میں بچیوں کو لے کر آجاؤں گی آپ کے ہاں...... آپ فکر نہ کریں۔ دو چار روز بعد تو چمن آ ہی جائے گی۔''
''عطیہ بیگم...... گولڈن ٹرے میں پیٹھے کا حلوہ اور پیالیاں، چمچے رکھے اندر داخل ہوتے ہوئے برجستہ انداز میں بولیں تھیں۔
''مشکور احمد بس پہلو بدل کر رہ گئے۔ ڈاکٹر علی عثمان کے سامنے متنازعہ موضوع چھیڑنا ممکن ہی نہیں تھا۔ مگر عطیہ بیگم کا جملہ معترضہ انہیں بہت کھلا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ بس کچھ دن کی بات ہے چمن آ جائے گی تو بچیوں کو روز ینا سے ملانے لے جائے گی۔ آپ یہ حلوہ کھائیں۔ یہ میری اسپیشل سوئٹ ڈش ہے۔ میرے ملنے والے فرمائش کر کے بنواتے ہیں۔ چمن کو تو بہت ہی پسند ہے۔ کھانے کے بعد تھوڑا سا ضرور کھاتی ہے۔''

عطیہ بیگم خالی پیالی اور چمچ ڈاکٹر علی عثمان کے سامنے رکھتے ہوئے اپنی دھن میں بے سوچے سمجھے بولتی چلی گئیں۔

''بچیاں ہاتھ نہیں لگاتیں...... اُن کے لیے چمن خاص طور پر Baking کرتی ہے، براؤنی، کپ کیک، نان خطائی، بسکٹ چیزیں گھر میں بناتی ہے۔''

ڈاکٹر علی عثمان اُن کے خلوص کے سامنے لب بستہ ہو کر پیالی میں حلوہ ڈالتے ہوئے بہت گہرائی میں جا کر سوچ رہے تھے۔

''چمن ساس کے پاس ہاسپٹل میں ہے۔ بچیاں اُس گھر میں نانی کے پاس رہتی ہیں۔ چمن بچیوں کے لیے خود Baking کرتی ہے۔ چمن کچھ دنوں بعد بچیوں کو روز ینا سے ملانے لے کر جائے گی۔ چمن کے شوہر نامدار کا نام ثمر ہے۔''

''کیا چمن ایک وقت میں دو گھر سنبھال رہی ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟'' ڈاکٹر علی عثمان نے مشکور احمد کی طرف لاشعوری طور پر دیکھا تھا۔ مگر اُن کو محسوس ہوا کہ مشکور صاحب اپنی بیگم کی طرف بہت اُلجھی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

جب ڈاکٹر عثمان پر نظر پڑی تو قدرے گھبرائے پھر مسکرانے لگے۔

ماحول میں کچھ غیر معمولی پن محسوس ہو رہا تھا۔ مگر عقل رسائی تک قاصر تھی۔

''گویا...... بے ترتیب پھیلا ہوا دھواں...... پتہ ہی نہیں چل پا رہا تھا کہ آ کدھر سے رہا ہے؟''

☆......☆......☆

امی جان آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ بس جتنا ہونا تھا ہو چکا...... اب تو ماشاءاللہ آپ کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ چمن بانو آپا کے قریب بیٹھی بہت پیار سے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دباتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

بانو آپا نے بمشکل اپنی پلکیں اُٹھا کر چمن کی طرف دیکھا۔ دھیرے سے مسکرائیں۔ رات کے پچھلے پہر کانوں میں کسی کی آواز آتی ہے۔ بانو آپا کی بھاری اور بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

افشاں جو میڈیسن چیک کر رہی تھی گھبرا کر پلٹی اور ماں کی طرف دیکھنے لگی۔ چمن بھی چونک گئی تھی۔

آواز...... کیسی آواز امی جان...... افشاں لپک کر ماں کے نزدیک آ گئی۔

''جیسے کوئی ڈانٹ رہا ہو...... کہتا ہے اُٹھ کر دکھا...... چل کر دکھا...... اپنی اوقات پتہ چلی۔'' یہ کہہ کر بانو آپا بے آواز ہونٹ بھینچ کر رونے لگیں۔ چمن کا اپنا دل دھک سے رہ گیا۔ افشاں بھی حواس باختہ دکھائی دی۔

''امی جان بیماری میں انسان کو طرح طرح کے وہم تنگ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے تکلیف کے ساتھ پیشنٹ اکیلا ہوتا ہے۔'' افشاں تسلی دینے لگی۔

''نہیں...... بس مجھے اسی بستر سے اُٹھ کر چلے جانا ہے۔ مجھے ساری خبریں مل رہی ہیں۔'' بولتے ہوئے بانو

آپا کی سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی۔
''مم...... میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔'' افشاں گھبرا کر باہر کی طرف بھاگی۔
''بیٹا......'' بانو آپا نے چمن کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔
''جی امی جان؟ میں آپ کے پاس ہی ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔'' چمن نے بہت ہمدردی و دل سوزی سے کہتے ہوئے اُن کے ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا اور غور سے اُن کا چہرہ دیکھنے لگی۔
''مہلت ملی ہے...... استغفار کی...... مہلت ملی ہے...... رحمٰن نے رحم کر دیا مہلت دے دی...... ڈاکٹر کچھ کہیں...... مجھے تو جانا ہے۔''
''ہائے اللہ امی جان...... اب ایسی باتیں نہ کریں، شکر ہے کہ آپ کی طبیعت اچھی ہو رہی ہے۔ پہلے تو آپ بات بھی نہیں کر پا رہی تھیں۔'' چمن پریشان ہو کر تسلیاں دینے لگی۔ بانو آپا کی سانس پھر پھول گئی تھی۔ افشاں ابھی تک ڈاکٹر کو لے کر نہیں آئی تھی۔
''چمن......!'' بانو آپا کے ہونٹ لرزے۔
''جی امی جان......؟'' وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔
''سانس آ تو رہی ہے...... مگر اس میں زور نہیں ہے۔ بار بار ٹوٹتی ہے یہ کہہ کر بانو آپا نے آنکھیں موند لیں۔ چمن نے گھبرا کر دو تین آوازیں دیں۔
''امی جان...... امی جان......'' بانو آپا نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ دھیرے سے مسکرائیں۔
''توبہ سے خوشی پیدا ہوتی ہے...... اور...... خوشی طاقت دیتی ہے۔ بس اتنی ہی طاقت ہے اب......'' اتنا کہہ کر انہوں نے پھر آنکھیں موند لیں۔
''یا اللہ...... یہ افشاں کدھر رہ گئی؟'' چمن نے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ جیسے گرم چائے کی پیالی کی بھاپ......
''بس اتنا زور ہے میری سانسوں میں۔'' بانو آپا نے بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہا۔ چمن کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔ اسی وقت افشاں ڈاکٹر کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ پچپن، ساٹھ کی عمر کا تجربہ کار ڈاکٹر تھا اس نے آتے ہی بانو آپا کی نبض چیک کی۔ چند ثانیے تفکر کیا...... پھر چمن کی طرف دیکھا۔
''B.P لو ہو گیا ہے...... ڈونٹ وری...... ابھی تھوڑی دیر میں مین ٹین ہو جائے گا۔ اسی لمحے نرس اپنے لوازمات کے ساتھ بڑی پھرتی دکھاتی اندر آ گئی تھی۔
''Mind It...... پیشنٹ سے زیادہ بات چیت نہ کریں۔ پیشنٹ بات کرتا ہے تو اپنے ذہن پر بھی زور ڈالتا ہے۔ انرجی...... Comsume تو ہوتی ہے ناں......؟''
''Next 3-4 Days بہت احتیاط کرنا۔ انشاء اللہ...... ٹھیک ہو جائیں گی۔ ڈاکٹر بہت شفیق لہجے میں تسلی دے رہا تھا۔
چمن کھڑی ہو کر بے یقینی کی کیفیت میں ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگی۔
''پلیز...... آپ لوگ باہر لاؤنج میں تشریف رکھیے۔ ڈاکٹر نے بہت مہذبانہ انداز میں ان دونوں کو کمرے سے بے دخل کیا۔ افشاں نے چمن کی طرف دیکھا۔

چمن نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھاما اور چل پڑی۔ افشاں باہر نکلنے تک پلٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

جس بیڈ پر ہسبنڈ سوتا ہے اس پر ہر ایکس وائی زی کو Allow نہیں کرتے...... یار کچھ تو کہیں سے سیکھ لو...... ثمر حد درجہ تھکن کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ بدمزاج ہو رہا تھا۔

''ہاں تو سیکھ تو رہی ہوں آپ سے...... کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے۔'' ندا بھی اُلجھی ہوئی تھی چڑ کر بولی۔

''آپ خود دیکھ لیں...... گھر میں اور کوئی ڈھنگ کی جگہ ہے؟ امی جان کا بیڈ روم سالوں سے بند ہے۔ نانا جان کے کمرے میں حکیم صاحب کی ہربلز (جڑی بوٹیوں) کی Smell پھیلی ہوئی ہے۔''

''اتنی دور سے آئے ہیں کیا لاؤنج میں صوفے پر سلا دیتی یا باہر تخت پر؟ مگر وہ بھی ہلتا ہے۔ بتائیں مجھے کیا کرتی میں......'' ندا جھاڑ کھا کر پیچھے ہی پڑ گئی تھی۔ اسے یوں لگا ثمر اس کے کسی خطرناک جرم کی نشان دہی کر رہا ہو۔

''موصوف کس خوشی میں مہمانداری کے مزے لوٹنے آئے ہیں؟ دادا جان کے آخری دیدار تک سے تو محروم رہے۔ کیا تم سے تعزیت کرنے آئے ہیں۔'' ثمر بری طرح جھلا رہا تھا۔

''ظاہر ہے آخر میں اُن کی پھوپی زاد بہن ہوں......'' ندا نے بھی اتفاق کرنے اور تصدیق کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی۔

اور پھر اُن کے دادا کا گھر ہے...... اُن کی پراپرٹی یہ...... دو چار دن میں سیل کر کے واپس چلے جائیں گے۔'' ندا نے لگے ہاتھوں مہمان کے آنے کا مقصد بھی بتا دیا۔

''اوہ...... آئی...... سی...... یہ کہانی ہے......'' ثمر کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

''میں بھی حیران ہو رہا تھا۔ یہ تعزیت کی خاطر ڈھائی تین لاکھ کا خرچہ کرنے کی ہمت کیسے کرلی۔ تو یہ بات ہے...... ٹریولنگ کا خرچہ دادا مرحوم کی پراپرٹی سے ہی نکالیں گے۔'' ثمر نے درست سمت دماغ دوڑایا تھا۔

''بہرحال میں گھر جا رہا ہوں۔ کم از کم مجھے فون پر ہی بتا دیتیں کہ مہمان آئے ہیں...... تو میں اتنا ٹائم تو ویسٹ نہ کرتا...... پتہ ہے کہ رات کو جاگتا ہوں۔''

ثمر نے چڑے ہوئے انداز میں ٹیبل سے کار کی چابی اٹھائی اور بھنایا ہوا باہر کی طرف چل پڑا۔

''بات تو سنیں...... ایک منٹ......'' ندا پیچھے پیچھے دوڑی۔

''میں نزیرن کو بلا کر اوپر کا روم صاف کرالوں گی۔ آپ شام تک آجایئے گا۔ یہ گھر سیل ہو رہا ہے...... گھر کے مالک آچکے ہیں۔ کسی نزیرن، غفورن، شکورن کو بلانے کی ضرورت نہیں۔'' ثمر بغیر رُکے مین گیٹ کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ندا بے بسی سے اسے باہر نکلتے دیکھ رہی تھی۔

''بڑی گرمی ہے بھئی......'' پشت سے ارسلان کی آواز آئی تو ندا چونک کر پلٹی...... ارسلان کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

(رشتوں کی نزاکت اور سفا کی دکھاتے اس سحر انگیز ناول کی اگلی قسط انشاءاللہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)

افسانہ

دردانہ نوشین خان

خوش رنگ ہوا منظر

''مناہل...... تم چھبیس سال کی ہوگئی ہو...... میری شادی کو اس عمر میں پانچ سال گزر چکے تھے۔ مگر میری شادی ناکام تھی۔ یہ والدین کی بھی Pre Decided تھی۔ میں چھ ماہ کی بے بی تھی کہ مجھے لال فراک، لال شلوار اور لال چنریا اوڑھا کے......

''ناہیدہ کی نند کی شادی طے ہوگئی۔'' ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہی نیرہ بی نے انکشاف کیا۔ اُس کی بیٹی مناہل ناشتے سے مکمل انصاف کرتے ہوئے بڑبڑائی۔

''مشائم کی......؟'' گویا اُسے فکر ہی نہیں اور کھانے پینے میں مشغول ہے۔

''ہاں جی...... ایم ایس سی مکمل نہیں ہوا مشائم کا...... تمہیں فارغ ہوئے تین ماہ ہوگئے۔'' نیرہ بی نے یوں جتایا جیسے ماں نہ ہو پڑوسن ہو۔ میا حیرت سے منہ تکنے لگیں پھر دھیرے سے کہا۔

''اللہ سب بچیوں کے نصیب اچھے کرے۔''

میا ایک بزرگ خاتون تھیں۔ نیرہ بی کے ساتھ ایک بیڈروم باتھ کا سیٹ اَپ شیئر کر کے رہتی تھیں۔ بینک آفیسر نیرہ بی کو ان کی موجودگی سے سہولت اور آسرا رہتا اگرچہ دونوں کے درمیان نظریاتی اختلافات کی سرد جنگ بالعموم جاری رہتی۔

نیرہ بی نے اپنی دھماکہ خیز خبر کو ہیڈ لائن کی بجائے اندرونی صفحہ کی نچلی لائن بنتے محسوس کیا تو میا کو گھورا۔ میا ہلکی سبز انڈین ساڑی پر گہرے سبز شیڈ کا کارڈیگن لیے اور گرم شال لپیٹے بھینی بھینی خوشبو میں کوئی خاتون اول لگ رہی تھیں۔ ''نکی کنواری بڑھیا...... صبح صبح ایسے تیار ہوجاتی ہے جیسے دفتر جانا ہوگا۔ اسے اپنی افسری کا دور بھولتا نہیں نیرہ بی الفاظ دبا دبا کر بولیں۔

''مشائم میری مناہل سے چھوٹی ہے۔''

''بیٹا یہ شہد کی بوتل دینا۔'' مناہل نے شہد کی بوتل میا کو پکڑائی اور پراٹھا کھانے میں مگن ہوگئی۔ نیرہ بی نے سوچا موٹی بھینس ہوجائے گی جس رفتار سے مکھن پراٹھے کھا رہی ہے اوپر سے رشتے نہ آنے کا قلق بھی تھا پھر ایک بار بات نکالی۔

''لڑکا مشائم کا کلاس فیلو ہے۔''

''کلاس فیلو؟'' میا کا ہاتھ رُکا۔

''قسمت دیکھو...... اسے جاب بھی مل گئی۔ Top Talented ہوگا۔ سیانی لڑکیاں اس طرح مقدر بناتی ہیں۔''

''استغفر اللہ...... تعلیمی ادارے نہ ہوئے میرج بیورو ہوگئے۔'' میا نے لاحول پڑھی۔ نیرہ بی پر اثر کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔ میا نے نیرہ بی سے کہا۔

"تم بھی تو یونیورسٹی پڑھیں؟"

"میرا شوہر میرا کزن تھا۔ وہ دور بھی اور تھا میا جی...... اب گھر بیٹیوں کے رشتے نہیں آتے۔"

میا نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے کھنکارا جانے یہ عورت بیٹی کو کیا سنوانا چاہتی ہے۔ بے تکی ہانکے جاری ہے۔ میا کے وقتوں میں بڑوں کا بے سبب کھنکارنا خاموشی کا اشارہ ہوتا تھا مگر نیرہ بی میں اتنی کامن سینس تھی نہ تہذیبی ادارک، وہ جاری رہیں۔

''ناہیدہ کی اکیس سال کی عمر میں شادی ہوگئی...... یہ میری بہن قسمت والی ہے۔ میاں بھی جیسا پہلے دن دیوانہ تھا ویسا آج تک ہے...... تتلی جیسی خود اڑتی پھرتی ہے تتلی جیسی بچیاں ہیں۔''

نیرہ بی کی چھوٹی بہن ناہیدہ ویسے بھی اُس کے لیے رول ماڈل تھی۔ اُس کی مثال زندگی کے ہر شعبہ میں دی جاتی۔ اچھا انڈا فرائی کرنے سے ڈیزائنر ڈریس تک بات ویسے بھی ادھوری لگ رہی تھی مشائم کی جب تک ناہیدہ شامل نہ ہوتی سو مناہل ایکدم ہنس دی اور کہا۔

''اب بنی ہے بات۔'' میا کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل گئی مگر نیرہ بی کا موڈ بگڑنے سے بچالیا۔

''اچھا ناشتہ کیجیے...... چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

میا جو برسوں پہلے مس اختل رسول کے نام سے پہچانی جاتی تھیں اب محکمہ تعلیم کی بیسویں گریڈ آفیسر ریٹائرڈ ہوئے آٹھ سال بیتا چکی تھیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ایک اچھی شہرت کی درس گاہ سے وابستہ ہو کر تجوید تلاوت سیکھی۔ وہی انہوں نے اپنا نام 'میا' پڑوادیا۔ مزاج کی سادہ 'تہذیب پرست اور اصول پسند تھیں۔

مناہل ناشتہ کی میز سے اٹھ گئی تو نیرہ بی کو مزید کھل کر بات کرنے کا موقع مل گیا۔ میا بھی اب کھل کر جواب دے سکتی تھیں۔ نیرہ بی بولیں۔

''آپ سمجھتی ہی نہیں...... زمانہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے۔ جو لڑکی یونیورسٹی سے خالی ہاتھ لوٹی پھر وہ نیک پروین بیٹھی رہی۔ اس میں شرافت یا آوارگی کی بات نہیں...... اچھے لڑکے یوں چن لیے جاتے ہیں۔''

''ساتھ پڑھتے لڑکوں کے مستقبل کا خاک پتہ ہوتا ہے، کیا اچھے کیا برے...... خدا کا شکر ادا نہیں کرتیں نیرہ بی...... کہ تمہاری بیٹی حیادار ہے۔''

''حیا کی خوب رہی...... لڑکیاں وقت سے ٹھکانے لگ جاتی ہیں۔ اپنے دکھ سکھ مسائل کی بھی آپ ذمہ دار ہوتی ہیں ماؤں پر الزام نہیں رکھ سکتیں۔''

خدایا کس قدر چالاک ماں ہے۔ دور کی کوڑی لاتی ہے زمانہ واقعی بدل گیا ہے۔ اب کی ممتا تو ڈالڈے کی تیری نسل ہے۔ میا منہ ہی منہ میں بولتی کرسی کی بیک سے تسبیح اُتار کر چل دیں۔ نیرہ بی نے برتن سمیٹے اب اُسے ٹانگیں پسار کر سونا تھا کیونکہ آج اتوار تھا۔

ہفتہ بھر بعد کی بات ہے نیرہ بی نیم دراز اپنی پسند کا ڈرامہ دیکھ رہی تھی کہ مناہل خوشخبری کا نعرہ مارتی ماں کے بیڈ پر دھم سے آ بیٹھی۔

''خوشخبری ہے بڑی زبردست......''

''کیا......؟''

''مجھے جاب مل گئی۔''

''اچھا...... کہاں؟''

''ویمن یونیورسٹی میں...... عارضی ہے مگر ریگولر ہوجائے گی۔ ایڈمن میں ہے اسپورٹس کو آرڈینیٹر...... ابھی میل پڑھ کے آرہی ہوں۔''

''ویمن یونیورسٹی...... یہ کیا بلا ہوتی ہے؟ مغل بادشاہوں کے دور میں عورتوں کا مینا بازار لگتا تھا اندر مرد کا داخلہ ممنوع ہوتا۔ سن کے ہنسی آتی ہے۔''

''واہ مما...... یہ کیا بات ہوئی خوش ہونے کی بجائے ویمن یونیورسٹی پر معترض ہوگئیں۔''

''ہے کہاں یہ یونیورسٹی؟ اتنی مشہور ہوتی تو پتہ ہوتا۔''

''ناہیدہ خالہ کے گھر کی طرف ہے۔'' نیرہ کو اب سمجھ آیا کہ یہ یونیورسٹی تو بہت پوش علاقے میں اور بہت بڑی یونیورسٹی ہے۔''

''تم ایسا کرنا ناہیدہ کے ہاں رہ جانا...... یہاں سے خاصی دور ہے۔ تین گھنٹے آنے جانے میں لگیں گے۔'' جاب کا بس یہی ایک پہلو نیرہ بی کو خوش کن لگا۔

ناہیدہ خالہ دولت مند تھی۔ حلیہ اور طرز زندگی موڈرن اپنا رکھی تھی۔ محسن خالو اُس کے اشاروں پر

ناچتا۔ نیرہ بی اپنے شوہر کو کبھی اشاروں پر نہ نچا سکی۔
شادی کے چار سال بعد وہ جرمنی گیا تو واپس ہی نہ آیا طلاق نامہ آ گیا۔ بصورت طلاق ادا کردہ رقم سے چھ مرلہ کا بنا گھر خرید لیا گیا۔ بینک میں گریڈ ون پر جاب تھی۔ گزر بسر میں کوئی رکاوٹ نہ آئی۔ نیرہ بی چاہتی تھیں کہ اُس کی بیٹی دنیا سے تیز چلے وہ ناہیدہ کی طرح کامران ہو، شوہر کو تابع رکھے۔ اُس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ خود منتخب کردہ سے شادی کرے مگر نیرہ کو اس ضمن میں مناہل ناکام اور سست دکھائی دے رہی تھی۔
ویمن یونیورسٹی کے نام پر اسے چڑچڑے پن کے دورے پڑنے لگتے۔ وہاں تو کرکٹ ٹیم بھی چوڑا دوپٹہ اوڑھ کے کھیلتی ہو گی۔ مرد تو قدم نہیں رکھ سکتے ہوں گے۔ لڑکیوں کو پڑھانے والی خواتین انہیں 'ڈیئر اسٹوڈنٹس' کی بجائے 'معزز خواتین' کہہ کر لیکچر دیتی ہوں گی۔ مالی، چوکیدار، قاصد، کیا معلوم سکیورٹی گارڈ بھی عورتیں ہوں...... مناہل تیرا اللہ ہی حافظ۔
مناہل نے جوائن کر لیا اور ناہیدہ خالہ کے ہاں شفٹ ہو گئی۔ میا کو یہ فیصلہ ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ گھر اور بھی خالی لگنے لگا تھا۔
''مناہل...... وہاں کیوں پڑی ہے۔ بی بی! اُس کا جوان شوہر ہے۔'' میا اسی طرح پوری تملیک سے بات کرتی تھیں۔
''بھانجی ہے وہ ناہیدہ کی...... آپ پلیز سو سال پہلے والی سوچ سے نکل آئیں۔'' نیرہ نے بالوں میں کیچر لگایا۔ لوشن کی شیشی کھولی۔ وہ بینک جانے کی تیاری کر رہی تھی۔
''سو سال پہلے انسان برا تھا اب فرشتہ ہو گیا ہے۔'' میا موڑھے پر بیٹھی نیل کٹر سے ناخن تراش رہی تھیں۔
ڈیلی کے اکیلے آنے جانے سے بہتر ہے کہ خالہ کے گھر رہ لے۔''
میا نے جی میں سوچا حرج تو کوئی نہ ہوتا اگر خالہ میرا 'ویلا' نہ ہوتی۔ مناہل ویک اینڈ پر آئی۔ ناہیدہ کا ڈرائیور چھوڑ گیا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو موبائل پر میسج کرتی آ رہی تھی۔ میا کی نظر پڑی خوشی سے کھل اٹھی۔ نیرہ بی ابھی بینک سے نہیں لوٹی تھی۔ وہ وہیں لاؤنج میں میا کے پاس بیٹھ رہی۔ ناہیدہ خالہ کی باتیں، اُن کے ہاں ہر شام مہمانوں کی آمد، ہر شام گیدرنگ، پارٹیز، آؤٹنگ، دن بھر سونا اور رات کی سی کیفیت...... دردانہ شعوانہ (اُس کی بچیاں) کے نخرے، برانڈڈ ڈریس پہننا، مہنگے ترین شوق...... میا کی سماعتیں آباد ہو گئیں۔
اٹھتے اٹھتے رات کے کھانے پر ویجی ٹیبل پلاؤ کی خواہش کا اظہار بھی کر دیا۔ مناہل نے مسکرا کر حامی بھر لی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر آئی۔ موبائل بھول گئی تھی میا بے عنوان سوچ میں پڑ گئی۔ موبائل اتنا مصروف پہلے تو کبھی نہ ہوتا تھا۔ کوئی نہ کوئی تبدیلی تھی جو آ رہی تھی۔
اب رات ہو چکی تھی۔ مناہل ڈنر کی تیاری کر رہی تھی۔ میا کچن میں فرج سے پانی کی بوتل لینے آئیں۔ مناہل کا موبائل چمک رہا تھا۔ مناہل تو جہاں بھی ہوتی اُس کے موبائل پر میسج ٹون اُس کی موجودگی کا پتہ دیتی تھی۔ اب دیکھو اس کی آواز بند کر دی۔ میا کو طرح طرح کے وسوسے آنے لگے۔
ناہیدہ کے ہاں بھانت بھانت کے لوگوں سے ملنا جلنا ہو گا۔ عادات پر اثر تو پڑے گا۔ رات کو ڈائننگ ٹیبل پر میا نے اپنے بے نام خدشات کو زبان دینا چاہی۔ دوستی کے نام پر فریب کا ذکر کرنا چاہا۔ مگر نیرہ بی ہر نصیحت پر ہنس کر اس کی سنجیدگی کو زائل کر دیتی، کچھ حاصل نہ ہوا۔ میا بیچاری اُداس ہو کر سوچنے لگی اسے ہی مناہل کا رشتہ تلاش کرنے میں مدد کرنا چاہیے۔
کالونی میں کسی کے ہاں محفل میلاد تھی۔ میا محفل سے واپس آئیں تو نیرہ بی کو لاؤنج کی میز پر خاموش

بیٹھا پایا۔ وہ پرس رکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔
''تو آپ دفتر سے آ گئیں۔''
''ہاں ......'' آواز میں تھکاوٹ تھی۔
''جلدی آ گئیں ...... خیر تو ہے ...... میں تو گیٹ کی چابی لے کر گئی تھی۔'' پھر میا پانی کا گلاس بھر کر سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔
''کوئی مسئلہ ہے کیا؟ چپ چپ سی ہو۔''
نیرہ بی میں کچھ ہل جل پیدا ہوئی صوفے کے کشن کو یونہی اُٹھا کر اِدھر اُدھر کرتے ہوئے بولی۔
''بس جلدی آ گئی۔ سر میں درد تھا۔ کولیگ کی بیٹی کی شادی تھی سب ادھر جا رہے تھے۔ میں نے معذرت کرلی۔''
''سر میں درد ہے؟ ذرا لیٹ جاؤ ...... چائے بنا دوں میں؟'' دونوں میں نوک جھونک تُو تکرار کے باوجود حقیقی ہمدردی تھی۔
''اُن کی بیٹی خاصی خوبصورت تھی۔ جس سے شادی ہو رہی ہے اُس نے کہیں دیکھ کے پسند کیا تھا۔ اللہ بیٹیاں دے تو خوبصورت دے ...... ہر کوئی خوبصورت لڑکی مانگتا ہے۔''
''دل چھوٹا کرتی ہو اتنی معمولی باتوں پر۔ ہماری مناہل کسی سے کم نہیں ہے۔ میں نے اپنی سروس میں ہزاروں لڑکیاں دیکھی ہیں۔ اپنی دیکھ ریکھ کیئر سے سب ہی اچھی لگنے لگتی ہیں۔''
''میری بیٹی کو کوئی بڑا آفیسر پسند کیوں نہیں کرلیتا۔'' نیرہ کی مایوسی کم نہ ہوتی تھی میا کو غصہ آ گیا۔
''نیرہ ...... تم میں احساس کمتری ہے۔ اور اب یہ احساس کمتری اپنی بیٹی میں پیدا کرنا چاہتی ہو۔ اللہ پر بھروسہ رکھو عمر نہیں نکل گئی تمہاری بچی کی ......'' اللہ پیدا کرتا ہے تو جوڑ بھی بناتا ہے۔''
''آپ کا جوڑ کیوں نہ بنایا ...... پھر؟'' نیرہ کا یہ تیر نشانے پر لگا۔ میا تلملا کر بولیں۔
''مجھے چھوڑو ...... میری اچھی گزر گئی ...... باقی بھی گزر جائے گی۔''
میا پرس اُٹھا کر اپنے کمرے کو چلیں۔ مناہل کا اپنی ماں کے پاس فون آ گیا۔ وہ اس ویک اینڈ پر گھر نہیں آسکے گی ناہیدہ خالہ کے ہاں میوزیکل نائٹ اور سلیکٹڈ مشاعرہ ہے۔ اُس نے نہایت جوش سے بتایا کہ خالہ اُس کے لیے نیو ڈریس خرید لائی ہیں۔
نیرہ کا فون سن کر موڈ بحال ہو گیا۔ میا بھی کپڑے بدل کر وہی لاؤنج کے صوفے پر نیم دراز تھیں۔ نیرہ کی باتوں سے مناہل کی باتوں کا اندازہ کر چکی تھیں۔ اُن کی بھی کائنات یہی ماں بیٹی تھیں۔ نیرہ فون بند کر کے تفصیلات بتانے لگی۔
میا سوچتے ہوئے بولیں۔
''ناہیدہ کا کوئی دیور شیور نہیں ہے؟''
''کہاں ...... محسن بھائی اکلوتا ہے بے چارا۔'' (پتہ نہیں اس میں بے چارگی کیا تھی)
''اچھا اب میری بات سنو ...... مسز بشیر محمود کی میلاد میں بیگم ریحانہ گیلانی ملی تھی۔ اس کا بیٹا ہے عابد گیلانی ...... اے سی بنا ہے ...... اسسٹنٹ کمشنر ...... اچھی سی لڑکی کی تلاش میں ہیں۔ میں نے دعوت دی تھی۔ آئیں گی کسی دن ...... خیال رکھنا خاطر تواضع کا ...... مناہل کا ذکر بھی میں نے کر دیا تھا۔
نیرہ بی کو پہلی بار میا پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ ہائے بے چاری کتنی متفکر رہتی ہے یہ بھی میا کو جتنی تفصیلات معلوم تھیں بتانے لگیں۔
نیرہ ایکدم پرانے موڈ میں بدلتے ہوئے بولیں۔
''چھوڑو یار میا ...... ایسی ماؤں میں نخرہ بہت ہوتا ہے۔ ہاں اگر بیٹا پہلے سے اٹکا ہوا ہو تو ماؤں کے مزاج ٹھکانے رہتے ہیں۔''
''میں تو سمجھتی ہوں یہ سب نصیب کی بات ہے۔''
''انڈرسٹینڈنگ ہو جاتی ہے ناں لڑکے لڑکی کی ......''
نیرہ بے تکلفی سے میا کی ٹانگ پر ہاتھ مار کر بولیں۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

''یہ انڈرسٹینڈنگ ہوتی کیا ہے تم نے دیکھا ہوگا دفتر میں ایک بھی خاتون ملازم موجود ہو تو دفتر کا ماحول مہذب اور زبان پولشڈ ہو جاتی ہے۔ صنفِ مخالف کے ساتھ ایک بناوٹی سا رویہ ہونا فطری حیا بھی ہے۔ اس کے علاوہ جہاں دونوں اپنی اپنی محبت کو انتہا ثابت کرنا چاہتے ہیں وہاں اندر کا کھردرا پن، اکھڑ اپن یا بدلحاظی بدزبانی دبالی جاتی ہے۔ کوئی بھی انڈرسٹینڈنگ مکمل انڈرسٹینڈنگ نہیں ہوتی۔ بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ردِعمل جوابی سوچ کو جان تو خوب رہا ہوتا ہے مگر وہ اسے لبوں پر لا نہیں سکتا کیونکہ اس میں تعلق بگڑنے کا احتمال ہوتا ہے۔ اگر محبت محض اتنی ہی انڈرسٹینڈنگ ہے کہ دوسرا کون سا رنگ، مشروب، کھانا، گیت نغمہ پسند کرتا ہے تو یہ انڈرسٹینڈنگ تو ریل کے چھوٹے سے سفر کے ہمسفر منٹوں میں کر سکتے ہیں۔'' آج تو میا نے ساری باتیں گہری کیں۔

وہ کوئی ان پڑھ عورت تو نہیں تھی۔ نیرہ کی نفسیاتی گرہوں کو سمجھتی تھی۔ ناحاصل تمنائیں کس طرح اولاد میں شفٹ کی جاتی ہیں۔ ویسے ماں بیٹی میں آپس کا مکالمہ تو کم ہی ہوتا تھا۔ شاید یہ بھی عام بدنصیبی ہے کہ ہم جو کچھ سوچتے ہیں خواہ وہ کسی کے بھلے اور فلاح کا کیوں نہ ہو دوسروں تک کماحقہ پہنچاتے نہیں ہیں۔

مگر اس دن ماں بیٹی کی باتوں کی آوازیں کان پڑی تو میا ہمہ تن گوش ہوگئیں۔ آج کچھ گلے شکوے سوا تھے۔

''تم مجھ سے کچھ شیئر ہی نہیں کرتیں۔ حالانکہ میں فرینڈلی مدر رہی ہوں۔'' نیرہ کہہ رہی تھیں۔

''کیا شیئر کروں مما جانی...... آپ بھی جاب میں بزی...... میں بھی چھ دن بعد آتی ہوں۔''

''اب دیکھو اِدھر الماری میں کیا سر دیے کھڑی ہو۔ میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''لو...... اِدھر آگئی...... کیا بات کرنا چاہتی ہیں آپ؟''

''تمہارے لیے ایک پروپوزل ڈھونڈا ہے۔''

''ڈھونڈا ہے؟'' وہ ہنس پڑی۔

''یونہی سمجھ لو...... میا کی ملاقات ہوئی تھی اُن لوگوں سے...... محفل میلاد میں۔''

''مما...... پلیز پہلیاں نہ بجھوائیں۔ جلدی سے بتا ڈالیں۔''

''تمہارے دل میں کچھ...... ہو تو بتاؤ۔'' وہ اُلٹا سوال کرنے لگیں۔

''مجھے کیا پتہ مما وہ کون ہے کیا ہے؟''

''میں اس پروپوزل کی بات نہیں کر رہی...... سچ کہوں تو مجھے یقین نہیں آتا کہ تین سال تک تم میں کسی لڑکے نے دلچسپی نہ لی۔''

''مما...... لڑکوں کا دلچسپی لینا...... ایموشنل اینچور ہونا کوئی انوکھی بات نہیں...... انوکھی بات ایسوں کو میرا لفٹ نہ کرانا ہے۔ I Am Proud Of It۔''

''مناہل...... تم چھبیس سال کی ہوگئی ہو...... میری شادی کو اس عمر میں پانچ سال گزر چکے تھے۔ مگر میری شادی ناکام تھی۔ یہ والدین کے بھی والدین کی Pre Decided تھی۔ میں چھ ماہ کی بے بی تھی کہ مجھے لال فراک، لال شلوار اور لال چنریا اوڑھا کے ہاتھوں میں لال چوڑیاں ڈال کے پانچ سال کے چچازاد کمسن بچے کے عقد میں دے دیا گیا۔ اسے کچا نکاح کا نام دیا گیا۔ کچا نکاح وقت گزرنے کے ساتھ پکا تعلق نہ بن سکا۔ ہم دونوں میں ایک دوسرے کے لیے کوئی محبت پیدا نہ ہوئی...... بلکہ ہمارے ذوق اور انداز یکسر مختلف تھے۔ مگر پیدائشی منکوحہ تھے سو شادی ہوگئی۔ نتیجہ بھی تین سال میں سامنے آگیا۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تم اپنے لائف پارٹنر کا انتخاب خود کرو یہ حق Avail کرو۔''

مناہل کا چہرہ سنجیدہ تر ہو چلا تھا۔ وہ جیسے پہلی بار

ماں کی باطنی آواز کو پرکھ رہی تھی۔ وہ اُٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی پلٹ کر کہا۔

''مگر...... محبت تو اندھی ہوتی ہے...... اس میں جانچ کی Capability تلاش کرنا حماقت ہے۔ میا نے مجھے ایک بار کہا تھا مناہل بیٹی شادی بہت سوچ سمجھ کے کرنا۔

''لو جی...... اس میں میا کی کیا نصیحت...... جس انسان کو جس معاملے سے کبھی واسطہ نہ رہا ہو وہ اس کے بارے میں کیا نصیحت کرے گا۔''

اس دوران نیرہ فون پر آنے والی کال پر متوجہ ہوئی اور مناہل باہر چلی گئی مگر میا کا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا کیونکہ ماں بیٹی کی گفتگو وہ سن چکی تھیں۔ وہ چھٹی کا دن تو نہیں تھا مگر نیرہ بی کو زکام ٹمپریچر ہو رہا تھا۔ اس لیے وہ گھر پر تھیں۔ لاؤنج کے بڑے صوفے پر کمبل لپیٹے لیٹی تھیں۔ دن کے گیارہ بجے کا عمل تھا۔ نومبر کا اختتام اور سردی کی شروعات تھیں۔ میا کچن میں کھٹ پھٹ کر رہی تھیں۔ غالباً نیرہ کے لیے جوشاندے والی چائے تیار کر رہی تھیں انہیں مناہل کا نادانستہ انتظار بھی تھا۔

ٹرے میں دو کپ رکھ کر وہ لاؤنج میں آئیں۔ ٹرے میز پر رکھ کر لائٹ جلائی اور شفقت سے بولیں۔

''اٹھو نیرہ...... ہمت کرو...... میں دو تکیے لگا دیتی ہوں۔ گرم گرم دودھ پتی جوشاندہ مکس کیا ہے۔''

''جزاک اللہ...... مہربانی ہے آپ کی۔'' نیرہ نے کھنک کراہتے اٹھتے کہا۔ چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''میرے لیے فرشتہ رحمت بن کر آئی ہیں۔ اکیلی جان کا کون تھا کرنے والا......''

ابھی وہ یہ بات کر رہی تھیں کہ نچلا گیٹ کھلنے اور زینے پر کسی کے آنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پھر ان میں مناہل کی آواز نمایاں ہوئی میا کھل اٹھیں۔

''مناہل آ رہی ہے...... سیانے ٹھیک کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ابھی اسے ہی سوچ جا رہی تھی۔

''یہ مناہل باتیں کس سے کرتی آ رہی ہے؟ کیا ناہیدہ ساتھ ہے۔'' لاؤنج کے دروازے سے داخل ہوتی مناہل دکھائی دی۔

وہ باری باری مما اور میا کے سینے سے لگ کر ملی۔ مناہل کے پیچھے شلوار قمیض میں ملبوس اُدھیڑ عمر مرد اندر آ گیا تھا۔ دونوں خواتین کی سوالیہ نظریں اس پر تھیں...... مناہل نے مشکل حل کر دی۔

''مما...... یہ نواز علی مشعل ہیں...... بہت بڑے اور مشہور شاعر ہیں...... ناہیدہ خالہ کے ہاں محفل مشاعرہ میں ان سے ملاقات ہوئی...... میرے بھاگ کھل گئے۔

مشعل جی! یہ میری مما نیرہ بی ہیں...... اور یہ میری میا ہیں...... میں ان دونوں کی ڈھیروں باتیں آپ سے کر چکی ہوں۔''

مشعل صاحب نے (جو نیرہ بی کے ہم عمر تھے) ماتھے پر ہاتھ لے جا کر دونوں خواتین کو آداب کیا۔

میا نے 'تشریف رکھیے' کی دعوت دی۔ پھر چائے کے دو کپ کی جانب نگاہ پڑی تو کہا۔

''میں چائے لے آتی ہوں۔''

''میں بنا لاتی ہوں میا......'' مناہل اٹھنے ہی لگی تھی کہ میا نے روک دیا۔

''تم بیٹھو...... ماں سے باتیں کرو...... مشعل صاحب...... آپ بھی ایزی ہو جائیں۔ بس میں دو منٹ میں آئی۔

میا زیر لب مسکراتی کچن میں چلی گئیں۔ بسکٹ، سوہن حلوہ اور چائے کے لوازمات پر مشتمل ٹرے لیے واپس آئی تو سماں بدلا ہوا تھا۔ نیرہ بی کا چہرہ ابھی کچھ دیر پہلے والا پژمردہ تھکا ہوا نڈھال چہرہ نہ تھا۔ غصہ اُس پر اتنا واضح تھا کہ چھپتا نہ تھا۔ مناہل کی

طرف اشارہ کر کے وہ شاعر صاحب سے بولیں۔

''کتابت فرماتے ہیں آپ...... شادی شدہ بھی ہیں......اس عمر اس مقام کے ساتھ آپ میری بیٹی سے شادی کی درخواست لائے ہیں؟'' مناہل اسمارٹ اسٹائلش لڑکی بے فکری سے بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

شاعر صاحب کے چہرے پر توہین کیے جانے کے تاثرات ابھرے وہ ادبدا کے مناہل کو دیکھنے لگے،مناہل بولی۔

''مما...... آپ نے مجھے میری زندگی کا اہم انتخاب خود کرنے کا حق دیا تھا......دیا تھا ناں......!'' اور مما...... یاد ہوگا...... میں نے کہا تھا محبت اندھی ہوتی ہے آپ کو اعتراض کا کوئی حق نہیں مشعل صاحب کی توہین نہیں کرسکتیں۔ ان کا اپنے بچوں سے بھی اسی بات پر جھگڑا ہوا ہے یہ پہلے ہی اَپ سیٹ ہیں۔''

''بچے؟ شادی شدہ......'' نیرہ بی کمبل پھینک کر سیدھی ہو بیٹھیں۔

''جی...... ریحان سبحان کی والدہ مفلوج خاتون ہیں۔ بڑے والا ریحان تو شادی کر کے قطر چلا گیا۔ چھوٹا ہاسپٹل میں ہوتا ہے۔ بے چاری مفلوج عورت کی نگہبانی کرنے والا بھی کوئی نہیں۔'' مناہل کی تو آنکھوں پر ہمدردیوں کی پٹیاں بندھی تھیں۔

''تو اس بڑھاپے میں ان دونوں کو جوان ملازمہ چاہیے...... کتنی تنخواہ لوگی تم۔'' نیرہ کا لہجہ بے حد سخت تھا۔ مگر مناہل خوف زدہ ہوئے بغیر رطب اللسان رہی۔

''ٹی وی کے مشاعروں میں آتے ہیں...... زمانہ اِن کو پسند کرتا ہے......مگر......''

''مگر ہم اِن کو پسند کرتے ہیں۔''

''بتائیں ناں...... آپ کی کتنی کتابیں آچکی ہیں۔'' وہ جواباً محبت لٹاتا ہوا بولا۔

''چھ کتابیں......''

نیرہ کا یہ حال کہ کاٹو تو لہو نہیں...... دونوں ایک دوسرے کو محبت سے دیکھ دیکھ کر جان لٹا رہے ہیں۔ میا جو خاموش تماشائی بنی کھڑی تھیں۔ ایک دم حرکت میں آئیں۔ تالی بجاتی ہوئی آگے بڑھیں۔

''شاباش...... ویل ڈن مناہل......'' نیرہ نے تڑپ کر دیکھا اب یہ مجھ پر سو دُرے مارنے کو آئیں۔

''تم اتنی اچھی اداکاری کرلیتی ہو۔ مجھے اندازہ نہ تھا......بس اب اپنی ماں کا مزید امتحان نہ لو۔''

پھر وہ نیرہ بی کو شانے سے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے بولیں۔

''بیٹھ جاؤ نیرہ...... تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ اتنی ٹینشن مت لو۔'' مشعل صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''خواتین...... مجھے اجازت دیجیے...... میرا پارٹ مکمل ہوا...... نیرہ بی آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ میں نے یہ سب ان کی ہدایت پر کیا اور ہاں مناہل......میری کتابیں نیرہ بہن کو دے دیجیے گا۔''

''اصل ہدایت کارہ تو......'' مناہل میا کو شانے سے پکڑ کر تقریباً گھماتے ہوئے بولیں۔

''یہ ہیں۔''

''ارے ارے چھوڑ مجھے...... تجھے اب جلدی سے چائے کا انتظام کرنا ہے۔ کچھ ہی دیر میں ریحانہ گیلانی آنے والی ہیں۔ تمہیں وہ فیس بک پر دیکھ کر پسند کرچکی ہیں۔ علی عابد گیلانی نے بھی تمہیں پسند کرلیا ہے۔'' نیرہ کے چہرے پر رونق بحال ہوئی۔

مشعل صاحب نے جاتے ہوئے کہا۔

''میری چائے کسی خوشگوار ملاقات تک اُدھار رہی۔''

''حالانکہ سب سے خوشگوار ملاقات تو آج ہی ہوئی ہے۔'' نیرہ بی نے ہنس کر جواب دیا۔

مناہل نے اپنی مما کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور وہ سب ہنسنے لگے۔

☆☆......☆☆

مکمل ناول

سنبل

آنگن کی چڑیاں

''عجیب ہیں آپی بھی اپنے گھر والوں سے نہیں ملتیں اور پھوپو کے لیے بے چین ہوئی جاتی ہیں۔'' وہ بڑبڑائی۔ ''خیر میرے لیے کھانا میرے کمرے میں لے کر آؤ میں نہانے جارہی ہوں کھانا کھا کر سوؤں گی آپی کو بتا دینا۔'' اس نے کہا اور اوپر کی جانب......

''دیکھیے بابا سائیں! یہ ارمی اور اصفی بھیا نے ہماری ساری کتابیں نکال کر اسٹور میں ڈال دی ہیں حالانکہ وہ ہم نے اپنے کمرے میں ہی رکھی ہوئی تھیں۔'' سب سے چھوٹی علیشے نے سلطان احسن کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا اور پریشے کو پتہ تھا اس مقدمے کا کیا ہونا ہے؟'' اس لیے وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی مگر علیشے چھوٹی تھی۔ وہ ابھی ان باتوں سے ناواقف تھی سو......

'' یہ ارمی اور اصفی کیا ہے، اِن کے نام ارمغان اور اصفہان ہیں۔ اور جب نام ہی لے لیا تو بھیا بولنے کی ضرورت کیا ہے آئندہ سے اگر انہیں بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا نہ کہا تو پھر دیکھنا۔'' وہ اُسے لتاڑنے کے شوق میں اصل بات گول کر گئے۔

''مگر بابا سائیں! دونوں بھائیوں نے ہماری کتابیں اسٹور میں ڈال دی ہیں ہمارے کمرے سے نکال کر۔'' وہ روہانسی ہو کر منمنائی۔

''کون سا تمہارا کمرہ......'' انہوں نے کڑی نظروں سے علیشے کو دیکھا۔ ان دونوں کا کمرہ اور تم دونوں کا کمرہ دونوں تمہارے دونوں بھائیوں کے ہی ہیں۔ مجھے ویسے بھی تم دونوں کا قیام یہاں مختصر سے مختصر ہی رکھنا ہے۔ جیسے ہی رشتہ آئے گا اپنے گھر کا کردوں گا تم دونوں اس گھر میں مسافر ہو اور مسافروں کی طرح ہی قیام کرو ضرورت کی کتابیں استعمال کر کے اسٹور میں ہی رکھا کرو۔'' انہوں نے فیصلہ صادر کر دیا اور پریشے نے شکوہ کرتی نگاہ سے ماں کو دیکھا جنہوں نے نظریں چرالیں۔

''مگر بابا سائیں! اسٹور گھر کے پچھلے حصے میں ہے۔ وہاں بار بار......'' اُس کی بات درمیان میں ہی تھی۔

''بس مزید کوئی آرگومنٹ نہیں۔'' انہوں نے سخت لہجے میں کہا تو علیشے آنکھوں میں آنسو بھرے بھرے کچن میں چلی آئی اور آٹا گوندھتی پریشے کا دل چاہا کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنی اس چھوٹی بہن کو بتائے کہ خیالوں کی

دنیا سے نکل آئے اور حقیقت کے خارزاروں میں قدم رکھے پھر یہ بات کہ آنسو کبھی اُس کی آنکھوں سے نہیں نکلیں گے مگر مجبوری تھی اگر اگلے آدھے گھنٹے میں کھانا نہ نکلتا تو سلطان احسن نے اماں جان کے اگلے اور پچھلوں کی نسلیں کھنگال کر رکھ دینی تھیں سو یہ سب اُس نے کسی اور وقت کے لیے اُٹھا کر رکھ دیا تھا۔

☆......☆......☆

بات کچھ بھی نہیں تھی سلطان احسن اور عائشہ سلطان کے پانچ بچوں میں سے سب سے بڑی ورشیے کی شادی ہوچکی تھی باقی دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کے پاس ایک ایک کمرہ تھا۔ بیٹوں کا کمرہ مراعات کا منہ بولتا شاہکار تھا۔ 42 انچ ایل سی ڈی، ڈی وی ڈی، آئی پوڈ، سنگل، سنگل دو بیڈ سائیڈ ٹیبل کتابوں کے لیے ریکس اور دوستوں کے لیے صوفہ سیٹ اور صوفہ کم بیڈ، بے شمار سی ڈیز اور اُن کا کیا ہوا پھیلاوا جو روزانہ سمیٹنا تو ایک اور ہنگامہ روز تیار تھا تین پٹ کی الماری سے کپڑے ایسے نکالے جاتے کہ ہر ہفتے انہیں ترتیب دینا پڑتا۔

اور بیٹیوں کا کمرہ سادگی بلکہ کسمپرسی کا شاہکار ایک پرانا گھسا ہوا سنگل بیڈ اور ایک ٹیبل جس پر اُن کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں وہاں سے اصفہان اور ارمغان نے ان کی کتابیں ہٹا کر اپنا کمپیوٹر سیٹ کر دیا تھا اور اگر کبھی دوستوں کو کمپیوٹر پر بیٹھنا ہوتا تو اُن کو کمرہ بدر بھی کر دیا جاتا اور یہ بات علیشے کو بہت کھلتی تھی سو وہ شکایت لے کر بابا سائیں کے پاس گئی اور منہ کی کھا کر آئی۔ اپنے کپڑے وہ دونوں اماں جان کی الماری میں اُن کے کپڑوں کے ساتھ رکھتی تھیں۔

تو بات کچھ نہیں تھی بات صرف بیٹے اور بیٹیوں میں انصاف کی غیر منصفانہ فراہمی کی تھی آج جب لوگوں کے لیے بیٹے اور بیٹیوں میں کوئی فرق نہیں ہے سلطان احسن زمانہ جاہلیت میں زندہ تھے جسے 9th کلاس کی علیشے ذہنی طور پر قبول نہیں کر پارہی تھی اور پرشیے چاہتی تھی کہ وہ قبول کرلے کیونکہ اسی میں بہتری تھی عافیت تھی۔

عائشہ سلطان چاہتی تھیں کہ ابھی علیشے حقیقت سے واقف نہ ہو کہ اُن کا باپ بیٹیوں پر بیٹوں کو فوقیت دیتا ہے اُن کے لیے بیٹیوں کا استحصال کرتا ہے۔ مگر پرشیے چاہتی تھی کہ علیشے کو سب معلوم ہونا چاہیے۔

☆......☆......☆

''اماں جان! بابا سائیں ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں ہمارے ساتھ۔ وہ ہمیشہ ہماری درست شکایت پر بھی بھائیوں کا ہی ساتھ دیتے ہیں۔'' علیشے کی آنکھیں نم اور لہجہ بھیگا ہوا تھا عائشہ سلطان نے نظریں چرائیں۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے تمہیں لگا ہوگا ایسا۔'' انہوں نے نظریں چراتے ہوئے سامنے پڑے کپڑوں کی تہہ لگاتے خود کو معروف ظاہر کیا۔

''بس کردیں اماں بس...... معاف کردیں ہمیں...... ہمارا لڑکی ہونے کا گناہ معاف کردیں۔ مت کریں اس کے ساتھ ایسا۔ بتادیں اسے حقیقت ورنہ ورشیے آپی سے برا حشر ہوگا اس کا، کہیں کی نہیں رہے گی یہ۔ یہ خوابوں کی دنیا میں رہنے والی نازک لڑکی نفسیاتی یا پاگل ہو کر مرے گی۔'' بولتے بولتے وہ بے اختیار سسک اٹھی۔

''پرشیے آنے! کیا ہوا تھا ورشیے آپی کے ساتھ، اُن کی تو شادی ہوگئی ہے ناں! مگر وہ ہمارے گھر کیوں نہیں آتیں۔'' علیشے نے خاصی

خوفزدہ نظروں سے ماں کو دیکھا۔
''بتائیں کیا ہوا تھا ورشیے آپی کے ساتھ؟''
پرشیے نے ماں کو دیکھا تو انہوں نے آنکھوں میں آئی نمی کو بے دردی سے صاف کر کے سامنے تہہ کر کے رکھے کپڑے اٹھائے اور الماری کی جانب بڑھ گئیں۔
''کوئی نہیں بتائے گا تمہیں کہ ورشیے آپی کے ساتھ کیا ہوا تھا مگر میں ضرور بتاؤں گی۔ کیونکہ گڑیا میں تمہیں پاگل ہو کر مرنے نہیں دوں گی۔'' اُس نے آنکھوں کی نمی کو پونچھا اور علیشے کو گلے لگالیا۔

☆......☆......☆

اُس نے سلائس کے بڑے بڑے بائٹ لیتی اور تیزی سے سامنے رکھے نوٹس پر نظریں گھماتی شاہ لیزا کو دیکھا اور ایک گلاس میں اورنج جوس نکال کر اُس کے سامنے رکھا وہ دوسرے ہاتھ بڑے اضطرابی انداز میں بال پوائنٹ کو کھول بند کر رہی تھی۔
''شیلزے! کیوں اتنی مضطرب ہو تمہارا پیپر بہت اچھا ہوگا انشاء اللہ۔'' اُس نے اُسے تسلی دی وہ ہر سمسٹر میں اتنی ہی مضطرب ہوتی تھی۔ مگر تھی ذہین، پوزیشن لاتی تھی۔
''مجھے معلوم ہے۔'' بڑا اکھڑا توڑ جواب آیا، اور وہ چپ سی ہوگئی۔
''اچھا یہ جوس تو لے لو۔'' اُس نے دوبارہ کہا۔
''پلیز آپی! مجھے ڈکٹیٹ مت کیا کریں مجھے جو کرنا ہوگا خود کرلوں گی۔'' شیلزے کی جانب سے بڑا اکھڑا توڑ جواب آیا اور وہ مکمل طور پر خاموش ہو کر ایک کریم کا انتظار کرنے لگی۔ تب ہی شاہ لیزا ناشتہ کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اللہ حافظ۔'' اُس نے بغیر کسی کو مخاطب کیے کہا۔
''فی امان اللہ......!'' کہتے ہی اُس کی نظر اخبار کی جانب اٹھی اور اُس کے چہرے پر ناگواری اتر آئی۔
''شیلزے! تمہیں کتنی بار منع کیا ہے کہ اِس طرح ہر جگہ اپنا سائن مت کیا کرو کبھی بہت نقصان اٹھاؤ گی۔'' اُس کے لہجے میں غصہ تھا اور اُس کی بات سن کر تنتناتی ہوئی شیلزے مڑی۔
''آپی! آپ کو بھی کتنی مرتبہ منع کیا ہے کہ مجھے کہیں جاتے میں ٹوکا مت کریں میری ماں کو بہت کھلتی تھی یہ بات، اور دوسری بات آپ میری ماں کی جگہ ضرور لے چکی ہیں مگر میری ماں نہیں ہیں اس لیے مجھ پر روک ٹوک کم سے کم کیا کریں اور تیسری اور سب سے اہم بات کہ میرے ڈیڈ میں اور آپ کے گھر والوں میں بڑا فرق ہے۔ اگر مجھ پر کوئی آنچ آئی تو میرے ڈیڈ میرے ساتھ کھڑے ہوں گے۔'' وہ طنزیہ کہتی ہوئی مڑی۔
''اللہ تمہارے مان کو سلامت رکھے بلکہ ہر بیٹی کے مان کو سلامت رکھے۔'' وہ عجیب ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی اور شیلزے کے دل کو کچھ ہوا۔ اس نے اپنے سے صرف چار سال بڑی ورشیے آپی کو دیکھا جو کہ اُس کی سوتیلی ماں تھی۔ مگر اُس نے کبھی سوتیلا پن نہیں دکھایا تھا۔ مگر وہ خود اس سے اکثر روڈ ہو جاتی تھی۔
''سوری ورشیے آپی!'' اُس نے ندامت سے کہا۔
''اٹس اوکے۔'' ورشیے نے اُس کی شرمندگی دور کرنے کو مسکرا کر کہا تو وہ بھی جلدی سے اسمائل پاس کرتی باہر نکل گئی اور ورشیے نے سیڑھیاں اترتے ایک کریم کو دیکھا اور ڈائننگ ٹیبل دوبارہ

سے ترتیب دینے لگی۔

☆......☆......☆

''شیلزے! تمہارا پیپر کیسا ہوا۔'' حمیران نے اُس کے برابر میں چلتے ہوئے پوچھا۔

''ہمیشہ کی طرح بہت اچھا، حالانکہ ایک کالی بلی نے راستہ کاٹا تو تھا۔'' وہ شرارتی انداز میں بولی۔

''اوہ میم! آپ کی گرائمر بہت ویک ہے میں بلا تو ہوسکتا ہوں مگر بلی نہیں۔'' حمیران نے تپ کر کہا۔

''اچھا تو وہ تم تھے؟'' اُس نے بلیک جینز اور بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس حمیران کو دلچسپی سے دیکھا۔

''ظاہری بات ہے بلیک کیٹ کو کالا بلا ہی نظر آنا ہے۔'' اُسنے بھی اُس کے مکمل سیاہ لباس پر چوٹ کی۔

''چلو حساب برابر بدلہ لے لیا نہ...... اب چلو کچھ پیٹ پوجا ہو جائے یہ شرمین، مصطفیٰ علی اور مانو کہاں ہیں۔'' اسنے اپنی طرف سے بات ختم کردی۔

اور سامنے ہی وہ چاروں بیٹھے نظر آ گئے۔ جن میں سے مانو کی نظریں اُن ہی کی جانب اٹھی ہوئی تھیں اور اس کی سوچیں زہریلی ہو رہی تھیں۔ میم شاہ لیزا ایک یہ کوئی پوزیشن یا ٹرافی نہیں ہے نہ ہی حسن وخوبصورتی یہ میرا کزن ہے اور ہر بار اور ہر چیز کی طرح تم مجھ سے میرا کزن اور میری محبت نہیں چھین سکو گی۔ میں برباد کردوں گی تمہیں، تمہارے ساتھ وہ کروں گی کہ خود اپنا منہ چھپاتی پھرو گی خود سے بھی۔'' اور اس کی زہریلی سوچوں سے بے خبر شیلزے، حمیران کے ہمراہ ہنستی مسکراتی چلی آ رہی تھی اور ایک اور نظر بھی شیلزے پر اٹھی ہوئی تھی اور وہ اس نظر سے قطعی بے خبر تھی اور وہ نظر تھی حذیفہ احمر کی، حذیفہ احمر ورشیے کا پھوپی زاد کزن تھا۔ اور اسنے کئی بار شیلزے کو اس کے گھر میں دیکھا تھا اور یہاں یونیورسٹی میں بھی...... اور اسے پتہ ہی نہ چل سکا کہ کب وہ اس حسین اور معصوم لڑکی کا اسیر ہو چکا ہے۔

☆......☆......☆

''عائشہ! کہاں ہو تم؟'' سلطان احسن نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے آواز دی تو عائشہ اپنے کمرے سے فوراً نکل کر باہر آ گئیں۔

''السلام علیکم!'' انہوں نے آہستگی سے کہا۔

''وعلیکم السلام!'' انہوں نے جواب دیا۔

''دونوں لڑکیاں کہاں ہیں نظر نہیں آ رہیں۔'' احسن صاحب نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ اپنے بھائیوں کے کمرے میں ہیں۔''

اُن کی بات ابھی یہیں تھی کہ وہ تیزی سے بولے۔

''وہاں کیا کر رہی ہیں؟''

''وہ میں نے اصفہان اور ارمغان کی الماری درست کرنے کو اور کمرے کی صفائی کو کہا تھا۔'' دونوں بیٹے اُن کے یونیورسٹی کے ساتھ پاکستان ٹور پر گئے تھے۔

''ہنہ۔'' کہتے ہوئے وہ ایکدم سے کھڑے ہوئے اور تیزی سے آگے بڑھ کر انہوں نے بیٹیوں کے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ سامنے علیشے الماری درست کرتی نظر آئی اور پریشے کمرہ سمیٹتی اور نہایت دھیمی آواز میں کمرے میں اقبال بانو کا دشت تنہائی بج رہا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ کمرے میں تھے۔

''اوہ تو چھپ چھپ کر یہ کارنامے ہو رہے ہیں۔'' وہ دہاڑے۔

''کون سے کارنامے بابا؟'' علیشے کی نظریں حیرت سے جبکہ پرشیے کی نفرت سے اٹھیں۔

''یہ گناہ...... پتہ ہے گانے سننے والوں کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا قیامت کے دن۔'' وہ چیخے۔

''تو پھر باباسائیں...... بھائیوں کے تو آنکھوں ہی نہیں کانوں میں بھی سیسہ ڈلے گا وہ تو ٹی وی بھی دیکھتے ہیں، آپ انہیں منع......'' اور بات ابھی اُس کے منہ میں ہی تھی کہ احسن صاحب اڑتے ہوئے اُس تک آئے اور اس کے گال پر اتنا زوردار طمانچہ مارا کہ پانچوں انگلیاں اُس کے گالوں پر ابھر آئیں اور اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''میرے بیٹوں کا مقابلہ کرتی ہے میرے شیروں کا، میرے بازوؤں کا...... آئندہ ایسا کیا تو میں زمین کھود کر گاڑ دوں گا، نہیں چاہیے مجھے ایسی اولاد۔'' وہ غصے سے دھاڑے اور باہر نکل گئے اور پرشیے نے سسکتی ہوئی علیشے کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

''کیوں منہ لگتی ہو اُن کے کتنی بار کہا ہے کہ چپ ہو جایا کرو۔'' پرشیے کے لہجے میں غصہ تھا۔

''مگر آنے! یہ ناانصافی ہے جو بات ہمارے لیے غلط ہے وہ سب کے لیے غلط ہے یہ Grading کیسی ہے؟'' وہ سسکتے ہوئے بولی۔

''یہاں ایسا ہی ہے جو بات ہمارے لیے غلط ہے وہ اس گھر کے بیٹوں کے لیے درست ہے اور یہ بات تم ابھی سے سمجھ لو آگے کے لیے آسانی رہے گی۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''مگر آنے! بابا PHD ہیں 'اِن اسلامک ہسٹری' انہیں تو سب پتہ ہے پھر۔'' وہ آنسو پونچھ کر پوچھ بیٹھی۔ ''وہ تو یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔''

''تم نے سنا نہیں چراغ تلے اندھیرا، تو وہی مثال یہاں ہمارے گھر پر صادق آتی ہے، پوری دنیا کو انصاف اور اسلام پر لیکچر دینے والے کے اپنے ہی گھر میں انصاف اور اسلام نہیں ہے۔'' وہ استہزائیہ ہنسی اور باہر سے شور لحہ بہ لحہ بلند ہو رہا تھا۔

''جاہل عورت! یہ تربیت کی ہے تُو نے لڑکیوں کی مجھ سے منہ چلاتی ہیں۔'' اور اب اس جاہل عورت کی نسلوں کو کھنگالا جا رہا تھا۔

''تیرا تو پورا خاندان ہی......'' یہ جانے بغیر کہ جب عورت کہیں شادی ہو کر جاتی ہے تو وہ گھر اُس کا خاندان بنتا ہے وہ خود اُس کا شوہر اور اُس کے بچے......

☆......☆......☆

''السلام علیکم! ورشیے آپی کیسی ہیں آپ؟'' حذیفہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے رات کے کھانے کا مینیو خانساماں کو بتاتی ہوئی ورشیے سے کہا۔

''ارے وعلیکم السلام! میرا بھائی آیا ہے۔'' انہوں نے بڑے پیار سے جواب دیتے ہوئے خانساماں کو جانے کا اشارہ کیا اور حذیفہ کو لے کر اندر کی جانب لاؤنج کی جانب آ کر اسے وہیں لاؤنج میں بچھے صوفے پر بٹھایا۔

''اور سناؤ کیا حال ہے؟ اور پھوپی جان اور پھوپا صاحب کیسے ہیں، راحمہ، ارحمہ اور حمزہ کیسے ہیں؟'' اسنے ایک ہی سانس میں سب کو پوچھ ڈالا۔

''آپی دم تو لینے دیں۔ سب خیریت سے ہیں اور خوش باش ہیں اسی لیے یہاں موجود ہوں، ورنہ وہاں اُن کی کیئر کر رہا ہوتا۔'' اسنے فریش

انداز میں کہا۔
''چلو اللہ کا شکر ہے۔'' ورشیے نے لمبی سانس کھینچ کر اپنے اندر اتاری۔
'' اور آپی! بھائی صاحب کہاں اور کیسے ہیں؟'' اسنے پوچھا۔
''اللہ کا شکر ہے خیریت سے ہیں اور آفس سے نہیں آئے ہیں۔'' ورشیے نے کہا۔
''اور سناؤ، کیا لوگے چائے یا ڈرنک۔'' ورشیے نے پوچھا۔
'' جب تک چائے بنے گی تب تک کولڈ ڈرنک سے کام چلا لوں گا۔'' اسنے شرارت سے کہا۔
'' ویسے آپ کی لاڈلی کہاں ہے نظر نہیں آرہی؟'' اسنے انداز کو سرسری کر کے کہا۔
''میری لاڈلی سو رہی ہے، ویسے تمہاری دلچسپی بڑھتی نہیں جارہی ہے میری لاڈلی کے ساتھ۔'' اسنے حذیفہ کے کان پکڑتے ہوئے کہا۔
''ارے آپی! کان تو چھوڑیں، میری دلچسپی کی وجہ صرف اُس کا میرا یونیورسٹی فیلو ہونا ہے۔'' اسنے وضاحت دی تبھی اوپر سے اترتی شیلز نظر آئی اور ورشیے نے حذیفہ کا کان چھوڑ دیا اور وہ اُتر کر نیچے آ گئی۔
'' آپی! میں ذرا مانو کی طرف جارہی ہوں۔'' اسنے حذیفہ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔'' کب تک آؤ گی گڑیا؟'' ورشیے نے برسبیل پوچھا۔
''ظاہر ہے جب فارغ ہو جاؤں گی۔'' اسنے اپنے مخصوص لٹھ مار انداز میں کہا۔
''میرا مطلب تھا گڑیا کہ ڈنر تک آجاؤ تو ہم ڈنر پر تمہارا انتظار کریں۔'' ورشیے نے بات سنبھالی۔

''آپ انتظار مت کیجیے گا اگر میں وقت سے آ گئی تو گھر پر کرلوں گی ورنہ مانو کے ساتھ کرلوں گی۔'' وہ مصروف سے انداز میں کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔
''فی امان اللہ......'' ورشیے نے آواز لگائی۔
''بائے۔'' اسنے بھی فارمیلٹی نبھائی۔
'' آپی! خاصی بگڑی ہوئی ہے آپ کی لاڈلی۔'' اسنے گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر کہا۔
''بگڑی ہوئی نہیں لاڈلی ہے۔'' ورشیے نے محبت سے کہا۔
''چلیں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے آپی! آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' اسنے پوچھا۔
'' ہاں ہاں تمہیں کب سے ضرورت پڑ گئی میرے چھوٹے بھیا ان تکلفات کی۔'' ورشیے نے میڈ سے ٹرالی لی جس میں لوازمات کے ساتھ چائے اور کولڈ ڈرنک دونوں موجود تھے۔
'' آپی! آپ کبھی ماموں، مامی اور اپنے باقی گھر والوں کی بات نہیں کرتیں کبھی اُن کا پوچھتی نہیں۔ اُن سے ملتی بھی نہیں۔'' اس نے محتاط انداز میں ورشیے کو دیکھتے ہوئے کہا اور ورشیے کا چہرہ ایکدم پتھریلا ہو گیا۔
'' اس لیے کہ گھر اور گھر والے مان ہوتے ہیں وہ ٹوٹ جائیں تو سب ختم ہو جاتا ہے اور جب مجھے ان سب کی سب سے زیادہ ضرورت تھی صرف ایک مان کی، تب وہ سب میرے مخالف کھڑے ہوئے تھے آنکھوں میں بدگمانیوں کی دھند لیے۔'' اسنے کہتے ہوئے ایکدم بڑی بے دردی سے آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کیا۔
'' آپی! آپ معاف کر دیں انہیں، مامی اور پرشیے، علیشے آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔'' وہ

آہستگی سے بولا۔

"میں بھی انہیں بہت یاد کرتی ہوں۔ اور پرشیے اور علیشے کے لیے دعا گو بھی ہوں کہ بابا سائیں اُن دونوں کے ساتھ کوئی برا نہ کرسکیں۔ ایسا برا جیسا میرے ساتھ کیا تھا۔" وہ دکھ سے بولی۔

"ارے! چلو چھوڑو یہ ہم کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے تم کچھ لو ناں!" ورشیے نے بات پلٹ دی اور حذیفہ نے بھی بات کو موڑنا مناسب نہ سمجھا۔

"لے رہا ہوں آپی!" اسنے کباب لے کر اپنی پلیٹ میں ڈالا اور ساتھ ہی کچپ ایک سائیڈ پر ڈالا اور پودینے کی املی والی چٹنی اُٹھا کر پلیٹ میں ہی رکھ لی کافی دیر بیٹھے اور ہر چیز سے انصاف کرنے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا۔

"پھوپی جان اور پھوپا صاحب کو میرا سلام کہنا حذیفہ، اور کسی دن سب کو لے کر بھی آنا۔ میں بھی ملنے آؤں گی کسی دن اُن سے۔" حذیفہ جانے کو کھڑا ہوا تو ورشیے نے کہا۔

"ضرور آپی!" اسنے کہا اور باہر نکلتا ہوا چلا گیا۔ اور باہر نکلتے ہوئے حذیفہ کو دیکھ کر ورشیے نے سوچا۔

"معاف ہی تو نہیں کرسکتی میں اس گھر کے مکینوں کو، بہت بڑا قرض نکلتا ہے میرا جو وہ چاہیں بھی تو ساری زندگی نہیں اُتار سکتے۔" سوچتے سوچتے اسنے آنکھوں میں آئی نمی کو ہاتھوں سے پونچھا اور اندر کی راہ لی۔

☆......☆......☆

"ایک کریم ورشیے کے بابا سائیں کے دوست تھے۔ ان کے گھر شادی کے پندرہ سال بعد بیٹی ہوئی تھی اور جب وہ چودہ سال کی تھی۔ تو اُس کی ماں ہیپاٹائٹس سی سے انتقال کر گئیں۔

پندرہ سال بعد ملی ہوئی اولاد کو ایک کریم اور نورینہ ایک نے ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا اور پھر شیلزے ایک واقعی ہتھیلی کا چھالا بن گئی وہ دل کی بری نہیں تھی مگر نازک مزاجی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ذرا سی بھی خلاف مزاج بات اسے گوارہ نہیں تھی۔ اپنی ماں سے بہت محبت کرتی تھی لہٰذا ان کی جگہ ورشیے کو نہ دے سکی جو کہ اس سے صرف چار سال بڑی تھی۔ ایک کریم کے بہت کہنے پر بھی ورشیے کو اسنے مما کہہ کر نہ دیا بلکہ آپی کہنے لگی۔

نورینہ سے ایک کریم کی محبت کی شادی تھی اور انہوں نے ایک دوسرے کی رفاقت میں ایک بھرپور اور بڑا وقت ساتھ گزارا تھا نورینہ 29 سال تک اُن کی بیوی رہی تھیں۔ اب شادی میں اُن کے لیے وہ چارم نہیں تھا جو نوجوان لڑکے لڑکیوں میں ہوتا ہے۔ وہ...... وہ وقت گزار چکے تھے اور جب اُن کی 18 سالہ ورشیے سے شادی ہوئی تو وہ 54 سال کے تھے۔ وہ امنگوں بھری لڑکی یہاں آئی تو اُس کے سامنے ایک سرد اور جذبات کے حوالے سے ٹھہرا ہوا مرد تھا۔ اس کے جذبات اس کی پہلی بیوی کے ساتھ مر چکے تھے۔ یہ لڑکی اس مرد کی محبت نہیں ضرورت تھی اس گھر کی اس کی بچی کی اور اس کی ضرورت اور صرف ضرورت......

انہیں نورینہ کے بعد اس گھر کے لیے ایک عورت کی ضرورت تھی اور اسی لیے انہوں نے سلطان احسن سے اپنے نکاح ثانی کی بات کی تھی۔ مگر انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کے لیے اپنی ہی کم سن بیٹی کا پروپوزل اتنی التجا سے ان کے حضور پیش کریں گے کہ وہ انکار بھی نہ کرسکے۔

وہ اتنی کم سن لڑکی کو بیوی بتانے ہوئے

تحفظات کا شکار تھے مگر ورشیے نے اس گھر ان کی بیٹی اور انہیں اس طرح سنبھالا کہ وہ دل سے اس کے شکر گزار تھے گو کہ شیلزے اس سے کافی روڈلی بات کرتی تھی مگر وہ درگزر تی تھی اور شیلزے سے محبت بھی کرتی تھی۔ اور محبت بذات خود اپنا آپ منوالیتی ہے سو شیلزے اکثر اس سے بدتمیزی کر کے نادم ہوتی تھی۔

انہوں نے پچھلے چھ سالوں میں اسے کبھی سلطان احسن کے گھر جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ یہی حال اُن لوگوں کا بھی تھا وہاں سے بھی کوئی یہاں نہیں آتا تھا ہاں وہ اپنی پھوپی سے ملتی تھی۔ مگر انہوں نے کبھی ٹوہ یا کریدنے کی کوشش نہیں کی یہ اُس کا ذاتی معاملہ تھا اسے یہاں ہر چیز کی آزادی تھی۔ کھلا پیسہ تھا شاپنگ کی کسی بھی جگہ آنے جانے کی مگر اس کی دنیا محدود تھی محدود ہی رہی وہ سلطان احسن سے اب بھی ملتے تھے۔

☆......☆......☆

''مانو! کیا کر رہی ہو؟'' مانو سے چھوٹی رانو نے اسے ایک دستخط بار بار کرتے دیکھ کر پوچھا۔

''اس سائن کی پریکٹس کر رہی ہوں۔'' اسنے سامنے اوپر میگزین پر ہوئے دستخط ایک لیٹر ہیڈ کے پیج پر کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کس کے سائن ہیں؟'' رانو نے دوبارہ پوچھا۔

''شیلزے کے......'' اسنے مختصراً کہا۔

''مگر آپ ان کی پریکٹس کیوں کر رہی ہیں کیا وہ آپ کو اپنی چیک بک دینے والی ہیں۔'' رانو نے شرارت سے پوچھا۔

''چیک بک تو نہیں...... ہاں اسنے میرا کچھ سامان اپنے پاس رکھ چھوڑا ہے وہ اس سائن سے واپس لینا ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر بڑی شیطانی مسکراہٹ تھی۔

''اور تم سامنے والے کا سامان اس کے پاس نہ چھوڑو، کجا کہ اپنا۔'' رانو نے بھی قہقہہ لگایا اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر دیر تک ہنستی رہیں۔

☆......☆......☆

''آنے! ورشیے آپی کے بارے میں بتائیں۔ وہ کیسی تھیں؟'' علیشے ان دونوں کے مشترکہ کمرے میں پرشے کی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ ان سب بہن بھائیوں میں دو دو سال کا فرق تھا سب سے بڑی ورشیے اس سے دو سال چھوٹا اصفہان اس سے دو سال چھوٹا ارمغان اور ارمغان سے دو سال چھوٹی پرشیے اس طرح ورشیے اور پرشیے میں پورے چھ سال کا فرق تھا۔ اور پھر سب سے چھوٹی علیشے تھی۔ اس طرح ورشیے کی شادی کے وقت پرشیے اور علیشے 10 اور بارہ سال کی تھیں۔ علیشے شروع سے ہی لاپروا اور لاأبالی طبیعت کی تھی مگر پرشیے بہت کم عمری سے حساس تھی۔ اسی وجہ سے بہت کم عمر ہونے کے باوجود بھی وہ اس درد سے واقف تھی جو ورشیے نے برداشت کیا تھا اس دکھ کو پوری طرح محسوس کیا جو ورشیے نے اپنے اوپر سہا تھا اس کی آنکھوں کی بے یقینی اس کے چہرے پر پھیلے کرب کی وہ گواہ تھی جو اسے اس کے گھر والوں کی دین تھے۔

''علیشے گڑیا! ورشیے آپی سب سے زیادہ پیاری سب سے زیادہ خوبصورت تھیں اس گھر میں۔ سب سے زیادہ ذہین تھیں ہر کلاس میں پوزیشن لیتی تھیں۔ مگر بابا نے کبھی اُن کی تعریف نہیں کی مگر انہیں فکر نہیں تھی وہ کہا کرتی تھیں کہ وہ سی ایس ایس کا اگزام دیں گی اور وہ بابا کو بتادیں گی کہ وہ بابا کے دونوں بیٹوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ جبکہ بابا نے دونوں بیٹوں کو بہترین

ٹیوٹر لگوا کر دیے ہوئے تھے مگر پھر بھی وہ ایوریج اسٹوڈنٹ تھے۔ مگر آپی آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ تھیں اور پھر اسی گھر میں انہیں اُن کی بے گناہی کی سزا دی گئی۔ اُن سے اُن کا مان، اُن کی عزتِ نفس اُن کا اپنی ذات پر اعتماد سب کچھ چھین لیا گیا کتنی بے یقینی تھی اُن کی آنکھوں میں جب وہ سب کے چہروں کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھیں۔ اماں تو نہ تین میں نہ تیرہ میں بھائی دونوں نے بنائے بابا سائیں اور جب اماں کی کوئی حیثیت نہیں تو ہم کیا تھے اور پھر انہیں سنگسار کر دیا گیا۔'' وہ بہت دکھ سے بول رہی تھی۔

''سنگسار مگر اُن کی تو شادی ہوگئی تھی۔'' علیشے نے معصومیت سے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

''ہاں لوگوں کی نظر میں وہ شادی ہی تھی ایک 18 سالہ لڑکی کی اپنے سے 36 سال بڑے مرد سے شادی۔ ایک انکل بابا کے دوست تھے اور عمر میں بابا سے بھی چار چھ سال بڑے تھے۔ آپی انہیں انکل کہتی تھیں۔ اور انہی انکل کو اُن کا شوہر بنا دیا گیا۔ اور آپی نے ابھی نوجوانی سے جوانی میں قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ اُن کو بڑھاپے میں دھکیل دیا گیا وہ ان دنوں بہت روتی تھیں پھر جب اُن کی شادی ہوگئی وہ دن ہے اور آج کا دن ہے چھ سال ہوگئے انہوں نے یہاں قدم نہیں رکھا ہاں ایک انکل کبھی کبھار بابا سے ملنے آجاتے ہیں۔'' وہ ہولے ہولے بتا رہی تھی۔

''آنے! بابا کی عمر سے بھی بڑے تھے تو اُن کی شادی کیوں نہیں ہوئی تھی۔'' علیشے نے بھولے پن سے کہا تو پرشے استہزائیہ ہنسی۔

''شادی...... ایک عدد بیوی بھگتا چکے تھے موصوف...... اور شادی کے پندرہ سال بعد اُن کے ہاں بیٹی ہوئی تھی۔ جو کہ آپی سے شادی کے وقت 14 سال کی تھی۔'' اس وقت اس کے چہرے پر بڑی تلخ مسکراہٹ تھی۔

''یعنی آپ سے بھی بڑی۔'' وہ حیرت کی زیادتی سے چیخی۔

''ہاں مجھ سے بھی دو سال بڑی۔'' اسنے اسی تلخی سے کہا اور علیشے کے چہرے کی حیرت بڑھ گئی اسنے ہاتھ اُٹھا کر ہونٹوں پر رکھ دیا۔

''اسی لیے کہتی ہوں خوابوں کی دنیا سے نکل آؤ حقیقت بڑی تلخ ہے بابا سائیں کو سمجھو۔ ذرا سی بھی لغزش پر ہمارے ساتھ بھی بابا نے کم و بیش ایسا ہی یا اس سے بھی برا کرنا ہے۔'' وہ بہت تلخ ہو رہی تھی اس وقت......

''مگر آنے! آپی سے ایسا کیا ہوا تھا؟'' علیشے نے پوچھا۔

''جرم بے گناہی، جرم بے گناہی بجھتی ہوا اُن کا جرم اُن کی بے گناہی تھا۔ اُن کا جرم اُن کا کچھ نہ کرنا تھا اور جس کا جرم تھا اسے کوئی سزا نہ ملی اور جسے ملی وہ بے گناہ تھی۔'' اسنے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ تبھی باہر سے اماں کی آواز آئی۔

''پری! آ کر روٹی ڈال لو تمہارے بابا کے آنے کا ٹائم ہو رہا ہے۔''

''چلو صدرِ پاکستان کے آنے کا ٹائم ہو رہا ہے اپنے تمام کام چھوڑ کر اُن کی خدمت پر معمور ہو جاؤ۔'' وہ کرب سے کہتی ہوئی اُٹھ گئی مگر اس دن بابا اکیلے نہیں ائے اُن کے ساتھ اسامہ شیرازی بھی تھا۔ جس کا لباس ہی اُس کی کلاس کا پتہ بتا رہا تھا اور جو اتنا بے نیاز تھا کہ اُس کی ایک نظر بھی دروازے کھولنے والی پرشے کی جانب نہیں اُٹھی تھی۔ جو بابا سائیں کی شخصیت اور اُن کی گفتگو سے متاثر ہو کر اسلام کے راستے پر چلا تھا۔

☆......☆......☆

''شیلزے! اسٹوڈنٹس ویک میں فینسی ڈریس شو ہو رہا ہے Traditional Dresses کا، میں بھی حصہ لے رہی ہوں تم کیوں نہیں لیتیں۔'' مانو نے Dew کے Sip لیتی شیلزے سے کہا۔

''اچھا تم بھی حصہ لے رہی ہو تم کیا پہن رہی ہو؟'' اسنے لاپرواہی سے پوچھا۔

''میں انارکلی فراک چوڑی دار پاجامہ اور بڑے سے دوپٹے میں آؤں گی جناب...... اور آپ کس ڈریس میں حصہ لیں گی۔'' مانو نے اس کے سامنے رکھی ڈسپوزیبل پلیٹ سے فرنچ فرائز لے کر منہ میں ڈالے اور کولڈ ڈرنک کے لیے ہاتھ بڑھایا جو کہ شیلزے نے فوراً اُسے تھمادی۔

''ابھی سوچا نہیں، کیا پتہ حصہ لوں یا نہ لوں ویسے بھی کافی چیزوں میں پہلے ہی حصہ لیے ہوا ہے۔لوگ بور ہو جائیں گے مجھے دیکھ دیکھ کر۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''کوئی بور نہیں ہوتا، اور آپ حصہ لے رہی ہیں اور وہ بھی برائیڈل ڈریس میں کیونکہ آپ افورڈ کر سکتی ہیں۔'' مانو کے لہجے میں عجیب سی تلخی سی اتر آئی۔

''ارے! ڈیئر افورڈ کرنے کی کیا بات ہے اگر تمہیں برائیڈل ڈریس میں حصہ لینا ہے تو بندی حاضر ہے جس بوتیک سے جس ڈیزائنر سے کہو گی میں تمہیں ڈریس بنوا کر دوں گی۔'' شیلزے نے کھلے دل سے کہا۔

''نہیں مجھے صدقے خیرات کی ضرورت نہیں ہے بس برائیڈل ڈریس میں، میں تمہارا نام لکھوا رہی اور تم نے Participate کرنا ہے۔'' مانو قطعی انداز میں بولی۔

''تم مجھے ایسا سمجھتی ہو مانو! میں تمہیں صدقہ خیرات دوں گی۔'' شیلزے کو حقیقتاً دکھ ہوا تھا۔

''پتہ نہیں کیوں شیلزے! مجھے یہ ہمدردی، ترس، مدد ان تمام جذبوں سے چڑ ہے جو ہو وہ میرا ہو، مجھے کسی سے مدد نہ لینا پڑے مانگنا نہ پڑے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

''اوکے! آئی ایم سوری اگر تمہیں میری بات سے دکھ پہنچا ہے تو آئی ایم ویری ویری سوری۔'' شیلزے نے مانو کا ہاتھ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''اور تمہیں معافی اسی صورت مل سکتی ہے۔ جب تم فینسی ڈریس شو میں حصہ لو گی۔'' مانو کی سوئی ابھی تک وہیں پھنسی ہوئی تھی۔

''اچھا بابا اوکے۔'' اس نے ہار مان لی۔

''اور ڈریس ڈیپ ریڈ کلر کا ہونا چاہیے۔'' ایک اور فرمائش حاضر تھی۔

''اچھا بابا اچھا۔'' اسنے کہا اور فرنچ فرائز کیچپ اور ہری چٹنی میں ڈبو ڈبو کر کھانے لگی۔

☆......☆......☆

ڈور بیل کب سے بج رہی تھی پریشے نے اُکتا کر دیکھا شاید اماں نہا رہی ہیں اور علیشے اس کے ساتھ ہی پڑی بے خبر سو رہی تھی وہ اُٹھ کر دروازے پر آئی۔

''کون ہے؟'' اسنے گیٹ کھولے بغیر پوچھا۔

''میں ہوں اسامہ شیرازی۔ احسن صاحب گھر پر ہیں۔'' باہر سے بڑے مہذب انداز میں پوچھا گیا۔

''جی وہ تو نہیں ہیں ابھی آئے نہیں ہیں مگر آپ کو انتظار کرنا ہو تو میں ڈرائنگ روم کھول دیتی ہوں۔'' اسنے اندر سے ہی پوچھا۔

''نہیں میں پھر کسی وقت آجاؤں گا۔'' کہہ کر وہ واپس مڑ گیا اور اپنی لینڈ کروزر میں بیٹھ کر اسے

اسٹارٹ کیا اور واپسی کے لیے مڑ گیا مین روڈ سے اپنی کرولا گھر والی سائیڈ پر موڑتے ہوئے احسن صاحب نے اسامہ کی لینڈ کروزر کو دیکھا۔ گھر واپس آ کر انہوں نے سب سے پہلا سوال عائشہ سے یہی کیا۔

''کون آیا تھا؟'' انہوں نے نماز کے سے انداز میں دوپٹہ باندھے بیوی کو دیکھا جو انہوں نے نہا کر باندھا تھا کہ احسن صاحب کو گیلے بال ناپسند تھے۔

''کوئی نہیں۔'' انہوں نے کہا وہ بے خبر تھیں۔

''اچھ...... چھا......'' ان کی اچھا کافی معنی خیز تھی پریشے نے چونک کر انہیں سر اٹھا کر دیکھا اور سمجھ گئی کہ وہ اسامہ شیرازی کو دیکھ چکے ہیں۔

''وہ بابا سائیں! کوئی اسامہ شیرازی آئے تھے آپ کا پوچھ رہے تھے۔'' اسے آہستہ سے کہا۔

''اور یہ بات اس عورت کو معلوم نہیں ہے۔ بڑی اچھی دیکھ ریکھ کر رہی ہے یہ عورت تم دونوں کی بڑی اچھی تربیت کر رہی ہے۔ اری بدبخت خدا کے آگے جوابدہ ہے تو ان کی تربیت کے سلسلے میں، مگر تو نے انہیں جیسا کھلا چھوڑ رکھا ہے لگتا ہے کہ یہ ورشیے سے بھی بڑا چاند چڑھائیں گی۔'' سلطان احسن زہر خند لہجے میں بولے۔

''بابا! اماں نہا رہی تھیں اس لیے مجھے مجبوراً جانا پڑا۔ اور رہیں ورشیے آپی سنگسار تو کر چکے ہیں آپ انہیں اب تو اس لاش کا پیچھا چھوڑیں۔'' وہ بے خوف لہجے میں باپ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی اور احسن صاحب اس کی آنکھوں کی بغاوت سے ٹھٹکے اور دوسرے ہی لمحے انہوں نے آگے بڑھ کر اُس کی دراز اور موٹی چوٹی ہاتھ میں جکڑ لی۔

''اسے میں نے سنگسار کیا ہے وہ لاش بن گئی ہے۔'' انہوں نے اس کے بالوں کو جھٹکا دیا تو اس کے لبوں سے سسکاری نکلی۔

''ہاں آپ نے سنگسار کیا ہے لاش ہیں وہ ورنہ کبھی تو یہاں آتیں؟'' وہ اسی بے خوفی سے بولی۔

''اُس کے کارنامے نہیں دیکھے تھے، شکر کرو عزت سے اپنے گھر بیٹھی ہے۔'' وہ تنفر سے بولے۔

''وہ کارنامہ اُن کا تھا ہی نہیں جس کا کارنامہ تھا اس کی گردن پکڑتے، اور عزت سے بیٹھنے کی بھی خوب کہی آپ نے بابا، اپنے باپ سے بڑی عمر کے شخص کے ساتھ جسے وہ انکل کہتی تھیں، واہ کیا عزت ہے۔'' آج پتہ نہیں اس پر کون سا جن چڑھا تھا کہ وہ باپ سے قطعی خوفزدہ نہیں تھی۔ عائشہ نے خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تو کون سا غیر شرعی کام کیا ہے، مذہب میں منع تو نہیں ہے ناں!'' اب اُن کا لہجہ بدل کر استہزائیہ ہو گیا اور انہوں نے ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑے اور وہ لڑکھڑا کر صوفے پر گری۔

''غیر شرعی اور غیر مذہبی نہیں ہے مگر ہمارے مذہب میں بھی اتنی ناانصافی نہیں ہے کہ ایک بچی کو ایک بوڑھے کے حرم میں دے دیا جائے۔'' وہ اسی سابقہ انداز میں بولی۔

''کیوں حضور اکرمؐ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مثال تمہارے سامنے نہیں ہے۔'' حسبِ معمول انہوں نے اسلامک ہسٹری کو اپنے مفاد میں استعمال کیا۔

''حضرت عائشہؓ رخصتی کے وقت بالغ تھیں اور اُن کا حضور اکرمؐ سے اتنا بڑا فرق نہیں تھا جتنا

کچھ کتابوں میں حضور کو بدنام کرنے کے لیے بتایا جاتا ہے اور حضور اکرمؐ کی تمام شادیوں میں یہ واحد شادی تھی جس میں حضور اکرمؐ کی پسندیدگی شامل تھی۔ جبکہ جس شخص سے آپ نے آپی کی شادی کی اسے عورت کی نہیں ایک گورنس کی اپنی بچی کے لیے ایک کیئر ٹیکر کی اپنے لیے اور ایک ملازمہ کی گھر کے لیے ضرورت تھی۔ اس شخص کو بیوی کی ضرورت ہی کہاں تھی۔ پسندیدگی تو بہت دور کی بات ہے اور مثال دیتے ہیں آپ حضرت عائشہؓ اور حضور اکرمؐ کی استغفیر اللہ وہ اُن کی پسند تھیں محبت تھیں۔'' وہ آخر میں تلخی سے بولی۔

''اُن کی مجبوری یا زبردستی مسلط کی ہوئی عورت نہیں تھیں۔''

''عائشہ! یہ لڑکی میرے ہاتھوں سے قتل ہو جائے گی اسے اپنی زبان میں سمجھالو ورنہ اس کے ساتھ تو میں ورشیے سے بھی زیادہ برا کروں گا۔'' وہ جلبلا کر بولے اور عائشہ میں جان پڑ گئی جو سن سی اُن دونوں کی گفتگو سن رہی تھیں۔

''پرشیے! اندر چلو اب اگر تمہاری زبان سے کچھ نکلا تو میں تمہاری زبان کاٹ دوں گی۔'' وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اُن دونوں بہنوں کے مشترکہ کمرے میں لے آئیں۔

''اماں! ہاتھ چھوڑیں میرا...... آپ کی ہی کمزوری ہے یہ شوہر کو خدا بنا کر رکھ چھوڑا ہے۔ وہ اچھا کرے یا برا کچھ بولنا ہی نہیں ہے۔ 'پی ایچ ڈی اِن اسلامک ہسٹری' اور یہ کفریہ بات اُن کے منہ سے سن لو۔ مذہب کو مذاق بنا دیا ہے جہاں دلائل کمزور پڑ جائیں وہیں اُس کا رخ مذہب کی طرف موڑ دو۔ آپ کو بولنا چاہیے تھا اماں۔ جب ورشیے آپی پر ظلم توڑا جا رہا تھا۔ بابا زیادہ سے زیادہ کیا کر لیتے۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''طلاق دے دیتے۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں۔

''تو۔'' وہ مزید چڑ کر بولی۔

''طلاق حلال چیزوں میں خدا کی سب سے ناپسندیدہ چیز ہے۔'' وہ بولیں۔

''واہ پھر اسلام کا اطلاق ہے تو حلال ہی ناں! حرام تو نہیں ہے۔'' وہ بے حسی سے بولی۔

''معاشرہ جینے نہیں دیتا طلاق یافتہ عورت کو، عیب دار ہو جاتی ہے وہ عورت اور مرد ویسا ہی دھلا کا دھلا بلکہ دودھ کا دھلا۔'' وہ بولیں۔

''تو پھر مجھے کہنے دیں کہ آپ نے اپنا سوچا اولاد کا نہیں اور آئندہ بھی ایسا کوئی موقع آیا تو آپ ایسا ہی کریں۔ پتہ ہے اماں! اسلام سے قبل لوگ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ حالات اب بھی وہی ہیں بس انداز بدل گئے ہیں۔'' وہ تلخی سے بولتی اماں کے پاس سے اٹھ گئی۔

☆......☆......☆

''بابا سائیں! باہر کیبل اور نیٹ والا آیا کھڑا ہے اس کی فیس دیدیں۔'' اصفہان نے احسن صاحب کے پاس آ کر کہا اور انہوں نے فوراً 1500 روپے نکال کر اصفہان کو دے دیے۔ پرشیے نے آخری روٹی اُتار کر ہاٹ پاٹ میں رکھتے ہوئے سلطان احسن کو دیکھا اور ہاٹ پاٹ بند کر کے سنک پر لگے نل سے ہاتھ دھو کر وہ احسن صاحب کے پاس آ گئی۔

''بابا! ایگزامینیشن فیس کی لاسٹ ڈیٹ پرسوں ہے مجھے فیس کے پیسے دے دیں۔'' اسنے آہستگی سے کہا اور احسن صاحب کے چہرے پر بڑی طنزیہ مسکراہٹ اتر آئی۔

''میں نے کوئی بینک نہیں کھول رکھا ہے نہیں ہیں میرے پاس فیس کے پیسے۔'' وہ سنگدلی سے

بولے۔
"مگر ابھی آپ نے کیبل اور نیٹ کی فیس بھی تو دی ہے۔" وہ شاک کے سے انداز میں بولی۔ تو اصفہان اور ارمغان کے لبوں پر بڑی محظوظ سی مسکراہٹ در آئی۔
"ہاں تو......" وہ بڑے انداز سے مسکرائے۔
"میرا جو کچھ ہے میرے دونوں بیٹوں کا ہی ہے یہ دونوں ہیں میرے اصل وارث۔" وہ طنزیہ بولے۔
"یہ کیوں نہیں کہتے بابا سائیں کہ آپ کے پاس کیبل جیسے گناہ کے لیے پیسے ہیں مگر علم جس کا حصول مرد و عورت دونوں پر فرض ہے اس کے لیے آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں۔" وہ خاصے ٹھنڈے لہجے میں بولی۔
"جو سمجھو۔" وہ دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولے اور اخبار اُٹھا کر اُس کا مطالعہ کرنے لگے اسنے دونوں بھائیوں اور باپ کو بڑی بے بسی سے دیکھا اور آخری میں ماں کو دیکھا اور انہوں نے اسے وہاں سے ہٹنے کا بڑا خفیف سا اشارہ کیا اور وہ وہاں سے ہٹ آئی۔ باپ اور بھائیوں کو کھانا دے کر وہ کمرے میں آ گئی یہ تینوں، اُن تینوں کے بعد کھانا کھاتی تھیں۔
"یہ لو تمہاری فیس کے پیسے۔" عائشہ نے الماری سے نکال کر اسے پیسے دیئے۔
"اماں یہ کہاں سے آئے آپ کے پاس۔" پرشیے آنکھوں میں نمی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے پوچھ رہی تھی۔
"بیٹا! تمہارے باپ کو میں بھی اچھی طرح جانتی ہوں پچیس سال کا ساتھ ہے۔ شروع میں ذرا ذرا سی بات پر ضد لگا مجھے پیسوں سے تنگ کرتے تھے تب سے میں پیسے پس انداز کرنے کی عادت ہوں۔" وہ تلخی سے بولیں۔
"اماں! آپ بہت اچھی ہیں۔" وہ جذباتی ہو کر بولی۔
"پتہ نہیں، ہاں ایک بات میں تم تینوں سے بہت محبت کرتی ہوں۔ میرا اللہ جانتا ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں تو علیشے اور پرشیے دونوں اُن کے گلے لگ گئیں۔

☆......☆......☆

"سر! ہمارے انٹیریئر سندھ میں عورت کے ساتھ بہت برا سلوک ہوتا ہے اسے مارا پیٹا جاتا ہے بے عزت کیا جاتا ہے بنیادی حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے اپنی جان بچانے کے لیے دشمنوں کے ساتھ کاری کر دیا جاتا ہے۔" اسامہ شیرازی احسن صاحب کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔
"بہت برا کیا جاتا ہے یہ کبیرہ گناہ ہے اللہ تعالیٰ نے تو اسے حق وراثت تک میں مرد کے ساتھ حصے دار رکھا ہے کچھ حصہ کم ہے تو بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر حال میں اپنے شوہر کی ذمے داری ہے۔ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات کہا۔ عورت کو یا مرد کو نہیں انسان کو پھر یہ تخصیص کیسی ہے؟ عورت تو ہر روپ میں خدا تعالیٰ کا تحفہ ہے، عطیہ ہے، ماں ہے تو ممتا کا خزانہ ہے، واجب محبت و عزت و احترام ہے۔ بیٹی ہے تو رحمت ہے، قابل محبت و شفقت ہے۔ بہن ہے تو سراپا محبت ہو خدمت ہے اور بیوی ہے تو قلب و نظر و روح کی تسکین ہے۔ عورت تو ہر روپ میں عظیم ہے۔ لائق محبت ہے وہ کمزور ہے اس لیے اس پر مرد کو نگہبان بنایا ہے اس پر ظلم و ستم توڑنے اسے مارنے پیٹنے کے لیے نہیں۔"
عورت پر مرد صرف ایک ہی صورت میں ہاتھ اٹھا سکتا ہے جبکہ وہ بدکردار ہو۔ اور ایسی

صورت میں بھی پہلے صرف اس سے علیحدگی اختیار کرنے کا حکم ہے اس سے بستر الگ کر لینے کا حکم ہے تب بھی وہ باز نہ آئے تو اس پر ہاتھ اٹھایا جاسکتا ہے۔'' احسن صاحب کا خوبصورت لب و لہجہ پورے کمرے میں گونج رہا تھا۔

''سر! آپ ہاتھ اٹھانے کی بات کرتے ہیں یہاں تو معمولی شک پر عورتیں قتل کر دی جاتی ہیں۔'' وہ اپنے ماحول سے سخت شاکی تھا۔

''اور سر! شک کیا اپنی جان بچانے کے لیے ہمارے ہاں عام طور پر عورتوں کو دشمنوں کے ساتھ یا دشمنوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے اپنی عورتوں کے ساتھ کاری کر دیا جاتا ہے۔'' وہ تلخی سے بولا۔

''یہ تو عورت کی جان پر اپنی جان پر ظلم ہے ......ہاں جہاں تک شک کی بات ہے اس کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو شک جائز نہیں ہے۔'' اندر سے احسن صاحب کی آواز آرہی تھی اور پرشے کے لبوں پر بڑی تلخ مسکراہٹ تھی۔

''پھر یہ بہتان ہے۔'' اُن کی آواز پھر گونجی۔

''کتنا دوغلا ہے یہ شخص دوسروں کو بہو، بیٹیوں کی عزت کرنا سکھاتا ہے اور اپنی بیوی اور بیٹیوں پر ہر ظلم جائز سمجھتا ہے۔'' وہ تلخی سے بڑبڑائی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے آگے بڑھ کر دروازہ بجا کر کہا۔

''بابا سائیں! چائے لے لیں۔'' اور ٹرالی دروازے کے پاس ٹکا کر اندر کی جانب چل دی۔

☆......☆......☆

''میں نے تمہارا نام لکھوا دیا ہے۔ تم نے برائیڈل ڈریس لے لیا ہے کیا؟'' مانو نے فولڈر اور بیگ اٹھاتی شیلزے کو دیکھ کر پوچھا۔ ابھی ابھی سر احسان کی کلاس ختم ہوئی تھی۔

''لیا تو نہیں ہے سارہ علیم سے ڈسکس کیا ہے ابھی صرف۔'' اس نے مشہور ڈیزائنر کا نام لیا ساتھ ہی اپنی جینز کی پاکٹ سے موبائل نکال کر چیک کیا۔ کلاس میں موبائل سائلنٹ پر رکھنا ہوتا تھا کئی میسجز اور دو مس کال تھیں۔ کالز کسی Unknown نمبر سے تھیں اور اسی نمبر سے میسج۔

''ایک تو یہ موبائل کمپنیز کی آفرز لوگ بلاوجہ ہی دوسروں کو تنگ کرنے کے لیے کالز اور میسج کرتے رہتے ہیں۔'' وہ بڑبڑائی۔

''دکھاؤ تو کس نمبر سے کالز اور میسج ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے مانو نے اس سے موبائل اچک لیا اور نمبر دیکھنے لگی۔

''ارے یہ نمبر یہ تو میرے پھوپی زاد کزن کا ہے اس نے کل ہی تو تمہیں میرے ساتھ باہر نکلتے ہوئے دیکھا تھا مجھ سے تمہارا نمبر بھی مانگ رہا تھا۔'' وہ مزے سے بتا رہی تھی اور شیلزے کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''اور تم نے میرا نمبر دے دیا اسے شیم آن یو۔'' وہ غصے سے بولی۔

''تم مجھے ایسا سمجھتی ہو وہ میری منتوں پر اتر آیا تھا مگر میں نے نہیں غالباً اس نے میرے موبائل سے یہ نمبر لیا ہے تم فکر نہ کرو میں ڈیلیٹ کروا دوں گی بلکہ وہ ہماری ہی یونی ورسٹی میں ٹرانسفر ہو کر آرہا ہے تو ہمارے ہی گروپ میں ہوگا دوستی بھی ہو گی تو نمبر رہنے ہی دو اس کے پاس۔'' مانو نے لاپرواہی سے کہا۔

''نہیں تمہیں ڈیلیٹ کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے موبائل پر دو چار نمبرز پریس

کیے اور سر اُٹھا کر مانو کو دیکھا۔

''ہو گیا بلاک...... اور ہاں وہ کزن تمہارا ہے دوستی بھی تمہاری ہی ہو گی اس کے ساتھ۔ اس نے آج جو حرکت کی ہے وہ اب کبھی بھی میری گڈ بک میں شامل نہیں ہو سکتا۔'' شیلزے نے قطعیت سے کہا۔

''وہ کسی اور نمبر سے بھی فون کر سکتا ہے۔'' مانو نے امکان ظاہر کیا۔

''ہر Unknown نمبر پر بلاک لگ جائے گا۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''سوچ لو بعد میں مجھے مت بلیم کرنا۔'' مانو نے ہلکی سی ناراضگی سے کہا اور شیلزے نے دو سیکنڈ سوچا اور کہا۔

''ٹھیک ہے ڈیلیٹ کروا دو۔'' اور ساتھ ہی مڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

''یہ باقی سب کہاں ہیں کلاس لے کر تو سب ساتھ ہی نکلے تھے اب کہاں ہیں پیٹ دہائیاں دے رہا ہے۔'' وہ چڑے ہوئے انداز میں بولی۔

''ملا کی دوڑ مسجد تک سب کینٹین میں اپنے مخصوص ٹھیے پر ہوں گے۔'' مانو نے ہنستے ہوئے کہا اور وہ دونوں کینٹین کی طرف چلیں۔

''کلر ریڈ ہی لے رہی ہو ناں!'' مانو نے سرسری سا پوچھا۔

''نہیں سارہ تم سے متفق نہیں ہے بقول اس کے آج کل برائیڈل ڈریسز میں بھی لائٹ کلرز اِن ہیں۔ وہ اسکائی بلو کلر میں ڈریس بنا رہی ہے۔'' شیلزے نے بتایا۔

''مگر برائیڈل اتنا ڈل کلر۔'' مانو نے منہ بنایا۔ ''ہاں مگر کام بڑا شاندار ہو گا اس پر تم دیکھنا۔'' شیلزے نے کہا تو مانو چپ ہو گئی کینٹین میں وہ سب اپنی مخصوص جگہ پر براجمان تھے۔

اسے دیکھتے ہی حمیران نے آواز لگائی۔

''تمہیں پتہ ہے تمہارے بغیر ایک بائٹ بھی نہیں لیا جاتا پھر بھی ہمیشہ انتظار ضرور کرواتا۔'' وہ بولا۔

''بس پیٹ پر پتھر باندھنے کو دل چاہ رہا تھا۔'' اس کی لن ترانیاں جاری تھیں۔

''پھر گھر پر تمہارا بریک فاسٹ اور ڈنر بھی روزانہ بچتا ہو گا اور چچی کا فائدہ ہوتا ہو گا۔'' مانو جل کر بولی۔

''ڈیئر جل ککڑی کزن، میں نے یہاں اس کی موجودگی میں بولا ہے انڈراسٹینڈ۔'' وہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں بولا تو مانو نے اسے بڑی کینہ توز نظروں سے دیکھا۔

☆......☆......☆

''شیلزے! ذرا میرے ساتھ مارکیٹ چل رہی ہو۔'' ورشیے نے شاہ لیزا سے پوچھا۔

''نہیں آپی!'' اس نے سامنے رکھے کرنکل چپس میں سے ایک اُٹھا کر منہ میں رکھا۔

''مارکیٹ نہیں آپ مجھے سارہ علیم کے بوتیک پر چھوڑ دیجیے گا مجھے وہاں سے برائیڈل ڈریس اٹھانا ہے۔'' اس نے ورشیے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے چینج کرنا ہو تو کرلو۔'' ورشیے نے نک سک سے تیار ہوئی شیلزے کو دیکھا۔

''نہیں ابھی تو چینج کیا ہے چلیں۔'' وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''واپسی کا کیا ہو گا میں واپسی میں پک کرلوں۔'' ورشیے نے پوچھا۔

''آپ کر کے معلوم کر لیجیے گا اگر میں جلدی فارغ ہو گئی تو خود کیب سے آ جاؤں گی ورنہ آپ پک کر لیجیے گا۔'' اس نے سامنے رکھی پلیٹ سے چپس لے کر مٹھی میں بھرے اور ورشیے کے ساتھ

چل دی۔

''ٹھیک ہے۔'' ورشیے نے کہا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی شیلزے کے موبائل کی میسج ٹون بجی اس نے میسج کا Read کا بٹن پش کیا گو کہ میسج کسی Unknown نمبر سے تھا، لکھا تھا۔

''میں معذرت خواہ ہوں آپ کو میری وجہ سے ذہنی تکلیف اٹھانی پڑی آئندہ میں آپ کو بھی کال یا میسج نہیں کروں گا مانو کا کزن روحیل۔''

اور اس نے 'ہونہہ' کہہ کر میسج ڈیلیٹ کر دیا تب تک ڈرائیور گاڑی باہر نکال کر روڈ پر لا چکا تھا۔

''اپنی پرابلم شیلزے۔'' ورشیے نے پوچھا۔

''ایسی چھوٹی موٹی پرابلمز میں خود ہینڈل کر لیتی ہوں آپی! Don`t Worry About It۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

''کوئی تنگ کر رہا ہے کیا؟'' ورشیے نے اسے دیکھا۔

''نہیں کر رہا تھا اب انسان بن گیا ہے۔'' وہ ہلکے سے ہنسی تو ورشیے نے سکون کا سانس لیا اس کے ساتھ ہی شیلزے نے موبائل پاؤچ میں رکھ کر اپنی شرٹ پاکٹ میں رکھ لیا۔

☆......☆......☆

''آپ کی صاحبزادی نظر نہیں آ رہیں۔'' سلطان احسن نے طنزیہ عائشہ سے کہا۔

''پڑھ رہی ہے۔'' انہوں نے سرسری سے کہا۔

''کیوں پڑھ رہی ہے بے چاری، اس کی تو ایگزامینیشن فیس بھی نہیں گئی، ایگزام تو دے نہیں سکے گی۔'' اصفہان طنزیہ سے مسکرایا۔

''اُس کی ایگزامینیشن فیس چلی گئی ہے وہ بہت بریلینٹ اسٹوڈنٹ ہے جب اس کی فیس جمع نہیں ہوئی تو اُس کی کسی لیکچرار نے لیٹ فیس کے ساتھ اس کی فیس جمع کروا دی ہے۔'' عائشہ نے کہا تو تینوں باپ بیٹوں کے چہروں سے بڑے واضح انداز میں طنزیہ مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

''تو اب زکوۃ و خیرات پر تمہاری بیٹیاں تعلیم حاصل کریں گی۔'' وہ پھنکارے۔

''ان پر جائز ہے کیونکہ اُن کا باپ اُن کی جائز ضروریات کے لیے بھی پیسہ خرچ کرنے کو تیار نہیں ہے۔'' عائشہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''اوہ! تو اب بی مینڈکی کو بھی زکام ہوا بیٹیوں کا اثر بڑی جلدی قبول کر لیا۔'' وہ ایکدم سے ہاتھ میں پکڑی کتاب میز پر پھینکتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''ایک بیٹی کی زندگی تباہ ہونے پر بھی بے حس بنی رہوں۔'' وہ کرب سے بولیں۔

''یہ کیا بکواس کرتی رہتی ہو تم ماں بیٹیاں، اپنے گھر میں خوش ہے عیش کر رہی ہے۔ روپے پیسے کی فراوانی ہے۔'' وہ چلائے۔

''روپے پیسے خوشیوں کے ضامن نہیں ہوتے۔ روپے پیسے سے ہم مادی چیزیں خرید سکتے ہیں مگر دل کی خوشی نہیں۔ اگر روپیہ پیسہ خوشیوں کا ضامن ہوتا۔ تو فرعون، قارون اور شداد سب سے زیادہ خوش و خوش قسمت ہوتے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے اور میری بیٹی بھی خوش نہیں ہے، سمجھوتہ کر رہی ہے جو ساری زندگی اس نے اپنی ماں کو کرتے دیکھا ہے۔'' عائشہ نے آج سچ بولنے کی قسم کھالی تھی۔

''اوہ! تو آپ خوش نہیں سمجھوتہ کر رہی ہیں تو کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو سمجھوتہ کرنے کی آپ کو جب جانا ہو آپ بخوشی اپنے بھائیوں کے گھر جا سکتی ہیں میں آپ کو اسی وقت تین حرف بول کر اپنی زندگی سے خارج کر دوں گا۔'' سلطان

احسن کے لہجے میں دنیا جہان کی حقارت، تحقیر، تنفر اور نفرت تھی اور عائشہ بھرا گئیں بس یہی وہ مقام تھا جہاں وہ بے بس ہو جاتی تھیں وہ اس جلاد صفت شخص کے سائے میں آپ کی بیٹیوں کو کس طرح چھوڑ جاتیں۔ یہ بات اُن کی بیٹیاں نہیں سمجھتی تھیں وہ سمجھتی تھیں کہ وہ اپنا سوچتی ہیں اور وہ اپنی بیٹیوں کا سوچتی تھیں۔

☆......☆......☆

اس وقت احسن سلطان گھر پر نہیں تھے اچانک گرمی کا زور ٹوٹا اور موسم یکا یک ہی بہت خوبصورت ہو گیا آسمان کو بادلوں نے ڈھانپ لیا تیز اور ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ پرشیے، اور علیشے دونوں ماں سے اجازت لے کر اوپر ٹیرس پر آگئیں، پرشیے کے پیپرز ہونے والے تھے وہ ساتھ ہی کتاب اُٹھا کر لے آئی۔

آج ایک عرصے بعد وہ کھل کر مسکرائی تھی۔ علیشے سامنے رکھی کین کی کرسی پر بیٹھی اسے کوئی جوک سنا رہی تھی۔ اور ٹیرس پر لگے جنگلے کے ساتھ کی دیوار سے لگی پرشیے بے تحاشہ ہنستی ہوئی سرخ ہوئی جا رہی تھی۔ اور اس منظر کو بیل بجانے کے لیے ہاتھ اٹھاتے اسامہ شیرازی نے بڑی دلچسپی سے دیکھا وہ لڑکی یا تو تھی ہی حسین یا اس وقت اُسامہ کو لگی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ احسن سلطان کی دو بیٹیاں ہیں۔ مگر یہ ساحرہ کون تھی۔ اور اگر احسن صاحب کی بیٹی تھی تو کونسی والی؟ وہ بڑی محویت سے اس حسینہ کو دیکھ رہا تھا جو کہ اس کی آمد سے گیٹ پر پھیلی ہوئی بیلوں کی وجہ سے قطعی بے خبر تھی اور اس منظر کو احسن سلطان نے بھی دیکھا تھا اور خاصی ناگواری سے دیکھا تھا اور اسامہ کی محویت گاڑی کا دروازہ کھول کر اُتر کر آ کر کھنکھارنے پر ہی ٹوٹی۔

''اوہ! السلام علیکم سر! میں ابھی بیل بجانے ہی والا تھا۔'' اس نے شرمندگی سے سر جھکا کر بولا۔

''ہنہ!'' احسن صاحب نے ہنکارا بھرتے ہوئے آگے بڑھ کر گیٹ کھولا اور دوبارہ گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی اندر پارک کی۔ اور گاڑی سے باہر نکل آئے۔

''آجاؤ اندر آجاؤ باہر کیوں کھڑے ہوئے ہو۔'' انہوں نے اسامہ سے کہتے ہوئے سرسری انداز میں ٹیرس پر دیکھا جو کہ اب خالی تھا۔ وہ اسامہ کو لے کر اندر آگئے۔

''ہاں اب بتاؤ برخوردار کیسے آنا ہوا؟'' وہ اسامہ کو آج خاصے سنجیدہ سنجیدہ سے لگے۔

''وہ سر یونہی آپ سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا آپ کی باتیں دل و دماغ کو پُرسکون کر دیتی ہیں ورنہ اپنے ہاں جو کچھ دیکھتا ہوں اس سب نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔ آپ کو پتہ ہے ہمارے ہاں صرف خاندانی جائیداد بچانے کے لیے بیٹیوں اور بہنوں کو اپنے سے دوگنا تین گنا بڑے مردوں سے بیاہ دیا جاتا ہے یا پھر اتنی کم عمر لڑکوں سے بیاہ دیا جاتا ہے کہ لڑکا ساری عمر اپنی بیوی کو دیکھتا ہی نہیں ہے اور بڑا ہو کر دوسری شادی کر لیتا ہے مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ہماری عورت کے ساتھ اتنا ظلم اتنا استحصال کیوں ہوتا ہے۔ کیا عورت کے جذبات واحساسات نہیں ہوتے، کیا جذبات اور احساسات صرف مرد کے ہوتے ہیں۔ عورت خاندان برادری سے باہر شادی نہیں کر سکتی مرد کر سکتا ہے۔ اگر عورت کے جوڑ یا بے جوڑ کا کوئی مرد خاندان میں نہیں ہوتا تو اُس کا حق بخشوا لیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم سر میں نے خود دیکھی ہیں وہ عورتیں پاگل ہو کر مرتی ہیں۔ جنہیں زبردستی کی

اللہ والیاں بنا دیا جاتا ہے۔" وہ بڑی بے بسی سے بول رہا تھا اور احسن سلطان نے بغور اسے دیکھا۔

"اور جو عورتیں باہر سے تمہارے خاندان میں آتی ہیں اُن سے کیا سلوک ہوتا ہے تمہارے ہاں۔" احسن سلطان نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اُن کے ساتھ بھی کوئی اچھا سلوک نہیں ہوتا۔ وہ تو ناقابلِ قبول اور ناپسندیدہ بھی ہوتی ہیں۔" اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"پتہ ہے سر میرا دل چاہتا ہے کہ میں شادی ہی نہیں کروں کیونکہ اگر میری بیٹی ہوتی ہے تو یہ سب اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کریں گے۔" وہ دوبارہ سے بولا۔

"ہنہ!" احسن صاحب نے ہنکارا بھرا۔

"ہے تو یہ سب ہی ظلم تمہیں پتہ ہے عورت کو آبگینے سے تشبیہ دی گئی ہے، تمہیں پتہ ہے آبگینہ کیا ہوتا ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"نو سر! سندھی اسپیکنگ ہونے کی وجہ سے بہت سے الفاظ کے معنی مجھے معلوم نہیں ہیں۔" وہ شرمندگی سے بولا۔

"ڈکشنری میں ہمیں آبگینے کے معنی کانچ، بلور، اور شیشے کے ملتے اور ہم شیشے کو اس سے بنی چیزوں کو اس سے بنے برتنوں کو کیسے ہینڈل کرتے ہیں انتہائی احتیاط محبت اور پیار سے اور وہی مثال عورت کی بھی ہے اسے بہت محبت پیار اور احتیاط سے رکھنا چاہیے۔ حق بخشوانے کا تو کوئی تصور سرے سے ہی اسلام میں موجود ہی نہیں ہے۔ اسلام میں مرتد اور مجرد زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ دین اور دنیا ساتھ نبھانے کو پسند کیا گیا ہے اور وہ بھی ایسے ظالمانہ طریقے سے کہ کوئی اپنے ہوش و حواس ہی کھودے نعوذ باللہ..... عورت فطری طور پر شرم و حیا کا پیکر ہے۔ وہ فطری طور پر اپنے جذبات و احساسات کا اظہار نہیں کر پاتی تو اُس کا قطعی مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ جذبات و احساسات سے عاری ہے۔ اس کے ساتھ رہنے والوں کو بغیر کہے اس کے جذبات و احساسات کا احترام کرنا چاہیے گھر بنانے کی خواہش عورت و مرد دونوں میں مشترک ہے اس لیے عورت کو اس کے جائز حق سے محروم رکھنا ظلم و زیادتی ہے۔"

بڑی عمر کا مرد ایک کمسن لڑکی کے جذبات و احساسات کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے اسی طرح سے کم عمر مرد بڑی عمر کی عورت کی طرف سے عدم دلچسپی کا شکار ہوتا ہے۔ سو ایسی شادیاں جو فتنوں کو آواز دیں اُن کا سدباب کرنا چاہیے۔" انہوں نے تفصیلی جواب دیا۔

"اور ایسا کون کرے گا بارش کا پہلا قطرہ کون بنے گا۔" اسامہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"کوئی بھی شاید تم ہی، کیا تم نہیں ہو سکتے؟" انہوں نے پوچھا۔

"شاید نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"معتوب ہونے سے ڈرتے ہو۔" انہوں نے اسے نظروں ہی نظروں میں جانچا۔

"پتہ نہیں، شاید ہاں، شاید نہیں۔" اس نے مبہم سا جواب دیا۔

"چلو کوئی تو ہو گا۔ خدا نے ہر فرعون کے لیے کسی موسیٰ کو اتارا ہے اور عورت پر ظلم تو خدا کو بھی ناپسند ہے۔ کیونکہ وہ بنیادی طور پر کمزور ہے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ عرب میں حضور اکرمؐ کے ظہور سے قبل لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ جس پر رحمت الٰہی جوش میں آ گئی تو کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی کے ذریعے وہ تمہارے ہاں کی عورت کے حالات بھی بدلے گا۔" انہوں نے اسامہ کو امید دلائی۔

''ہاں ورنہ میں یہاں شہر میں دیکھتا ہوں یہاں کی عورت کتنی آزاد اور خود مختار ہے جبکہ ہماری عورت ڈری سہمی ہوئی ہے۔'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا تو احسن صاحب نے اُسے دیکھا اور بڑی عجیب سی مسکراہٹ نے اُن کے لبوں کا احاطہ کرلیا جسے اسامہ سمجھ نہیں سکا۔

☆......☆......☆

اسامہ کو رخصت کر کے احسن سلطان اندر آئے اور کچن میں سلاد کاٹتی پریشے کے پاس آ کر اسے بالوں سے پکڑ کر سیدھا کر کے انہوں نے کھینچ کر اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا اور عائشہ اور علیشے نے تڑپ کر احسن سلطان کو دیکھا۔

''کیا کر رہی تھی اوپر، کس کو دیکھ کر دانت نکلے پڑ رہے تھے؟'' انہوں نے اسے بالوں سے کھینچتے ہوئے پوچھا اور وہ جو بال چھڑانے کے چکر میں دوہری ہوئی جا رہی تھی اس کی آنکھوں میں حیرت اُتر آئی۔

''میں کس کو دیکھ رہی تھی؟ میں تو اماں جان کی اجازت سے اوپر گئی تھی۔ اور علیشے کی بات پر ہنس رہی تھی۔'' اس نے بے خوفی سے کہا۔

''علیشے کی بات پر ہنس رہی تھی یا کسی کو دیدار کروا کر خوش ہو رہی تھی۔'' انہوں نے چیخ کر کہا۔

''کس کو؟'' اس نے احسن سلطان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''وہی جو میرے ساتھ تھا۔'' انہوں نے اس کے بالوں کو جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔

''واہ اور آپ اسے لے کر گھر میں چلے آئے اسے وہیں گاڑھ نہیں دیا جو آپ کی بیٹی کے دیدار سے نظریں سینک رہا تھا اور بیٹی پر چڑھائی کر رہے ہیں۔'' وہ سلگ کر بولی اور احسن سلطان نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''عائشہ! یہ لڑکی یا تو میرے ہاتھوں قتل ہوگی یا میں اسے ایسی جگہ پھینکوں گا کہ یاد کرے گی۔'' وہ پھنکارے۔

''اور آپ کر بھی کیا سکتے ہیں۔'' وہ جل کر بولی۔

''جاہل عورت! سب تیرا کیا دھرا ہے ایک بیٹی کو بھی اچھا نہیں اٹھا سکی سب کی سب بدکردار ہیں۔'' وہ چیخے۔

''آپ کو پتہ ہے تہمت لگانے کی کیا سزا ہے اسلام میں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''تہمت کو تو چھوڑو، بدکرداری کی کیا سزا ہے وہ میں بتاؤں گا تمہیں۔'' وہ اپنی جانب انگلی سے اشارہ کر کے ہنسے بالکل ویسی ہی مسکراہٹ جس پر پریشے کو سانپ کا گمان ہوتا تھا اور وہ لرز گئی۔

☆......☆......☆

''یار اصفی، ارمی سٹرڈے نائٹ کا کیا پروگرام ہے۔'' اُن کے مشترکہ دوست واصف نے پوچھا۔

''ابھی تک تو کوئی نہیں ہے جو تم کہو۔'' اصفی نے کہا۔

''میرا پروگرام تو یہ ہے کہ سٹرڈے ایوننگ کو تم سب یہاں آ جانا پھر کوئی ہاٹ سی انگلش مووی دیکھیں گے۔'' یہ کہہ کر واصف نے ان دونوں کو آنکھ ماری جس پر دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے۔

''پھر ہائی وے پر کسی ریسٹورنٹ میں کھانا کھائیں گے موٹر بائیکس کی ریس لگائیں گے، پھر دیکھیں گے اگر ساحر نے اپنے فارم ہاؤس پر کوئی ہاٹ پروگرام رکھ لیا تو وہاں چلیں گے ورنہ گھر۔'' واصف نے پورا پروگرام ترتیب دیا۔

''اوکے! ہماری طرف سے تو ڈن ہے۔''

اصفہان نے فوراً کہا۔
''مگر بابا سائیں کو کیا کہیں گے؟'' ارمغان نے بھائی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
''کہنا کیا ہے برادر! کمبائن اسٹڈی اور کیا۔'' اصفہان نے کہا اور تینوں قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔

☆......☆......☆

رات کے تین بج رہے تھے احسن صاحب کے موبائل کی بیپ ہوئی۔ انہوں نے اُٹھ کر نمبر دیکھا کوئی Unkonwn نمبر تھا انہوں نے گرین بٹن پُش کیا اور موبائل کان سے لگالیا۔
''ہیلو......احسن سلطان Speaking۔'' انہوں نے رعب سے کہا۔
''اوہ! بادشاہو ذرا تھانے تو تشریف لے آؤ۔'' دوسری جانب سے کسی نے کہا۔
''یہ کیا بدتمیزی ہے کون ہیں آپ؟'' انہوں نے غصے سے کہا عائشہ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔
''میں تھانے سے بات کر رہا ہوں محترم آپ کی دو عدد اولادیں ہماری مہمان ہیں۔'' دوسری طرف سے کسی نے طنزیہ کہا۔
''کس جرم میں۔'' انہوں نے زور سے چیخ کر کہا۔
''سب کچھ فون پر ہی پوچھ لیں گے کچھ ہمیں بھی خدمت کا موقع دیں گے یا نہیں۔'' دوسری جانب سے طنزیہ کہا گیا۔
''میں ابھی آتا ہوں مجھے بتاؤ کس تھانے میں آنا ہے۔'' انہوں نے آواز دھیمی کی اور دوسری جانب کی بات سن کر اُٹھ کھڑے ہوئے باتھ روم جا کر کپڑے بدلے الماری سے بڑی اماؤنٹ میں رقم نکالی اور اپنے وائلٹ میں رکھی اور باہر کی جانب قدم بڑھائے۔
''احسن صاحب! پلیز مجھے تو بتاتے جائیں کیا ہوا ہے آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ گھبرا کر پوچھ بیٹھیں۔
''دعا کرو عائشہ! اصفہان اور ارمغان کو پولیس نے پکڑ لیا ہے میں تھانے جا رہا ہوں۔'' انہوں نے مڑے بغیر کہا۔
''مگر کس جرم میں۔'' وہ تیزی سے بولیں۔
''پتہ نہیں یہ تو جا کر ہی پتہ چلے گا۔'' انہوں نے کہا مگر دروازے سے باہر نکلتے نکلتے رک کر مڑے۔
''اس بات کا پتہ تمہاری لاڈلیوں کو اور گھر سے باہر کسی کو نہ چلے ورنہ نتائج کی ذمے دار تم خود ہوگی۔'' انہوں نے تنبیہ کی۔ اور وہ باہر نکل گئے اور اُن کے نکلتے ہی پریشے اُن کے پاس آگئی۔
''اماں! کیا ہوا ہے بابا سائیں کہاں گئے ہیں اور دونوں بھائی بھی نہیں آئے۔'' وہ گھبرا کر بولی۔
''وہ شاید اُن کی بائیک کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اُن ہی کو لینے گئے ہیں۔'' انہوں نے نظریں چرا کر کہا۔
''اوہ! خدا خیر کرے، خدا ان کی حفاظت کرے آپ فکر نہ کریں انشاء اللہ وہ دونوں خیریت سے ہوں گے۔'' اس نے انہیں تسلی دینے کے ساتھ اُن کے گرد اپنے بازو پھیلا لیے۔
''تم اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔'' انہوں نے نظریں چرا کر کہا۔
''اماں! بھائیوں کو تو آنے دیں ان دونوں کو دیکھ تو لوں۔'' وہ حیرت سے ماں کو دیکھ کر بولی۔
''یہ تمہارے باپ کا حکم ہے پری! کہ تم دونوں کو اس واقعے کا علم نہ ہو۔'' انہوں نے بے

بس سے کہا۔
''اماں! سب خیریت ہے ناں! بھائیوں کا ایکسیڈنٹ ہی ہوا ہے ناں!'' وہ سوالیہ انداز میں ماں سے پوچھ بیٹھی۔
''انہیں پولیس پکڑ کر لے گئی ہے دعا کرو کوئی بڑی بات نہ ہو۔ تمہارے بابا نے تم دونوں کو بتانے سے منع کیا ہے۔'' وہ بتاتے بتاتے ہچکیوں سے رونے لگیں۔ اور پریشے نے انہیں گلے لگالیا۔
''اماں! فکر نہ کریں انشاء اللہ سب خیر ہوگی۔ بابا کے آتے ہی کمرے سے چلی جاؤں گی۔ آپ فکر نہ کریں مگر ابھی آپ کو اس حال میں چھوڑ کر میں قطعی نہیں جاؤں گی۔'' وہ قطعیت سے بولی تو عائشہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆......☆......☆

احسن سلطان تھانے پہنچے تو اُن کا سامنا سب سے پہلے ایک کانسٹیبل سے ہوا انہوں نے دونوں لڑکوں کا نام بتا کر اُن سے پوچھا۔
''او بادشاہو! آ ؤ اندر آ ؤ۔ وہ انہیں لے کر ایس ایچ او کے پاس آیا۔ ایس ایچ او نے سامنے پڑا اُن کا کارڈ اُٹھا کر دیکھا۔
''مسٹر احسن سلطان......'' اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا اور انہوں نے سر اثبات میں ہلایا۔
''پی ایچ ڈی اِن اسلامک ہسٹری۔'' اس نے باآواز بلند پڑھا۔
''اور چراغ تلے اندھیرا، اولاد ایسی۔'' وہ طنزیہ بولا۔
''مگر انہوں نے کیا کیا ہے؟'' احسن صاحب نے سوال کیا۔
''کچھ بھی نہیں سر ہائی وے پر بائیکس پر لیٹ کر ریس لگانے میں ایک بندے کو ہٹ کیا ہے اور شکر کریں وہ بندہ زیادہ زخمی نہیں ہوا ورنہ آپ کے دونوں بیٹے فکس ہو جاتے۔'' ایس ایچ او نے کہا۔
''ہائی وے پولیس نے انہیں پکڑ کر ہمارے حوالے کیا ہے وہ بندہ ابھی ہاسپٹل میں ہے مگر خطرے سے باہر ہے اس لیے بچت ہوگئی دونوں کی، اِن کے باقی دوستوں کو تو اُن کے گھر والے لے گئے ہیں۔'' ایس ایچ او نے مزید تفصیلات بتائیں۔
''تو میں اِن دونوں کو لے جا سکتا ہوں۔'' احسن صاحب نے پوچھا۔
''ایسے کیسے صاحب! بغیر کسی خدمت کے، کیا زخمی کا علاج آپ کروائیں گے۔'' ایس ایچ او نے طنزیہ انداز میں کہا اور پھر اُن میں معاملات طے ہونے تک دونوں لڑکے آچکے تھے دونوں خاصے زخمی تھے۔ غالباً ایکسیڈنٹ کے ساتھ ہی اُن دونوں کو مارا پیٹا بھی گیا تھا۔
جس وقت وہ تینوں گھر میں داخل ہوئے صبح کی اذانیں ہو رہی تھیں اور وہ انہیں راستے میں سمجھا چکے تھے کہ اسے ایکسیڈنٹ ہی شو کیا جائے تھانے کا ذکر کہیں نہ آئے اور لڑکے باپ کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہو چکے تھے کہ وہ محض ہائی وے پر واقع ریسٹورنٹ سے کھانا کھانے گئے تھے اور اس ایکسیڈنٹ کا شکار ہوگئے تھے۔

☆......☆......☆

مانو کے ساتھ کوئی بہت ہینڈسم سا لڑکا چلا آرہا تھا۔ شیلزے نے دونوں کو بغور دیکھا۔
''یہ کس لیڈی کلر کے ساتھ چلی آرہی ہے مانو۔'' شیلزے نے حمیران سے پوچھا۔
''ارے! یہ تو ہمارا پھوپی زاد روحیل ہے۔''

حمیران نے حیرانگی سے اُن دونوں کو دیکھا۔
''یہ یہاں کہاں یہ تو سرسید میں ہوتا ہے۔'' وہ دونوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔
''اچھا تو یہ ہے روحیل۔'' شیلزے نے سوچتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا۔
''تم جانتی ہو روحیل کو۔'' حمیران نے حیرت سے پوچھا۔
''نہیں جانتی تو نہیں ہوں مگر موصوف مانو کے موبائل سے میرا نمبر لے کر مجھے کچھ عرصے تک تنگ کرتے رہے ہیں میرے مانو پر غصہ کرنے پر موصوف نے معافی مانگ کر مس کالز دینا اور میسج بھیجنا بند کیے ہیں۔'' شیلزے نے تفصیلاً بتایا۔
''ہو نہیں سکتا یہ اتنی آسانی سے مان جانے والی مخلوق نہیں ہے درونِ خانہ کوئی بات اور ہے۔'' حمیران نے سوچتے ہوئے کہا۔
''کیا بات ہو سکتی ہے۔'' شیلزے نے حیرانی سے اسے دیکھا۔
''بات کا تو پتہ نہیں ...... لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ اس بندے سے محتاط رہنا۔ یہ بہت خطرناک بندہ ہے۔ یوں بھی پھوپو کی فیملی کو ہمارے خاندان میں پسند نہیں کیا جاتا۔ یہ لوگ سب سازشی ذہن کے لوگ ہیں۔'' حمیران نے اسے متنبہ کیا۔
''ہنہ......!'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔
''مگر میرے ساتھ کیا سازش کریں گے؟'' آخر میں گویا اس نے مکھی اڑائی۔
''یہ تو مجھے پتہ نہیں مگر یہ آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہے پھر اس نے تم سے معافی کیوں مانگی؟'' حمیران کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔
''خیر جو کوئی بھی بات ہے سامنے آ ہی جائے گی۔'' شیلزے نے کہا۔
''ہاں! یہ تو ہے۔'' حمیران نے کہا تب تک وہ دونوں اُن کے قریب آ چکے تھے۔
''ہیلو...... ! حمیران کیسے ہو۔'' قریب آ کر مانو اور روحیل نے ایک ساتھ پوچھا۔
''آئی ایم فائن تم لوگ کیسے ہو اور روحیل تم یہاں کہاں؟'' حمیران نے پوچھا۔
''وہ میں نے یہاں مائیگریشن کروالیا ہے۔'' روحیل نے کہا۔
''مگر کیوں، تمہاری تو اپنی یونیورسٹی خود بڑی اچھی ہے۔'' حمیران نے پوچھا۔
''ہاں ہے تو ...... مگر سوچا کہ میرے دو عدد کزنز میرے ماموں زاد یہاں ہیں تو کمپنی رہے گی۔'' اس نے بڑے لاپرواہ انداز میں کہا۔
''کیوں وہاں تمہارے دوست نہیں تھے؟'' حمیران نے استہزائیہ پوچھا۔
''کیا ہو گیا ہے حمیران؟ تم اتنے آرگیومنٹ کیوں کر رہے ہو؟ آفٹر آل روحیل ہمارا کزن ہے اگر وہ یہاں آتا ہے تو تمہیں کیا پرابلم ہے۔'' مانو نے چڑ کر کہا۔
''اور ہاں روحیل یہ شاہ لیزا عرف شیلزے ہے اور شیلزے یہ روحیل ہے، مائی کزن۔'' اس نے دونوں طرف سے تعارف کی رسم نبھائی۔
''ہیلو! نائس ٹو میٹ یو۔'' روحیل نے خوش دلی سے کہا۔
''سیم ہیئر۔'' شیلزے نے بھی رسم نبھائی پھر وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے کیفے ٹیریا کی جانب چل دیے اور جب وہ سب اپنے اپنے راستوں پر جا رہے تھے تو ...... مانو اور روحیل ساز بُن رہے تھے۔
''حالانکہ میں نے اس کا نمبر ڈیلیٹ نہیں کیا

ہے مگر تم دیکھنا یہ مجھے اپنا نمبر خود دے گی۔'' روحیل مانو سے کہہ رہا تھا۔

''اور میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ وہ نا صرف تمہیں نمبر دے بات کرے تمہیں اپنی فیس بک آئی ڈی پر ایڈ کرے اور تم فیس بک پر اس کی تصاویر شیئر کرو۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

''کیوں تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟'' روحیل نے اسے بغور دیکھا۔

''بتاؤں گی کبھی اور ویسے بھی اونچی پارٹی ہے، حسین ہے اگر تمہاری بات بن جاتی ہے تو برا ہے کیا؟'' مانو نے بات بنائی۔

''برا تو نہیں ہے اور ہے بھی بلا کی حسین۔'' روحیل نے ہنس کر کہا۔

''تو پھر عیش کرو پیڑ مت گنو۔'' وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

''او کے باس......'' روحیل بولا۔

☆......☆......☆

شیلز ے گھر میں داخل ہوئی تو گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی۔ اس نے اپنی میڈ فاطمہ سے پوچھا۔

''ورشے آپی کہاں ہیں آج وہ نظر نہیں آ رہیں گھر میں بھی خاموشی ہے۔''

''وہ ایسا ہے بی بی! خانساماں سودا لینے گیا ہے ڈرائیور بڑی بی بی کو لے کر گیا ہے گھر میں، میں، مالی اور اُس کی بیوی ہیں۔ میں اندر وہ باہر تو خاموشی تو ہونی ہی ہے۔'' باتوں کی شوقین فاطمہ نے تفصیلی جواب دیا۔

''مگر آپی کہاں چلی گئیں وہ تو اس وقت کہیں نہیں جاتیں۔'' اس نے حیرانگی سے پوچھا۔

''وہ بی بی! اُن کی پھوپو کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی حذیفہ باؤ کا فون آیا تھا وہ وہیں گئی ہیں۔'' فاطمہ نے کہا۔

''عجیب ہیں آپی بھی اپنے گھر والوں سے نہیں ملتیں اور پھوپو کے لیے بے چین ہوئی جاتی ہیں۔'' وہ بڑبڑائی۔

''خیر میرے لیے کھانا میرے کمرے میں لے کر آؤ میں نہانے جا رہی ہوں کھانا کھا کر سوؤں گی آپی کو بتا دینا۔'' اس نے کہا اور اوپر کی جانب سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

وہ فریش ہو کر سوئی تھی سو بڑی گہری اور میٹھی نیند لے کر اٹھی تو شام کے سات بج رہے تھے اس نے منہ ہاتھ دھو کر بالوں کو برش کیا اور دروازہ کھول کر باہر نکلی تو پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

''فاطمہ، فاطمہ!'' وہ زور سے چیخی۔

''یہ لائٹس آف کیوں ہیں آپی نہیں آئیں کیا ابھی تک۔'' وہ زور سے بولی۔

''Happy Birth Day To You'' اور ''May You Have Many More''۔

اس نے سامنے نظر کی تو آپی، ڈیڈ، حمیران، علی، مانو، مصطفیٰ، شرمین، روحیل اور حذیفہ کے علاوہ گھر کے تمام ملازمین بھی جوش و خروش سے تالیاں پیٹ رہے تھے اور وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتری اور آ کر ڈیڈ اور آپی کے گلے لگ گئی۔

''تھینکس آپی! اس لیے غائب تھیں آپ دوپہر میں، سرپرائز دینا تھا مجھے۔'' وہ ممنونیت سے بولی۔

''ہاں گڑیا!'' انہوں نے پیار سے اُس کا گال تھپتھپایا۔

اور کیک کاٹتے میں ایک اور شور بلند ہوا۔

''شیلزے! یہ کیک پر 20 کی کینڈل میں ایک زیرو کم ہے۔'' حمیران شوخی سے بولا۔

''ہیلو! اگر اس میں ایک زیرو زیادہ ہوتا تو یہاں میں نہیں میری بدروح کھڑی ہوتی۔'' وہ بھی دوبدو بولی۔

''تو پھر ہم اس سے اپنی Wishes پوری کروا رہے ہوتے۔'' علی نے مزے سے کہا۔

''نہیں وہ تم سب کے گلے گھونٹ کر تمہاری سب Wishes کا قلعہ قمع کر دیتی۔'' وہ چڑ کر بولی۔

'' واہ! اُردو پر عبور تو دیکھو قلعہ قمع......'' حمیران کہاں چوکنے والا تھا۔

''یہ سب میری آپی کا کمال ہے۔'' وہ محبت سے بولی۔

''اُن کے کمال کا تو نہیں پتہ وہ خود کمال کی ہیں تمہاری ٹوئن لگتی ہیں۔'' روحیل نے کہا تو وہ طرح دے گئی اور آپی کو دیکھنے لگی۔

''چلو شیلزے! کیک کاٹو۔'' انہوں نے کہا تو اس نے کیک کاٹا اور مبارک سلامت کے شور میں ڈیڈ، آپی کے بعد حمیران کو کیک کھلایا تو ڈیڈ اور ورشیے ہی کی نظر میں نہیں حذیفہ اور روحیل کی نظر میں بھی اُس کی زندگی میں حمیران کی اہمیت واضح ہوگئی جبکہ مانو کے دل پر سانپ لوٹ گئے۔

☆......☆......☆

احسن صاحب کلاس لے کر نکلے ہی تھے کہ انہیں سامنے اسامہ شیرازی دوسری جانب جاتا ہوا نظر آیا انہوں نے قریب سے گزرتے ایک لڑکے کو روکا اور کہا۔

'' یہ جو وائٹ ٹی شرٹ اور بلو جینز میں صاحب جا رہے ہیں اُن کا نام اسامہ شیرازی ہے۔ اُن سے جا کر کہو کہ پروفیسر احسن سلطان سے آ کر اسٹاف روم میں ملیں۔'' کہہ کر وہ آگے چل دیے اسٹاف روم میں انہیں بیٹھے ہوئے ابھی 5 منٹ ہی ہوئے تھے کہ اسامہ نے اندر آنے کی اجازت لی۔

''May I Come In Sir'۔'' اس نے کہا

''اوہ! یس یس۔'' انہوں نے فوراً کہا۔

'' جی سر! کوئی کام تھا۔'' اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔

'' کیا ہوا ہے کافی دن سے گھر نہیں آ رہے ہو؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''بس سر! گوٹھ سے بابا صاحب کا بلاوا آیا تھا وہیں گیا ہوا تھا آج صبح ہی واپس ہوئی ہے۔'' اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''سب خیریت ہے نا؟'' احسن صاحب نے پوچھا۔

''جی! میرے بڑے بھائی صاحب کی جیپ پچھلے سال ایک کھائی میں گر گئی تھی۔ اب اُن کی بیوہ سے وہ میرا نکاح پڑھوانا چاہ رہے تھے۔'' اُس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''پھر تم نے کیا کہا؟'' احسن صاحب نے بے تابی سے کہا۔

''کہنا کیا تھا سر! میں انہیں اپنی ماں کی جگہ دیتا ہوں۔ میں نے منع کر دیا تو اُن کا نکاح میرے دوسرے نمبر والے بھائی سے پڑھا دیا گیا۔'' اُس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

'' وہ غیر شادی شدہ ہیں۔'' احسن صاحب نے پوچھا۔

''نہیں وہ کچھ زیادہ ہی شادی شدہ ہیں میرا مطلب ہے اُن کی پہلے سے تین بیویاں موجود ہیں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولا اور احسن

صاحب چپ کے چپ رہ گئے۔

"تم کافی دن سے گھر نہیں آرہے ہو مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" انہوں نے تمہید باندھی۔

"جی بتائیں سر! میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔" وہ مہذب لہجے میں بولا۔

"بتاؤں گا بتاؤں گا مگر یہاں نہیں یہ جگہ مناسب نہیں ہے تم کسی دن گھر آؤ پھر بات کرتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! میں حاضر ہو جاؤں گا۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"اب مجھے اجازت دیں میری کلاس ہے۔"

"ہاں ہاں! تم جاسکتے ہو۔" انہوں نے کہتے ہوئے سامنے رکھی ہوئی منورہ نوری خلیق کی نامور مسلم خواتین اٹھالی اور اسامہ باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

رات کے دو بج رہے تھے اور حذیفہ کو نیند نہیں آرہی تھی۔ ساڑھے بارہ تک تو وہ پڑھتا رہا تھا اور کمپیوٹر پر کام کرتا رہا تھا اور اب ایک گھنٹے سے کروٹیں بدل بدل کر اس کی کمر دکھ گئی تھی مگر نیند کا نام ونشان نہیں تھا۔

حالانکہ آج وہ بہت تھک گیا تھا صبح اذانوں کے ساتھ ہی اپنے بستر چھوڑ دیا۔ نماز، تلاوت، ناشتہ اور پھر یونیورسٹی وہاں سے واپسی پر ورشے آپی کو مارکیٹ لے کر گیا۔ وہاں سے واپسی پر شیلزے کی برتھ ڈے پارٹی گھر واپسی پر اسٹڈی اور اب یہ انسومنیا (نیند کی کمی)......

یہ تو طے ہی تھا شاہ لیزا ایبک کی زندگی میں وہ کہیں نہیں ہے۔ اس نے شیلزے کو بارہا میران کے ساتھ دیکھا تھا اور آج وہ میران کی شیلزے کی زندگی میں اہمیت سے واقف بھی ہو گیا تھا۔ تو یہ طے ہے کہ محبت کی بازی میں حذیفہ احمر بغیر کھیلے ہی ہار گیا۔ وہ اسے پچھلے چار سالوں سے چاہ رہا تھا۔ ورشے آپی کے گھر میں ایک اتفاقیہ ملاقات......اور ایک ہی یونیورسٹی میں ہونا۔ اسے اس محبت کے جذبے کا اسیر کرتا چلا گیا وہ بے خبر رہا۔ اب تو وہ بہت آگے جا چکا تھا جہاں سے واپسی کی راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔ وہ بے بس اور مجبور ہو چکا تھا۔ شیلزے اس کے لیے ضروری ہو چکی تھی۔ وہ یوں تو پہلے بھی ورشے کی طرف جاتا تھا اس کی خیر خیریت لینے، مگر اب اس میں شیلزے کو دیکھنے اور بات کرنے کی سرخوشی بھی شامل تھی۔

گو کہ دیکھ تو وہ روز ہی یونیورسٹی میں اسے لیتا تھا۔ مگر شیلزے اسے دیکھنے کے باوجود کبھی لفٹ نہیں کراتی تھی اس کے انداز میں ایک محسوس کی جانے والی سرد مہری ہوتی تھی۔

مگر آج کی تقریب میں روحیل کیوں تھا؟ وہ روحیل کو اپنے اسکولنگ سے جانتا تھا وہ اس کا کلاس میٹ تھا۔ یہ لڑکا انتہائی کینہ توز اور برے کیریکٹر کا تھا لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کرتا اور جو منع کر دیتی اس کے خلاف محاذ بنالیتا تھا۔

اسے شیلزے کی گیدرنگ میں مانو اور روحیل پسند نہیں آئے تھے باقی سب ہی اچھے تھے۔ مانو کے چہرے پر تیزی تھی، اور اس کا ماننا تھا کہ جو جس کردار کا ہوتا ہے۔ وہ چیز اس کے چہرے پر رقم کر دی جاتی ہے چلو اللہ بہتر کرے گا۔

تو یوں ہے تو یونہی سہی مس شاہ لیزا ایبک جہاں رہو جس کے ساتھ رہو خوش رہو آباد رہو۔

☆......☆......☆

بیل ہوئی تو ورشے نے جا کر دیکھا دروازے پر اسامہ شیرازی تھا اس کے رخ پر ناگواری اتر آئی۔

''السلام علیکم!'' اس نے شائستگی سے کہا۔
''وعلیکم السلام!'' اس نے بھی جواب دیا۔
''وہ سر نے مجھے بلایا تھا انہیں بتادیں۔'' اس نے شائستگی سے کہا۔
''آپ اندر ڈرائنگ روم میں بیٹھیں میں انہیں بھیجتی ہوں۔'' اس نے آگے بڑھ کر ڈرائنگ روم کھول دیا اور خود اندر چل دی۔
کیا شہد میدے میں گندھی، پنک روزز کا بوکیٹ لگتی لڑکی ہے اور وہ اپنی سوچ پر خود ہی ہنس پڑا اور اندر چل دیا۔
''بابا سائیں! کوئی اسامہ شیرازی آئے ہیں میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔'' اس نے احسن صاحب کے نزدیک آکر کہا۔
''کیوں اس گھر میں سارے لوگ مر چکے ہیں ہر بار تمہارا ہی جانا ضروری ہے۔'' وہ غصے میں مگر آواز دبا کر بولے۔
''وہ ایسا ہے بابا سائیں کہ دونوں بھائی تو گیٹ کھولنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں علیشے کو بخار ہے اور اماں اس کے پاس ہیں۔'' اس نے تفصیل سے جواب دیا۔
''میرے بیٹے تمہیں کچھ زیادہ ہی نہیں کھٹکتے۔'' وہ استہزاء سے بولے۔
''چھوڑیں بابا سائیں! یہ اختلافی پہلو ہے میں کچھ کہوں گی آپ کو برا لگے گا بات بڑھے گی آپ کے مہمان آئے بیٹھے ہیں آپ اندر جائیں۔'' وہ زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ بولی اور احسن صاحب نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔
''بہت اُڑ رہی ہے آج تیرے ہی پر کاٹنے ہیں۔'' اور تنفر سے اسے دیکھتے ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔
اور پرشیے نے سوچا جب ایک ہی گھر میں کچھ لوگ شاہانہ اور کچھ لوگ مفلسانہ زندگی گزاریں گے تو اختلاف بھی ہوں گے اور کھٹکن بھی ہوگی۔

☆......☆......☆

احسن صاحب کے اندر داخل ہوتے ہی اسامہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
''السلام علیکم سر!'' اس نے ادب سے کہا۔
''وعلیکم اسلام! بیٹھو بیٹا بیٹھو۔'' انہوں نے کہا تو وہ بیٹھ گیا۔
''جی سر! اب بتائیں کیا بات تھی؟'' اس نے بلاتمہید پوچھا۔
''بات کیا، مجھے تم سے ایک کام ہے اگر کر سکو تو۔'' انہوں نے گلا کھنکھار کر کہا۔
''جی سر! ضرور آپ بتائیں مجھے خوشی ہوگی آپ کے کام آکر۔'' اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔
''سوچ لو ایک مرتبہ پھر۔'' انہوں نے کہا۔
''سوچ لیا۔'' ترنت جواب دیا۔
''میری بیٹی سے شادی کرلو۔'' انہوں نے کہا اور اسامہ کو لگا اس کے سر پر کسی نے دھماکا کر دیا ہو۔
''مگر سر! وہ تو غالباً ابھی پڑھ رہی ہیں ایسی بھی کیا جلدی ہے؟'' اس نے اٹک اٹک کر کہا۔
''وہ انٹر کے پیپرز دے رہی ہے۔ بس اتنی تعلیم بہت ہے۔'' انہوں نے دوٹوک کہا۔
''مگر سر! آج کے دور میں تو ماسٹرز سے کم لڑکیاں بھی نہیں پڑھتیں۔'' وہ دوبارہ گویا ہوا۔
''مگر خود تمہارے ہاں کی عورت کتنا پڑھتی ہے؟'' انہوں نے سوال کیا تو وہ چپ رہ گیا۔
''بہرحال تمہیں حق حاصل ہے کہ انکار کردو۔ مگر مجھے جلد ہی بتا دینا پھر میں کہیں اور کوشش کروں گا مجھے اسی مہینے ہر حال میں اس کی

شادی کرنی ہے۔'' وہ بے لچک لہجے میں بولے۔
''سر! میں بابا صاحب سے بات کر کے آپ کو بتاتا ہوں۔'' وہ تھکے تھکے لہجے میں بولا۔
''ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں چائے ابھی تک کیوں نہیں آئی۔'' وہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔
''رہنے دیں سر! میں اب چلتا ہوں۔'' وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔
''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ اطمینان سے بولے تو اسامہ باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے کہ یونہی کسی نے کہا اور تم شادی کے لیے تیار ہو گئے۔'' بابا صاحب نے غصے سے کہا۔
''نہ یونہی کسی نے کہا ہے اور نہ وہ کسی ہیں وہ میرے قابل اور محترم استاد ہیں اور میں اُن کی بہت عزت کرتا ہوں۔'' اسامہ نے دوٹوک لہجے میں کہا۔
''اور تمہیں یقین ہے کہ اس لڑکی میں کوئی عیب نہیں ہے جو وہ اُسے تمہارے سر تھوپ رہے ہیں؟'' بابا صاحب نے جانچتی نظروں سے اُسے دیکھا۔
''مجھے اس لڑکی کے بے عیب ہونے کا یقین ہے۔'' اس نے بابا صاحب سے زیادہ گویا خود کو یقین دلایا۔
''پھر وہ شخص کیوں اپنی لڑکی کو تم پر مسلط کرنا چاہتا ہے۔'' وہ بولے۔
''وہ مسلط نہیں کرنا چاہتے انہوں نے ایک پروپوزل پیش کیا ہے۔ جس میں انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ مجھے انکار کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔ مگر وہ میرے لیے اتنے قابلِ احترام ہیں کہ مجھ میں اُن کی بات رد کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔
''تم نے اس لڑکی کو دیکھا ہے؟'' انہوں نے سوالیہ انداز میں اُسے دیکھا۔
''ایک لڑکی کو دیکھا تو ہے مگر مجھے پتہ نہیں کہ وہ وہی ہے یا کوئی اور۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔
''کہیں تم اسی لڑکی کی خواہش تو نہیں ہو۔'' انہوں نے بغور اُسے دیکھا۔
''نہیں میرا نہیں خیال کیونکہ اُس کے رخ پر میں نے ہمیشہ ہی ایک ناگواری سی دیکھی ہے۔'' وہ سوچ کر بولا۔
''یہ بھی انداز ہیں شہری لڑکیوں کے کسی کو اپنی جانب کرنے کے۔'' بابا صاحب نے کہا تو دل نے بڑے زور سے نفی کی کیونکہ بہرحال وہ اب تک اپنی جانب راغب کرنے والی لڑکیوں کی قسم سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔
''بہرحال ہم سے سسی کے سلسلے میں تمہارے ساتھ کوتاہی ہوئی ہے ہم نے اس کی تلافی کی ہمیشہ کوشش کی اور آج بھی کر رہے ہیں۔ اگر تمہارا دل مانتا ہے تو ہم چلیں گے تمہارے پروفیسر کے گھر تمہارا رشتہ مانگنے۔'' وہ اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولے اور اسامہ نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا اور اس کی دونوں مٹھیاں بھینچ گئیں چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔

☆......☆......☆

''اور یہ سسی کون تھی؟'' اور آج کی رات اسامہ شیرازی پر بڑی بھاری تھی۔ سسی اُس کی خالہ زاد و چچا زاد تھی۔ اس کی ٹھیکرے کی مانگ، اس کی محبت اس کا پیار، وہ دونوں ایک ہی گھر میں ایک ساتھ کھیل کر جوان ہوئے تھے۔ انہیں معلوم

تھا کہ انہیں ایک ہونا ہے۔ اس لیے اُن کی آپس میں پسندیدگی محبت میں بدل گئی۔ اسامہ نے ہی اس میں تعلیم حاصل کرنے کا شوق جگایا تھا۔ وہ اکثر اسے چھیڑا کرتا تھا۔

''بڑا اچھا لگے گا اتنے پڑھے لکھے بندے کی بیوی جاہل ہوگی۔'' اور وہ شرما جاتی۔

اس نے اسامہ سے ہی میٹرک کا کورس منگوا کر گھر پر پڑھنا شروع کر دیا۔ اسامہ نے اس کی رجسٹریشن بھی کروادی تھی جو سمجھ میں نہیں آتا وہ اسامہ ہر ہفتے گھر آتا تو اس سے پوچھ لیتی تھی۔ اس نے میٹرک کا امتحان دیا اور سیکنڈ ڈویژن سے پاس کر لیا۔

پھر اسامہ نے اسے انٹر کا کورس لا دیا اور وہ پھر شد و مد سے پڑھائی میں مصروف ہوگئی۔ رجسٹریشن بھی ہوگئی مگر اس بار اسے امتحان دینا نصیب نہیں ہوا۔

وہ دن بدن کمزور اور پیلی ہوتی چلی جارہی تھی کھانے سے اس کی رغبت نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ دن بھر الٹیاں کرتی رہتی اور اس کا پیٹ بھی پھولتا چلا جارہا تھا۔

اور ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ اسے کسی ڈاکٹر کو دکھاتے اس پر بدکرداری کا الزام عائد کر دیا اور اس میں دونوں کو گھسیٹ لیا اور اس سلسلے میں چچا صاحب کی دوسری بیوی پیش پیش تھیں۔

''اے چھورا! شادی تو ہونی ہی تھی تم دونوں کی تو ایسی کیا گرمی چڑھی تھی کہ گھر کی عزت ہی روند ڈالی۔'' چچی نے زہر اگلا اور وہ بیٹھے سے کھڑا ہو گیا اور چچی پر چڑھ دوڑا مگر اس کی خالہ چچی اور اماں نے اُسے پکڑ لیا۔

''چچی صاحب! مجھے جو کہنا ہے کہو مگر سسی کی پاکیزگی پر اگر کوئی حرف بھی آیا تو خدا کی قسم میں سب کچھ تباہ کر دوں گا۔'' وہ غصے سے بے قابو ہو رہا تھا۔

''پاکیزگی ہنہ! اس کی پاکیزگی تو اس کے وجود میں نظر آرہی ہے۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولیں اور وہ اپنا وجود اماں اور خالہ چچی سے چھڑانے لگا مگر انہوں نے نہ چھوڑا۔

''کیچڑ میں پتھر پھینکنے سے گند خود پر آتا ہے اس عورت کی ہر بات کا جواب خاموشی ہے۔ خدا خود سسی کی بے گناہی ثابت کرے گا۔'' اماں نے کہا۔

''ہاں اگر ہوئی تو......'' چچی زہر خند لہجے میں بولتی وہاں سے چل دیں ایک زمانہ بعد تو انہیں سوکن اور سوتیلی بیٹی کے خلاف بولنے کا موقع ملا تھا۔

''اماں! اللہ سائیں کی مدد سے میں خود سسی کی بے گناہی ثابت کر دوں گا۔'' اس نے پرعزم لہجے میں کہا اور گھر سے ہی نہیں گوٹھ سے بھی چلا گیا۔ دوسرے دن صبح اس کی واپسی ایک لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ ہوئی۔ ڈاکٹر نے سسی کا چیک اپ کیا اور جب وہ سب کے سامنے آئی تو شدید غصے میں تھی۔

آپ لوگ کس قسم کے انسان ہیں بچی کا کیا حال کر دیا ہے گھر میں رکھے رکھے وہ ہیپاٹائٹس کی مریض ہے پیٹ میں پانی بھر گیا ہے۔'' وہ غصے سے چلائی۔

''ہیپاٹائٹس کون سا والا ڈاکٹر صاحب۔'' وہ چونک کر بولا۔

''یہ تو مختلف ٹیسٹ سے ہی پتہ چلے گا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''فی الحال تو بچی کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرنا

ضروری ہے۔ پیٹ کا پانی نکالنے کے لیے، یہ پانی Infected ہوتا ہے اور زیادہ عرصہ بھرے رہنے سے زہریلا ہو جاتا ہے۔ جو مریض کی زندگی کے لیے زہر بن جاتا ہے۔'' ڈاکٹر نے تفصیلاً کہا۔

پھر وہ بابا صاحب اور چچا صاحب اسے شہر ہاسپٹل لے آئے جہاں اسے آخری اسٹیج میں ہیپاٹائٹس سی Diagnose ہوا پیٹ سے پانی نکالنے کی بھی ایک Limit تھی۔ پھر وہ زیادہ عرصے زندہ بھی نہیں رہی بمشکل ایک ماہ زندہ رہی۔ مگر مرنے سے پہلے اس نے اسامہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''میں تمہارا یہ احسان مرنے کے بعد بھی نہیں بھولوں گی۔'' اس کی آنکھوں میں نمی تھی مگر اب مسکرا رہے تھے۔

''کون سا احسان......؟'' وہ حیرانی سے بولا۔

''اس الزام سے بری کروانے کا احسان...... میں نے بابا، اماں، خالہ سب کی نظروں میں شک دیکھا تھا اور میں تل تل مر رہی تھی مگر تم نے مجھے زندہ کر دیا۔ اب بھی مرنے سے زیادہ تم سے جدا ہونے کا دکھ ہے۔ اس الزام اور شک کی فضا میں صرف ایک تم تھے جو میرے ساتھ کھڑے تھے میرا دفاع کر رہے تھے مجھے پاکیزہ ثابت کرنے کو جان لڑا رہے تھے۔ تم نے مجھے سرخرو کر دیا۔'' اور پھر وہ مر گئی اور اسامہ کو لگا کسی نہیں اسامہ مر گیا ہے اسے بہت عرصہ لگا سنبھلنے میں کسی کے بعد کسی کے لیے بھی اس کے دل میں محبت نہیں جاگی۔ وہ بے حس سا ہو گیا تھا۔

اب پورے تین سال بعد نظروں کو صرف اس لڑکی کی صورت بھلی لگی تھی کیا اس لڑکی میں واقعی کوئی عیب ہے اگر نہیں تو احسن صاحب اسے کیوں اس طرح سے اس پر مسلط کر رہے ہیں۔

اور اگر عیب ہے تو پھر کیوں وہ شبنم کے قطروں کی طرح معطر اور پاکیزہ دکھتی ہے اگر وہ وہی ہے تو، کیا وہ یہ بار اٹھا پائے گا اس نے سوچا تبھی فجر کی اذانوں کی پُرنور آوازوں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا اس نے اُٹھ کر نماز پڑھی۔

اور سجدے میں گر کر رو کر گڑگڑا کر اپنے ذہنی سکون اور ثابت قدمی کی دعا مانگی۔

☆......☆......☆

اور اس سے اگلے ہی ہفتے اسامہ کے بابا صاحب، چچا صاحب، خالہ، چچی اور اماں سب پرشیے کا رشتہ مانگنے احسن صاحب کے گھر موجود تھے۔

اسامہ شیرازی نسلاً سندھی نہیں تھا اس کے آباؤ اجداد نے کئی سو سال پہلے ایران سے ہجرت کی تھی۔ اور انہوں نے سندھ کی سرزمین کو اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ روپے پیسے کی کمی نہیں تھی خوب زمینیں اور جائیدادیں بنائیں۔ یہاں کے رسم و رواج اور پھر اصل جاگیرداروں جیسا کروفر اور برائیاں اُن میں پنپتی چلی گئیں۔ اب وہ یہاں کے روایتی جاگیرداروں جیسا مزاج رکھتے تھے۔ بس اسامہ ہی طبیعتاً کچھ مختلف نکلا تھا۔ اب اُن کا لب و لہجہ تک سندھی ہو چکا تھا۔

عائشہ اور خود احسن سلطان بھی محسوس کر رہے تھے کہ آنے والے کچھ زیادہ خوش نہیں ہیں بلکہ زیادہ کیا وہ قطعی خوش نہیں تھے۔ اور یہ بات چھپا بھی نہیں رہے تھے اُن کے انداز میں محسوس کی جانے والی رعونت تھی، ناگواری تھی۔

''سائیں! آپ نے ہمارے پٹ کو جو پروپوزل دیا ہے ہم اس سلسلے میں آئے ہیں۔''

عمر شیرازی نے رعونت سے کہا۔

''تو کیا آپ کو میرا پروپوزل منظور ہے۔'' احسن سلطان نے آس سے پوچھا۔

''مجبوری ہے سائیں! آپ ہماری جوان اولاد کو ورغلائیں گے اور وہ ہم پر زور دے گی تو پھر تو مجبوری ہو جاتی ہے ناں سائیں!'' عمر شیرازی ناگواری سے بولے۔ تو احسن صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''اسامہ! میں نے تم سے کہا تھا تم انکار کر سکتے ہو۔'' وہ بھی ناگواری سے بولے۔

''مگر مجھے قطعی انکار نہیں ہے۔'' وہ عمر شیرازی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''لیکن غالباً تمہارے گھر والوں کو ہے تم نے کہا تھا کہ تم گھر والوں کی رضامندی کے ساتھ آؤ گے مگر یہاں تو سب برعکس ہے۔'' وہ اسامہ کو نظروں میں جانچتے ہوئے بولے۔

''سر! میں نے غالباً آپ کو بتایا تھا کہ ہمارے جوڑ یا بے جوڑ برادری میں ہی شادیاں ہوتی ہیں تو تھوڑا بہت تو اُن کا موڈ خراب ہو گا ہی۔'' اس نے اپنے گھر والوں کا دفاع کیا۔

''اور اگر ہم ضرورت محسوس کریں گے تو اب بھی اس کی دوسری شادی برادری میں کر دیں گے۔'' چچا صاحب نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

''یہ بات ذہن میں رکھیے گا۔''

''خیر اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مسلمان مرد جب چاہے بغیر کسی وجہ کے دوسری، تیسری اور چوتھی شادی کر سکتا ہے۔'' احسن صاحب نے کہا اور عائشہ نے بے یقینی سے شوہر کو دیکھا۔

''پھر ٹھیک ہے سائیں! باقی باتیں طے کر لیتے ہیں۔'' عمر شیرازی نے کہا۔

''عائشہ! جا کر دیکھو ابھی تک چائے کیوں نہیں آئی۔'' احسن صاحب نے کہہ کر عائشہ کو وہاں سے اُٹھا دیا اور وہ تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گئیں اور جب وہ ٹرالی سمیت اندر آئیں تو سب کچھ طے ہو چکا تھا۔

جاتے وقت اماں اور خالہ چچی عائشہ کو بتا کر گئیں کہ اسامہ سسی سے محبت کرتا تھا، کرتا ہے اور کرتا رہے گا اور اگر ابھی بھی احسن صاحب زور نہ دیتے تو وہ اس زبردستی کی شادی کے لیے تیار نہیں تھا اور عائشہ نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھ لیا کہ کیوں احسن صاحب اُن کی بچی کو زبردستی اسامہ پر مسلط کر رہے تھے کیا یہ کوئی انتقام تھا اور اگر تھا بھی تو بہت بھیانک انتقام تھا۔

اور یہی سوچ انہیں احسن صاحب کے روبرو لے آئی۔

''کیوں کر رہے ہیں آپ ایسا؟'' وہ نم لہجے میں بولیں۔

''کیوں؟'' انہوں نے حیرت سے عائشہ کو دیکھا۔

''کیا شادی نہیں کرنی ہے اِس کی؟''

''شادی کرنی ہے مسلط نہیں کرنا ہے کسی پر جن لوگوں کی زبانیں ابھی سے کاندھوں پر پڑی ہیں وہ کیا سلوک کریں گے اس کے ساتھ اس کا اندازہ ہے آپ کو؟'' وہ دکھی لہجے میں بولیں۔

''اس کے ساتھ ہونا بھی یہی چاہیے۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولے۔

''اور یوں بھی اس کا باغی انداز دیکھا ہے اگر اسے یونہی چھوڑ دیا تو ورشے سے بڑا چاند چڑھائے گی۔''

''آپ کو اچھی طرح معلوم ہے ورشے بھی بے قصور تھی اور پرشے بھی صرف ناانصافی پر

احتجاج کرتی ہے اور رہ گئی بغاوت تو وہ میں دیکھ چکی ہوں ماشاء اللہ تھانے تک ہو آئے ہیں۔'' وہ بھی غصے سے بولیں۔

'' جاہل عورت! میں نے منع کیا تھا ناں کہ یہ بات آئندہ منہ سے نہ نکلے۔'' وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہاتھ اٹھالیا مگر مارا نہیں۔

'' اس کی تعلیم ابھی ادھوری ہے اسے بہت شوق سے پڑھنے کا۔'' وہ روسی دیں۔

'' بس بہت ہے انٹر...... زیادہ ڈگریاں لے لیں تو زیادہ دماغ خراب ہوجائے گا، ابھی بھی کون سا جگہ پر ہے اور ہاں اسے اپنے انداز میں بتا دینا کیونکہ اگر میں نے بتایا تو انداز دوسرا ہوگا۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولے اور عائشہ دکھی دل سے باہر چل دیں۔

☆......☆......☆

احسن سلطان کلاس لینے جارہے تھے تبھی اُن کے موبائل پر بیپ ہونے لگی۔ انہوں نے دیکھا کوئی Unknown نمبر تھا۔ انہوں نے گرین بٹن پش کیا اور موبائل کان سے لگالیا۔

hello! Ahsan Sultan''

Speaking۔'' انہوں نے کہا۔

'' شاہد آفندی بات کررہا ہوں میں آپ کے بیٹوں کا پرنسپل ہوں۔ کیا آپ فوراً آسکتے ہیں۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔

'' جی ضرور ضرور مگر بات کیا ہے؟'' انہوں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

'' بات طویل ہے آپ کا آنا ضروری ہے۔'' شاہد آفندی نے کہا۔

اور وہ پرنسپل سے ضروری کام کا کہہ کر اصفہان اور ارمغان کی یونیورسٹی پہنچے اور سیدھے پرنسپل کے آفس پہنچے جہاں اصفہان اور ارمغان کے علاوہ دو لڑکے اور تھے ایک کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور دوسرے کی ایک آنکھ اور گال سوجا ہوا تھا۔

'' السلام علیکم! میں احسن سلطان ہوں، کہیے کیسے بلوایا؟'' انہوں نے بلاتمہید کہا۔

'' وعلیکم السلام! بیٹھیے۔'' شاہد آفندی نے کہا تو احسن سلطان بیٹھ گئے۔

'' مسٹر احسن! مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑرہا ہے کہ آپ کے دونوں بیٹے یہاں پڑھنے نہیں، دنگے فساد کرنے آتے ہیں آئے دن لڑائی جھگڑے مار پیٹ، رزلٹ ہے تو صفر...... آج بھی اس نوجوان کا سر بوتل مار کر پھاڑ دیا اور یہ دوسرے کا دیکھیں کیا حشر کیا ہے۔'' وہ نہایت خفگی سے بول رہے تھے اور احسن سلطان کے الفاظ گم تھے۔

'' میں نے یہ لاسٹ وارننگ کے لیے آپ کو کال کیا ہے اس کے بعد میں انہیں یونیورسٹی سے فارغ کردوں گا۔'' وہ نہایت غصے میں تھے اور احسن سلطان گم صم......

☆......☆......☆

'' تم دونوں کی شکایات دن بدن بڑھتی نہیں جارہی ہیں۔'' واپسی کے سفر میں احسن سلطان نے غصے سے کہا۔

'' تو بابا! کوئی خوامخواہ لڑے گا تو ہم ہاتھ باندھ کر تو نہیں بیٹھ سکتے۔'' اصفہان نے خاصی بدتمیزی سے کہا۔

'' خوامخواہ......'' احسن سلطان نے اصفہان کو گھورا۔

'' کسی کی فرینڈ پر جملے بازی کا سنا ہے میں نے تو۔'' وہ گرجے مگر یہاں اُن کی بیٹیاں تھوڑی

تھیں جو سہم جاتیں۔
''تو کیا ہوا پاپا! یہ سب تو چلتا ہے۔'' جواب ارمغان کی طرف سے خاصی لاپروائی سے آیا۔
''تو اور کیا اس میں اتنا بھڑکنے والی کیا بات تھی۔ وہ بھی تو لائن کرا رہا تھا ہم نے کرادی تو کونسی بڑی بات ہوگئی۔'' اصفہان نے خاصے لوفرانہ انداز میں کہا احسن صاحب کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔
''یہ کس قسم کی زبان میں تم لوگ بات کر رہے ہو، تم لوگوں کو احساس ہے کہ یہ گفتگو تم کس کے سامنے کر رہے ہو۔'' وہ غصے سے آؤٹ ہونے لگے۔
''اوہو بابا! اب بات آپ نے ہی تو شروع کی تھی۔ آپ نہ شروع کرتے اپنا پوائنٹ آف ویو تو ہمیں بھی کلیئر کرنا ہے ناں۔'' اصفہان بولا۔
''یعنی تمہیں اپنی حرکت پر کوئی افسوس نہیں ہے۔'' وہ جانچتی نظروں سے اصفہان کو دیکھتے ہوئے بولے۔
''قطعی نہیں۔'' جواب مشترکہ تھا۔
''تو پھر ٹھیک ہے میں تم دونوں کا ٹرانسفر اپنی یونیورسٹی میں کروا رہا ہوں۔'' وہ حتمی انداز میں بولے۔
''سوچ لیں بابا! ہمارا تو یہی لائف اسٹائل ہے اور آپ کی اپنی یونیورسٹی میں بڑی عزت ہے کیوں اسے ملیامیٹ کرنے کے چکر میں ہیں۔'' ارمغان ہنسا۔
''آپ کو یاد نہیں ہے وہ انسپکٹر بار بار کیا کہہ رہا تھا چراغ تلے اندھیرا۔'' اصفہان بھی ہنسا۔
اور احسن سلطان کی نظروں تلے سچ مچ اندھیرا چھا گیا مگر واپسی پر پھر ایکسیڈنٹ کا بہانا تیار تھا۔ مگر علیشے چپ نہ رہ سکی۔
''بابا! بھائیوں کے آج کل کچھ زیادہ ایکسیڈنٹ نہیں ہو رہے؟''
''اپنے کام سے کام رکھا کرو سمجھیں۔'' انہوں نے انگلی اُٹھا کر تنبیہ کی۔

☆......☆......☆

''میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ وہ اپنا نمبر خود دے گی۔'' روحیل نے فخریہ فرضی کالر اونچے کیے۔
''بلکہ یہی نہیں کل اس نے میرے ریکویسٹ بھیجنے پر مجھے اپنی فیس بک آئی ڈی پر ایڈ بھی کرلیا ہے۔''
''گڈ یہ کام کیا ہے تم نے، اب وہ جو جو تصاویر شیئر کرے اُن کی ہارڈ کاپیز بنوا کر رکھتے جانا۔'' مانو نے اپنے ہاتھوں کی کیوٹکس کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔
''او کے باس! کوئی اور حکم ویسے یہ دونوں متوالے آج نظر نہیں آ رہے۔'' روحیل نے پوچھا۔
''کلاس لے رہے ہیں جینئس۔'' وہ طنزیہ بولی۔
''پھر تمہارا پلان کیا ہے آج ڈسکس کرلیتے ہیں۔'' روحیل نے کہا۔
''کوئی خاص نہیں ان دونوں کا بریک اپ کروانا ہے پھر شیلز ے تمہاری حمیران میرا۔'' وہ کہہ کر دلکشی سے ہنسی۔
''اس سلسلے میں کوئی پلان ہے تمہارے ذہن میں۔'' روحیل نے مانو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''ہے تو مگر وہ آخری حربہ ہوگا۔ ابھی میں شہد کا استعمال کروں گی۔ زہر آخری حل ہوگا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''پھر بھی کیا پلان ہے۔'' روحیل نے تجسس سے پوچھا۔

''اُس کی جب ضرورت پڑے گی تب ہی ڈسکس کروں گی فی الحال اگلے ہفتے فینسی ڈریس شو ہے اس میں میں نے اور شیلزے دونوں نے حصہ لیا ہے۔ شیلزے دلہن کے کاسٹیوم میں ہوگی تم اس دن اپنا ڈیجیٹل کیمرا لے آنا اور شیلزے اپنی تصاویر ضرور فیس بک پر اپ لوڈ کرے گی اُن کی بھی ہارڈ کاپیز نکل والینا۔'' وہ ہدایات دے رہی تھی۔

''اب تو پیٹ میں کھد بد ہورہی ہے پلان بتا ہی ڈالو۔'' روحیل نے بے چینی سے کہا۔

''ہوسکتا ہے اس پلان کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ بہرحال تم غیر محسوس طریقے سے شیلزے کے نزدیک آؤ، حمیران سے بھی زیادہ نزدیک۔'' وہ زہریلے لہجے میں بولی۔

''او کے باس......'' روحیل ہنس کر بولا۔

☆......☆......☆

''پری! مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' عائشہ نے آخری پیپر کی تیاری کرتی پری سے کہا۔

''جی اماں!'' وہ سر اُٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔

''وہ بات کچھ ایسی ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آرہا میں تم سے کس طرح کہوں۔'' عائشہ نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

''کہہ دیں اماں! اب کوئی بھی انہونی انہونی نہیں لگتی ہے سنادیں بابا کا کوئی نیا حکم نامہ، کوئی نیا جبر اور ہمارے لیے صبر صبر اور صرف صبر۔'' وہ طنزیہ ہنسی اور عائشہ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگالیا۔

''بیٹا! تمہارے بابا نے تمہاری شادی طے کردی ہے۔'' انہوں نے بالآخر دھماکا کر ہی دیا۔

''کیا اماں! کیا کہا آپ نے اماں ابھی تو میں پڑھ رہی ہوں۔'' وہ گڑ گڑائی تھی۔

''تمہارے بابا کا خیال ہے کہ تمہارے لیے اتنی تعلیم کافی ہے۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں۔

''مگر اماں! مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔'' وہ بے بسی سے رودی۔

''بیٹا! تم اسامہ سے کہنا وہ تمہیں آگے پڑھنے کی اجازت دے دے گا وہ بہت سلجھا ہوا لڑکا ہے۔'' انہوں نے پری سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

''کون اسامہ؟'' وہ چیخی۔

''وہی جس کے حوالے سے ابھی کچھ دن پہلے وہ مجھ پر الزام لگا رہے تھے؟''

''ہاں وہی، اس دن جو مہمان آئے تھے جن کا تم اور علیشے پوچھ رہی تھیں وہ اسامہ کے اماں، ابا اور چچا، چچی تھے۔'' عائشہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''اماں! میرا اس سے کوئی چکر نہیں ہے بابا کو سمجھائیں میں نے تو کبھی اسے غور سے دیکھا بھی نہیں ہے۔'' وہ بے بسی سے رو رہی تھی۔

''مجھے پتہ ہے میری بچی! میری تینوں بیٹیاں حوروں کی مانند پاکیزہ اور باکردار ہیں۔'' وہ اُس کا سر سہلاتے ہوئے بولیں۔

''تو پھر کیوں اماں! کیوں ہر بار آپ کی ہی بیٹیوں کو سنگسار کیا جاتا ہے۔'' وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔ اور اس بات کا جواب اماں کے پاس کہاں تھا۔

☆......☆......☆

باقی کے معاملات بڑی تیزی سے طے ہوئے اور آج وہ انٹیریئر سندھ کے ایک علاقے کی ایک

بڑی سی حویلی میں دلہن بنی بیٹھی تھی۔ علیشے نے اُسے دیکھ کر کہا تھا۔

''آنے! میں نے آپ سے زیادہ حسین دلہن آج تک نہیں دیکھی۔''

''گڑیا! تم نے دلہنیں دیکھی ہی کتنی ہیں۔ کتنی اجازت ہے ہمیں شادیوں میں جانے کی۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولی۔

''آنے! کم دیکھی ہیں مگر دیکھی تو ہیں اور ان سب میں آپ سب سے پیاری لگ رہی ہو۔'' وہ پیار سے بولی۔

''اچھا......'' وہ بے دلی سے بولی۔

''گڑیا تم اب اپنا خیال خود رکھنا۔ بھائیوں اور بابا سے دور رہنا۔'' مگر اس نے اَن سنی کردی۔

''آنے! تم آیا کرو گی ناں! ورشیے آپی کی طرح اس گھر میں آنا چھوڑ تو نہیں دو گی۔'' وہ آزردگی سے پوچھ رہی تھی۔

''پتہ نہیں گڑیا! میری قسمت کا فیصلہ ابھی میرے سامنے واضح نہیں ہے۔'' وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

''کیوں آنے! ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولی اور پرشیے نے اُس کے خوفزدہ چہرے کو دیکھا۔

''گڑیا! میں پوری کوشش کروں گی آنے کی۔'' وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔

''آنے! ورشیے آپی آج بھی نہیں آئیں حالانکہ ایک انکل آئے ہیں۔'' علیشے نے دکھی لہجے میں کہا۔

''اچھا ہوا نہیں آئیں ورنہ دکھی ہی ہوتیں کہ بابا اُن کو برباد کر کے بھی باز نہیں آئے۔'' وہ استہزائیہ ہنسی۔

''آجاتیں تو ہم مل تو لیتے۔'' وہ شدید قسم کی دکھی تھی۔

''ملنے نہ ملنے سے کچھ نہیں ہوتا بس دعا کرو کہ وہ جہاں رہیں خوش رہیں۔'' وہ ہولے سے ہنسی۔

''وہ تو میں کرتی ہوں اب آپ کے لیے بھی کروں گی۔'' وہ پیار سے اُسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ضرور کرنا ہمیں دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

اور اب پچھلے دو گھنٹے سے بیٹھے بیٹھے اُس کی کمر اکڑ گئی تھی۔ مگر کسی نے اس سے پانی تک کو نہیں پوچھا تھا جس کمرے میں اُس کو لا کر بٹھایا گیا تھا۔ وہ کسی بھی قسم کی سجاوٹ سے قطعی عاری تھا گو کہ کمرہ بہت خوبصورت تھا اور اس میں فرش کے قالین سے لے کر چھت پر لگے فانوس تک ہر شے انتہائی قیمتی اور خوبصورت تھی۔ مگر سجاوٹ کے لیے ایک بوکیٹ تک نہیں تھا جو کہ ظاہر کرتا یہ کمرہ کسی دلہن کے استقبال کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

اور جب نیند سے اُس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں تب دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ آنے والا اسامہ ہی تھا۔ وہ وہاں سے گزر کر باتھ روم چلا گیا واپس وہ فریش ہو کر آیا اور بیڈ کے پاس آکر رُک گیا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل سے ایک گرے مخمل کا کیس نکالا اس کے آگے بڑھایا۔

''یہ آپ کا رونمائی کا تحفہ ہے۔'' اسامہ کا لہجہ بڑا بے تاثر تھا اور اس نے بیڈ پر بیٹھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔ پرشیے نے ہاتھ بڑھا کر باکس تھام لیا اس نے بھی کھول کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

''مجھے نہیں پتہ، آپ میں کیا خرابی ہے یا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

آپ نے ایسی کون سی خطا کی ہے یا ایسا کیا کھوٹ ہے جو سر نے مجھ سے آپ کے ساتھ شادی کرنے کی ریکوسٹ کی مگر وہ میرے سر تھے اور میرے لیے قابلِ احترام ہیں اس لیے میں اُن کو انکار نہیں کر سکا۔'' اتنا کہہ کر وہ رکا اور تھکے تھکے انداز میں سائیڈ ٹیبل کے برابر میں رکھی چیئر پر گر سا گیا اور پرشیے کو لگا اس کے کانوں میں کسی نے گرم گرم کھولتا ہوا پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔ تو کیا آج روزِ قیامت ہے۔ اس نے سوچا۔

''میں تو مریم بھی نہیں ہوں پھر مجھ پر یہ الزامات کیسے؟ میرے اللہ اور میرے پاس تو کوئی عیسیٰ بھی نہیں جو میری پاکیزگی کی گواہی دینے اٹھ کھڑا ہو۔''

''میں بہت صاف گو انسان ہوں اور جو میرے دل میں ہوتا ہے وہی میرے لبوں پر ہوتا ہے۔ میں نے ہمیشہ برانڈڈ چیزیں استعمال کی ہیں اور اُن میں بھی میرا یہ حال ہے کہ کسی چیز میں نقطے کے برابر بھی خامی نظر آ جائے تو میں اسے رد کر دیتا ہوں۔ ملازمین میں بانٹ دیتا ہوں تو سوچیے بیوی کے لیے میرا معیار کیا ہوگا۔ اب آپ یقیناً میری اس پوری تقریر کا مقصد سمجھ چکی ہوں گی۔'' وہ بولا۔

''جی آپ کی پوری تقریر کا لب لباس یہ ہے کہ نہ میں آپ کا انتخاب ہوں اور نہ آپ کا معیار...... تو اب آپ مجھے میری اوقات کا بھی تعین کروادیں کہ مجھے یہاں کس حیثیت اور اوقات میں رہنا ہے۔'' اس نے گھونگھٹ اُلٹ کر پیچھے کیا اور نظریں اُٹھا کر بولی اور اسامہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ ماہم، ماہا، ماہ نور، ماہ رخ، ماہ جبیں اسے دیکھ کر کئی نام اس کے ذہن میں گونجے بدلیوں کی اوٹ میں چاند، لیکن اس کا اپنا نام کیا ہے۔ اس نے سوچا ہاں پرشیے واہ جس نے بھی رکھا ہے بڑا چھانٹ کر اور سوچ سمجھ کر رکھا ہے۔ اسامہ کی نظریں اس کے چہرے سے چپک کر رہ گئی تھیں جس کی معصومیت اور کم سنی اسے بے قصور ثابت کرنے کو مچل رہی تھیں۔

''وہ یہ درمیان میں جو دروازہ ہے یہ روم میں نے اپنے دوستوں کے لیے سیٹ کروایا تھا آپ اس روم کو استعمال کر سکتی ہیں۔'' وہ اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ کہتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے ساتھ ہی زیور نے کھنک کر اسامہ کو اپنی جانب متوجہ کیا اور اسامہ نے رخ موڑ لیا۔

☆......☆......☆

'' آپی! آپ شادی میں کیوں نہیں آئیں۔'' حذیفہ نے ورشیے سے کہا۔

''کیوں آتی؟'' وہ دوٹوک بولی۔

''اس لیے کہ کچھ آنکھیں وہاں آپ کی راہ تکتی ہیں کچھ کان وہاں آپ کی آہٹوں کے منتظر ہیں کچھ دل آپ کے لیے دھڑکتے اور کچھ دماغ آپ سوچتے ہیں۔'' وہ آہستہ آہستہ بولتا چلا گیا۔

''میں بھی اُن کچھ لوگوں کے لیے ایسا ہی محسوسات رکھتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''اچھا چلو چھوڑو یہ بتاؤ پرشیے کا شوہر کیسا ہے؟'' وہ پُرشوق لہجے میں بولی۔

'' تفصیلاً تو پتہ نہیں مگر بظاہر اچھا ہے خوبصورت ہے بلکہ یہ لفظ مردوں پر سوٹ نہیں کرتا ہینڈسم ہے عمر بھی زیادہ نہیں ہے MBA کر رہا ہے۔ انٹرئیر سندھ کی جاگیردار فیملی سے تعلق رکھتا ہے پیسہ بھی دل کھول کر ہے ماموں کا شاگرد ہے اور باقی اخلاق کا بھی اچھا ہے باقی عادات وغیرہ کا اندازہ نہیں ہے۔'' حذیفہ نے تفصیل سے

بتایا۔

''پری! خوش تھی۔'' ورشیے نے پوچھا۔

''نہیں پری مجھے خوش نہیں لگی۔ ہوسکتا ہے تعلیم چھوٹنے پر افسردہ ہو بہرحال وہ افسردہ اور روئی روئی سی تھی۔'' حذیفہ سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

''تم نے پوچھا بھی نہیں۔'' ورشیے نے شاکی نظروں سے اُسے دیکھا۔

''پوچھا تھا مگر آپ کو پتہ ہے ناں! کتنی گہری ہے وہ منہ سے بھاپ بھی نہیں نکالی۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''خدا خیر کرے پتہ نہیں بابا نے کیا کیا ہے اس کے ساتھ۔'' وہ خدشہ زدہ لہجے میں بولی۔

''خدا خیر ہی کرے گا انشاء اللہ پرشیے بہت سمجھدار ہے۔'' حذیفہ نے کہا۔

''انشاء اللہ......!'' ورشیے نے بھی کہا۔

☆......☆......☆

آج فینسی ڈریس شو تھا حمیران آج شیلزے کو دیکھنے کے لیے بے قرار تھا مگر ایسا ممکن نہیں تھا۔ وہ اسٹیج کے پیچھے بنے ہوئے مخصوص حصے میں تھی اور وہاں کسی کو بھی Participants کے علاوہ جانے کی اجازت نہیں تھی۔ مانو بھی وہیں تھی۔ اور ایسی ہی بے چینی روحیل کو بھی تھی۔ اور دونوں کی مرکز نگاہ بھی ایک ہی شخصیت تھی۔

اور پھر وہ لمحہ آ ہی گیا جب بے پناہ تالیوں کی گونج میں شیلزے کیٹ واک کرتی ہوئی اسٹیج پر جلوہ گر ہوئی اور پورا پنڈال سحر زدہ اور مبہوت ہوگیا اور آخر میں اسٹیج کے انتہائی اینڈ پر آ کر اس نے ایک خاص انداز میں پوز دیا اور واپس پلٹ گئی اور سوئے ہوئے مجمعے میں جان پڑ گئی۔ اپنی سیٹوں سے کھڑے ہوگئے تالیاں پیٹ پیٹ کر سب نے اپنی ہتھیلیاں سرخ کر لیں کچھ منچلوں نے زبان پر انگلی اور انگوٹھے رکھ کر وسلنگ شروع کردی مگر اس تمام سے بے نیاز روحیل مسلسل اپنے ڈیجیٹل کیمرے سے شیلزے کی فل اور چہرے کے کلوز اپ لے رہا تھا۔ مگر حمیران کی نظریں ابھی صرف شیلزے کے دامن حصار میں تھیں۔

اور آج ہی اسٹوڈنٹس ویک کا اختتام تھا۔ آج ہی پرائز کی تقسیم ہوئی تھی۔ شیلزے کو بہترین ڈبیٹر، بہترین پلیئر بیڈمنٹن، بیت بازی اور فینسی ڈریس شو کے انعامات ملے اور اسی وقت اس کے موبائل پر حمیران کی کال بھی آ گئی۔

''میڈم! چینج کرنے سے پہلے اِدھر آ جاؤ۔'' اس نے شیلزے کی ہیلو کے جواب میں کہا۔

''حمیران! بڑا آکورڈ سا لگے گا۔'' وہ اُلجھن زدہ لہجے میں بولی۔

''کوئی نہیں لگے گا میں تمہیں اس روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ ضدی لہجے میں بولا۔ تو اس نے ہار مان لی اور وہ آ گئی ساتھ ہی مانو بھی تھی۔

''جلدی سے دیکھ لو۔ ابھی پرائز ڈسٹری بیوشن ہونی ہے اس سے پہلے مجھے کپڑے بدلنے ہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''جلدی کس بات کی ہے میڈم ابھی وقت پڑا ہے پرائز ڈسٹری بیوشن میں۔'' وہ نظروں کے رستے اسے دل میں اُتارتا ہوا بولا۔

''اچھا جلدی بتاؤ کیوں بلایا ہے۔'' وہ عجلت میں بولی۔

''اس لیے بلایا ہے کہ دل چاہ رہا ہے ابھی نکاح پڑھوا کر گھر لے جاؤں۔'' وہ شرارتی انداز سے بولا۔

''بے ہودہ۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ

بولی۔

''اچھا اب کوئی مذاق نہیں مجھے تمہاری تصویریں لینی ہیں۔'' حمیران نے اپنا موبائل کیمرہ آن کیا۔

''مجھے بھی۔'' اس کے ساتھ ہی روحیل اور مانو سمیت سارے دوستوں کی آواز آئی اور اس نے مختلف پوز دیے سب کے کیمروں اور روحیل کے ڈیجیٹل کیمروں میں یہ مناظر محفوظ ہوں گے بلکہ سب سے زیادہ روحیل کے کیمرے میں وہ ہر زاویے سے اس کے پوز لے رہا تھا۔

☆......☆......☆

ملازمہ وسائی ڈھلے ہوئے کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے ہوئے اندر آئی۔ پرشیے نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا کپڑے اسامہ کے تھے۔

''وسائی! تم یہ سب یہاں رکھ دو میں ترتیب سے رکھ دوں گی۔'' اس نے کہا۔

''ناں جی بی بی ناں! چھوٹے سرکار غصہ ہوں گے وہ میرے ہاتھ کے علاوہ کسی اور سے اپنی الماری سیٹ نہیں کرتے اپنے بچپن سے میں ہی ان کی الماری سیٹ کرتی ہوں۔'' وسائی نے کہا تو اس نے وسائی کو دیکھا وہ اسی کی ہم عمر تھی۔ اس کے انداز میں ایک بانکپن تھا۔

''یہ جب کی بات ہے جب اُن کی شادی نہیں ہوئی تھی اب ان کی ہر چیز کی ذمے داری میری ہے۔'' وہ رسان سے بولی۔

''بی بی جی! آپ کی مرضی مگر صاحب غصہ بہت کریں گے۔'' وسائی نے اُسے ڈرانا چاہا۔

''نہیں کریں گے تم جاؤ۔'' اس نے کہا تو وسائی کندھے اُچکاتی باہر چلی گئی اور اس نے بڑی محنت سے اور دل لگا کہ اسامہ کی الماری کو ترتیب دیا اور اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔ غنودگی میں جاتے ہوئے اس نے کسی کو چیختے ہوئے سنا اور وہ ہڑبڑا کر اُٹھ کر اسامہ کے کمرے کی طرف دوڑی۔ جہاں وہ غصے سے وسائی کو آواز لگا رہا تھا اور وسائی بھی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو چکی تھی۔

''وسائی! میری الماری کو کسی نے ہاتھ لگایا ہے۔'' اس نے غصے سے پوچھا۔

''وہ جی چھوٹی بی بی جی نے۔'' وسائی نے کہتے ہوئے لبوں پر مسکراہٹ دبائی اور اس کی آنکھوں میں نم اتر آیا۔

''میم! آپ کے لیے بہتر ہوگا کہ میرے کاموں کے لیے خود کو ہلکان نہ کریں۔ اور یہ پہلے دن سے...... '' اتنا کہتے ہوئے اُسے کچھ احساس ہوا اور وہ مڑا۔

''وسائی! تم جاؤ اور کل میری الماری ٹھیک کر دینا۔'' اسے وسائی سے کہا۔

''جی بہتر۔'' کہتے ہوئے وسائی باہر نکل گئی جس کے لبوں پر تمسخر پھیلا ہوا تھا۔

''اور ہاں میم پرشیے! یہ پہلے دن سے طے ہو چکا ہے کہ مجھ پر اور میری کسی چیز پر آپ کا کوئی حق نہیں ہے۔''

''ہو چکا ہے ناں!'' وہ خاصی درشتی سے بولا اور اس نے نم آنکھوں دبے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اور جھکے ہوئے سر کے ساتھ سر ہلایا۔

''تو پلیز دخل در معقولات مت کریں۔'' وہ جھنجلا کر بولا۔ اور وہ محض سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

اور کمرے میں آ کر بیڈ پر لیٹ گئی آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اُس کی آنکھوں سے بہنے لگے اور کافی دیر بعد اس نے اُٹھ کر چہرہ دھویا اور وضو کر کے نماز کے لیے کھڑی ہوگئی۔ تب ہی اسامہ اندر داخل ہوا

دوپٹے کے ہالے میں اس کا رویا رویا چہرہ بڑا مقدس لگ رہا تھا۔ کیا گناہ گاروں اور خطا کاروں کے چہرے ایسے ہوتے ہیں وہ نیم دراز کرسی پر بیٹھا اسے سوچے جا رہا تھا۔ جو نماز کے بعد دعا مانگنے میں موتی بے دریغ لٹا رہی تھی اور نماز ختم کر کے وہ جائے نماز تہہ کر کے رکھ رہی تھی تبھی اسامہ نے کہا۔

''آئی ایم سوری! مجھے تمہارے ساتھ اس طرح روڈلی بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔'' وہ شرمندہ سے لہجے میں بولا۔

''لیکن آپ کر چکے ہیں ملازمہ کے سامنے آپ نے جو میری عزت افزائی کی ہے وہ میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔'' وہ بولی۔

''پتہ نہیں کیوں...... شروع سے میری الماری وسائی اور اس سے پہلے اس کی اماں حاجراں ٹھیک کرتی رہی ہیں۔ اور ان کے علاوہ کوئی بھی میری الماری کو ہاتھ لگائے مجھے پتہ بھی چل جاتا ہے اور غصہ بھی آتا ہے میری الماری میں گھسنے کی اجازت نہ میری اماں کو ہے اور نہ ہی کسی کو تھی۔'' وہ آزردہ سا بولا۔ اور پرشیے کی سوالیہ نظریں اسامہ کی جانب اٹھیں۔

"Sassi Was My Fiancee & My Love" ۔وہ دکھی لہجے میں بولا۔

''اوہ!'' اس کے لب تحیر سے وا ہوئے۔

''تو یہ وجہ ہے۔''

''اوہ مت کرو، She Is No More۔''

وہ اسی دکھ سے بولا اور اُٹھ کر باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

اصفہان اور ارمغان دونوں ہوسپٹل میں تھے۔ انہیں اُن کے دوستوں نے بہت بری طرح سے مارا تھا۔ وہ سب نشے میں تھے۔ اس دوران اُن کی کسی بات پر بحث و تکرار ہوگئی اور دو گروپ بن گئے جس میں ایک گروپ نے دوسرے گروپ کو مار مار کر ہوسپٹل پہنچا دیا۔

احسن سلطان بڑے غصے میں تھے وہ کیس پولیس میں لے جانا چاہتے تھے مگر مارنے والوں کے والدین کی طرف سے دھمکی موصول ہوئی۔

''اگر کیس پولیس میں گیا تو پہلے الیکٹرانک میڈیا پر آئے گا اور ہمارے گھر میں لگے کیمراز میں آپ کے دونوں بیٹوں کی نشے میں دھت اور پینے پلانے کی فوٹیج دکھائی جائے گی۔'' اور احسن سلطان دھپ ہو کر بیٹھ گئے۔ مگر انہوں نے عائشہ سے کہہ دیا۔

''اصفہان کا ماسٹرز مکمل ہونے والا ہے اس کے لیے لڑکی دیکھیں تاکہ گھر کی ذمے داریوں میں پڑ کر اس کا دھیان اِن عیاشیوں کی طرف سے ہٹے۔'' اور عائشہ طنزیہ ہنسی تھیں۔

☆......☆......☆

''حمیران! مجھے ماڈلنگ کی آفر ہوئی ہے۔'' فینسی ڈریس شو کے اگلے ہی ہفتے وہ اُسے بتا رہی تھی اور سب کی واؤ کی آواز آئی۔

''اگر میں کہوں کہ انکار کر دو۔'' حمیران نے اُسے دیکھا۔

''تو میں نے انکار کر دیا۔'' اس نے موبائل نکال کر اس پر کچھ ٹائپ کیا اور سینڈ کا آپشن پریس کر دیا۔

''تھینکس!'' حمیران نے ممنونیت سے کہا۔

''یہ کیا اس نے کہا اور تم نے انکار کر دیا۔ تمہاری کوئی اپنی سوچ نہیں ہے اس سے ہٹ کر بھی تمہاری ایک شخصیت ہے۔'' مانو تپ ہی گئی۔

''مانو! میری اس سے کمٹ منٹ ہے اگر

اسے نہیں پسند تو نہ سہی۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''تم اتنا اچھا موقع اور اپنا شوق محض اس کے کہنے پر گنوار ہی ہو۔'' مانو نے جل کر کہا۔

''اچھا موقع کس لحاظ سے......اور رہ گیا شوق تو مجھے ماڈلنگ کا شوق نہیں ہے مجھے اس کی آفر آئی ہے۔'' اس نے مانو کے غصے کو حیرت سے دیکھا۔

''اچھا موقع اس لحاظ سے کہ ماڈلنگ سے ڈراموں میں اداکاری اور فلموں کی راہیں کھلتی ہیں اور کام کرو گی تو شوق بھی پیدا ہو ہی جائے گا۔'' مانو نے اس کی حیرت کو دیکھ کر سمجھانے والا انداز اختیار کیا۔

''نہیں اگر حمیران کو ناپسند ہے تو ایسا شوق جائے جہنم میں۔ اور مجھے نہ ڈراموں کا شوق ہے نہ فلموں کا۔'' وہ بے زاری سے بولی۔

''یار! اتنا اچھا موقع مس کر دیا۔ ہم بھی لوگوں میں ٹور دکھاتے کہ ہماری بیسٹ فرینڈ ملک کی ٹاپ ماڈل اور مایہ ناز اداکارہ ہے۔'' شرمین نے آہ بھری۔

''واقعی......'' علی اور مصطفیٰ بھی بولے مگر روحیل بغور اُن سب کے تاثرات ملاحظہ کر رہا تھا۔

''تم سب کو اگر اتنا ہی دکھ ہے تو تم لوگوں کو چانس دلوا دیتی ہوں۔'' وہ مزے سے بولی۔

''ہاں ہاں۔'' شرمین، علی اور مصطفیٰ نے شور مچایا۔

''میں سفارشوں پر چلنے والی نہیں ہوں مجھے جو کرنا ہوگا خود کروں گی۔'' مانو نے ان سب کے برعکس سرد لہجے میں کہا۔

اور اُٹھ کر کھڑی ہوگئی اور ساتھ ہی روحیل بھی وہ تھوڑا آگے آئے تو روحیل سے دبی آواز میں کہا۔

''تم ان دونوں ہنسوں کے جوڑے کو بھی تو دیکھو ایک دوسرے کی ہاں میں ہاں ملائے جاتے ہیں اُن کو جدا کرنا آسان نہیں ہے اُن کے لیے مجھے کسی انتہا کا ارتکاب کرنا ہی پڑے گا۔ بہرحال اس سے پہلے تم سے جو بن پڑتا ہے وہ تم کر کے دیکھو لو اگر کام نہ نکلا تو میں تمہیں بتاؤں گی کہ کیا کرنا ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔

☆......☆......☆

''اصفہان! یہ دیکھو اس لفافے میں دو لڑکیوں کی تصاویر ہیں اِن میں سے تمہیں جو پسند ہے بتا دو اس کے علاوہ تمہاری پھوپی زاد بھی ہے اور خاندان میں بھی کوئی لڑکی ہے تو بتا دو تمہارے بابا اب تمہارے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔'' عائشہ نے ایک لفافہ اصفہان کے آگے رکھا۔

''مگر مجھ سے پوچھ تو لیتیں اس تلاش میں نکلنے سے پہلے۔'' وہ لاپروائی سے بولا اور احسن نے اس کو دیکھا۔

''مطلب یہ کہ مائی ڈیئر مام میں لڑکی پسند کر چکا ہوں۔'' اس نے دھماکا کیا اور عائشہ نے بے اختیار احسن صاحب کو دیکھا اور انہوں نے آنکھوں پر لگا چشمہ اُتار کر ہاتھ میں پکڑا۔

''کون ہے وہ؟'' اب سوال احسن سلطان کی طرف سے ہوا۔

''ساتھ پڑھتی ہے مجھے پسند ہے۔'' وہ خاصی ڈھٹائی سے بولا۔

''ٹھیک ہے عائشہ! زندگی اس نے گزارنی ہے اسے جو پسند ہے اسے چل کر دیکھ لیتے ہیں۔'' انہوں نے کہا تو عائشہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ بیٹیوں پر اپنے فیصلے ٹھونسنے والا یہ شخص کس آسانی سے بیٹوں کو پسند کا حق دے رہا تھا۔

(جاری ہے)

افسانہ

نگہت اعظمی

اَن کہا دُکھ

''تمہارے بغیر سانس لینا محال ہے۔ میں تو تمہارے بغیر جنت میں بھی رہنے کا تصور نہیں کرسکتا۔ تم میرے سامنے نہیں ہوتیں۔ تو مجھے یہ ساری دنیا بے رنگ نظر آتی ہے۔ میری زندگی کا ہر رنگ تم سے ہے۔'' وہ اُن کی اِن محبت بھرے جملوں پر......

صبح سے ایک ہی جملے کی بازگشت اُن کے دل کو مسلسل زخمی کررہی تھی۔ ہر بار جب یہ جملہ اُن کے ذہن میں کلبلاتا اُن کے دل پر ایک کاری زخم لگتا۔ کبھی کبھی زبان کا بچھو ایسا ڈنک مارتا ہے کہ جس کا زہر دل کے اندر تک سرایت کرجاتا ہے اور لمحوں میں زندگی کی ساری توانائیوں کو منجمد کردیتا ہے۔

وہ بھی ایک جملہ سُن کر اندر سے بے جان ہوکر رہ گئیں تھیں۔ انہیں لگا جیسے اُن کے اندر کی ساری روشنیاں گہری تاریکی میں تبدیل ہوگئیں۔ اُن کا سارا وجود مٹی کا بے جان تودہ بن گیا۔ حالانکہ بات اتنی بڑی بھی نہیں تھی لیکن اُن کے دل پر جاکر کچھ زیادہ ہی زور سے لگ گئی یا شاید وہ کچھ زیادہ ہی حساس ہوگئی تھیں۔

جب سے انہوں نے یہ سُنا تھا وہ درد اور اذیت کی کیفیت سے نکل ہی نہیں پارہی تھیں۔ سارا دن انہیں بات بے بات غصہ آتا رہا۔ اسکول جاکر بھی وہ خاصی اَپ سیٹ رہیں، نہ بچوں کو صحیح سے پڑھایا نہ اسٹاف روم میں بیٹھ کر اپنی کولیگز کے ساتھ گپ شپ کی۔

اُن کی مضمحلی اور اُداسی کو اُن کی سب قریبی دوست آصفہ سے لے کر وائس پرنسپل مسز ہدایت تک نے محسوس کیا۔ لیکن انہوں نے سر میں درد کا بہانہ بنا کر سب کو ٹال دیا۔

گھر آکر بھی بہت بد دلی سے روزانہ کے کام نمٹائے اور سرِ شام ہی سونے کے لیے لیٹ گئیں۔

آج لیلیٰ کی نائٹ ڈیوٹی تھی۔ اُسے اسپتال میں ہی رُکنا تھا۔ وہ ایم بی بی ایس کر کے ہاؤس جاب کررہی تھی۔ وہ گھر میں ہوتی تو شاید سمجھ جاتی کہ وہ اتنی اُداس کیوں ہیں؟ صبح اس کو تو یونیورسٹی ڈراپ کرتے ہوئے یہ حادثہ پیش آیا تھا۔ لیکن شاید وہ بھی نہ سمجھ پاتی۔

اُس نے تو شاید غور بھی نہ کیا ہوگا اور اگر سُنا بھی ہوگا تو کوئی خاص اہمیت بھی نہ دی ہوگی شاید اُس کے نزدیک یہ بہت معمولی بات ہو۔

لیلیٰ اُن کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ اُس سے

چھوٹا بیٹا جو این ای ڈی میں تھرڈ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا اُس سے چھوٹی نائلہ تھی۔ جو اُن ہی کے اسکول سے اے لیول کر رہی تھی۔

اُن کے شوہر آرمی میں میجر تھے اور وانا کے محاذ پر شہید ہو گئے تھے۔ اُس وقت لیلیٰ ساتویں میں، بابر پانچویں میں اور نائلہ کلاس ون میں تھی۔

علاج نہیں ہوتا۔ شوہر کے بعد اکیلے گھر میں رہنا اُن کے لیے بہت اذیت ناک تھا۔

بچوں کے اسکول جانے کے بعد اُن کے پاس شوہر کو یاد کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ ہوتا۔ وہ تھے بھی بہت لونگ، کیئرنگ اور بیوی بچوں پر جان چھڑکنے والے اور وہ ایسے نہ بھی ہوتے تب

انہوں نے اکنامکس میں ماسٹرز کیا تھا۔ جب تک اُن کے شوہر زندہ رہے انہوں نے نوکری نہیں کی۔ شوہر کے شہید ہونے کے بعد انہیں حکومت کی طرف سے عسکری اسکیم 4 میں فلیٹ مل گیا تھا۔ اس کی کچھ قسطیں دی جا چکی تھیں اور باقی معاف ہو گئی تھیں۔

معاشی طور پر انہیں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اُن کے شوہر بہت پیسے والے تھے۔ میکے کی طرف سے بھی وہ بہت خوشحال تھیں۔ لیکن پیسہ ہی ہر دکھ کا

بھی اُن کے بغیر اس کی زندگی ایسی ہی ویران ہو جاتی۔

وہ تو نکاح کے بعد سے ہی اُن کی محبت میں سب کچھ بھلا بیٹھی تھیں۔ انہوں نے کبھی کوئی آئیڈیل نہیں بنایا تھا۔ وہ بہت میچور ذہن کی مالک تھیں۔ وہ اس قسم کی فضولیات پر یقین نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن جب انہوں نے فواد کو دیکھا۔ تو انہیں لگا جیسے اُن سے زیادہ دلکش، خوبرو اور مکمل انسان دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

منگنی، نکاح اور رخصتی یہ سارا وقت خوابوں کے جزیروں میں خوشبوؤں اور رنگوں کی تتلیاں پکڑتے گزرا تھا لیکن رخصتی کے بعد فواد کے ساتھ انہوں اُن کی زندگی ایسی گزری جیسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے جنت زمین پر اُتار دی۔

دن جتنے خوبصورت تھے اتنا ہی اُن کا دل واہموں میں گرفتار ہوتا چلا جارہا تھا۔ اُن کا دل چاہتا وہ وقت کو قید کرلیں۔ اِن لمحوں کو ہاتھ سے نکلنے نہ دیں۔ فواد کی محبت ایسا طلسم تھا جس نے چاروں طرف سے انہیں گھیر رکھا تھا۔

وہ ایک لمحے کے لیے بھی اِس طلسم جانے سے نکلنا نہیں چاہتی تھیں۔ لیکن انسان کتنا بے بس ہے۔ یہ انہیں فواد کی شہادت کے بعد پتہ چلا جب وہ محبت سے گندھا ہوا شخص جو اُن کی آنکھ میں غم کی پرچھائیں دیکھ کر بھی بے چین ہوجایا کرتا۔ اُن کی آہوں اور سسکیوں سے بے نیاز مسکراتا ہوا اپنی ابدی حیات کی طرف گامزن ہوگیا۔ وہ جو کہتا تھا۔

''تمہارے بغیر سانس لینا محال ہے۔ میں تو تمہارے بغیر جنت میں بھی رہنے کا تصور نہیں کرسکتا۔ تم میرے سامنے نہیں ہوتیں۔ تو مجھے یہ ساری دنیا بے رنگ نظر آتی ہے۔ میری زندگی کا ہر رنگ تم سے ہے۔'' وہ اُن کی اِن محبت بھرے جملوں پر خوشیوں کے رتھ پر سوار ہواؤں میں اڑنے لگتیں۔ لیکن لمحوں میں سب خاک ہوگیا۔

آگ کے شعلوں نے ہر شے کو بھسم کردیا۔ وہ زندگی کے جلتے سلگتے صحرا میں تنہا کھڑی رہ گئیں۔ محبتوں کی کہانیاں خواب ہوگئیں۔ فواد کے دنیا سے جانے کے بعد وہ ذہنی مریضہ بن گئی تھیں۔

ہر وقت فواد کی باتیں ہر وقت اُن کا ذکر، اُن کی تصویریں انہوں نے پورے گھر میں لگا دیں تھیں۔ گھر کی ہر دیوار پر فواد کی تصویریں آویزاں تھیں۔ ہر جمعرات اُن کے نام پر قرآن خوانی کرواتیں، فاتحہ دلواتیں اُن کی پسند کے کھانے پکواتیں اُن کی پسند کے کپڑے پہنتیں۔ اکیلے میں اُن سے باتیں کرتی رہتیں۔ اُن کی حالت دیکھ کر بچے بھی پریشان رہنے لگے۔

پھر اُن کے والد نے ڈاکٹر کے مشورے پر زبردستی انہیں جاب کرنے پر راضی کیا۔ جس کے لیے اُن کے والد نے کئی مہینے انہیں سمجھایا اور پھر اُن کی کوششوں سے انہیں آرمی پبلک اسکول میں جاب مل گئی۔ وہ گھر سے نکلیں۔

لوگوں سے ملنا جلنا شروع کیا۔ لوگوں کے دکھ سُنے تو اپنا غم ہلکا محسوس ہونے لگا۔

آصفہ اُن کی سب سے گہری دوست بن گئی۔ اُس کا شوہر کیپٹن تھا اور شادی کے ایک سال بعد ہی شہید ہوگیا۔ اور ایک سال میں بھی وہ صرف چار مہینے اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکیں۔ اُس کا ایک ہی بیٹا تھا جو شوہر کی شہادت کے چار ماہ بعد پیدا ہوا۔

اسکول کی وائس پرنسپل مسز ہدایت جو ڈسپلن کے معاملے میں ظالمانہ حد تک سخت تھیں۔ اُن کا جوان اور خوبرو بیٹا دو سال پہلے وزیرستان میں شہید ہوگیا تھا۔ پھر مسز کمال تھیں۔ جن کے شوہر کا دایاں پاؤں جنگ کی نذر ہوچکا تھا۔ اُن کی دو سال کی بیٹی تھی۔ اُن کے شوہر معذوری کی وجہ سے بہت زیادہ بدمزاج اور ڈپریسڈ ہوگئے تھے۔

سب خواتین اِسی طرح غموں کی اَن دیکھی آگ میں سلگ رہی تھیں۔ گھروں میں خواب گاہوں میں چین کی نیند سونے والے تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ اُن کے چین اور سکون کی خاطر کیسے کیسے جوانوں نے اپنی جوانیاں لٹا دیں تھیں۔ کیسے کھلتے گلاب چہرے آگ کے شعلوں

میں جل رہے تھے کیسے تندرست اور توانا جسم جن کو پالنے کے لیے ماؤں نے دن رات کا آرام تج دیا تھا ایک دھماکے سے ٹکڑوں میں بٹ رہے تھے۔

جنگ سراسر تباہی کا سودا ہے۔ اِس سے سوائے خسارے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن پھر بھی کیا کیا جائے۔ انسانوں کے بھیس میں چھپے ہوئے درندوں کو ختم تو کرنا ہے اور اِن درندوں کو ختم کرنے کے لیے کسی کو تو قربانی دینی ہے۔ کسی کو تو جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔

اُن سب کے دکھ مشترک تھے لیکن سب اپنے دکھوں کو دلوں میں چھپائے زندگی کے مسائل سے مردانہ وار نبرد آزما تھیں۔

وہ بھی صبح سویرے اذان کی پہلی آواز پر اُٹھ جاتیں۔ نماز پڑھ کر تینوں بچوں کے لیے ناشتہ بناتیں۔ ساتھ ہی دوپہر کے کھانے کے لیے میڈ کو ہدایتیں جاری کرتی جاتیں۔

کچن کے مسائل سے نمٹ کر تیار ہوتیں۔ اتنی دیر میں تینوں بچے بھی تیار ہو جاتے۔ بابر کی اپنی بائیک تھی۔ لیلیٰ ڈاؤ میڈیکل یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی۔ اُس کا پوائنٹ آتا تھا لیکن پوائنٹ کا اسٹاپ گھر سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا اِس لیے لیلیٰ کو وہ اس کے اسٹاپ پر ڈراپ کرتیں پھر وہ اور نائلہ اسکول آجاتیں۔ اسکول سے واپسی پر وہ اور نائلہ ہی ہوتیں۔ وہ دونوں کھانا کھاتیں۔ تھوڑی دیر آرام کرتیں پھر شام ہو جاتی کبھی انہیں لیلیٰ کو لینے اسٹاپ تک جانا ہوتا اور کبھی بابر اُسے لیتا ہوا آجاتا۔

شام کو سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتے۔ اُن کے پاس اسکول کا بے شمار کام ہوتا۔ کبھی ہوم ورک کی کاپیاں چیک کرنا ہوتیں۔ کبھی رزلٹ تیار کرنا ہوتا کبھی ٹیسٹ کے پیپرز بنانے ہوتے، اکثر رات گئے تک وہ کاموں میں مصروف رہتیں۔ سالوں سے وہ اِسی روٹین کی عادی تھیں۔ اِسی دوران خاندان میں خوشی غمی کی تقریبات میں بھی شرکت کرنی ہوتی۔

اُن کے پاس عام گھریلو عورتوں کی طرح اتنا ٹائم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اوپر توجہ دے سکیں۔ وہ تو صبح اُٹھ کر جلدی جلدی تیار ہوتیں میک اپ کے نام پر صرف لپ اسٹک ہی لگا پاتیں۔ بیوٹی پارلر جانا، یا کوئی بیوٹی ٹریٹمنٹ لینا اُن کی لغت میں ہی نہیں تھا۔ اُن کے بال بہت تیزی سے سفید ہو رہے تھے لیکن انہیں اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ باقاعدگی سے ڈائی کرتیں۔

کبھی اُن کی امی اُن کی اجاڑ صورت دیکھ کر دردمندی سے کہتیں۔

''بیٹا اپنا خیال رکھا کرو۔ ابھی تمہاری عمر کیا ہے؟ کتنی بڑی لگنے لگی ہو۔''

''کس کے لیے خیال رکھوں جب دیکھنے والا اور سراہنے والا ہی نہ رہا تو کس کے لیے اپنے آپ کو سجاؤں سنواروں۔'' اُن کی آنکھوں کے کٹورے نمکین پانیوں سے چھلک جاتے۔

''اپنے بچوں کے لیے بچے بھی اپنی ماؤں کو بنا سنورا دیکھنا چاہتے ہیں۔'' ماں کے دل پر بیٹی کا غم شام غریباں کی تاریکی بن کر چھا جاتا۔ وہ اپنے غم کو اپنے اندر دفن کر کے انہیں سمجھاتیں۔

''ہوں......'' وہ سوچ میں پڑ جاتیں امی ٹھیک کہتی ہیں واقعی میں جب کسی پارٹی میں جانے کے لیے تیار ہوتی ہوں تو تینوں بچے کتنے خوش ہوتے ہیں تینوں کے چہروں پر کیسی رونق آجاتی ہے۔

ہر دفعہ ماں کے سمجھانے پر وہ عہد کرتیں کہ اب وہ بھی اپنے آپ پر توجہ دیں گی، اپنا خیال رکھیں گی لیکن اِس خیال کو عملی جامہ پہنانا اُن کے

بس میں نہیں تھا۔ سارے دن کی مشقت میں انہیں دم لینے کی بھی فرصت نہیں ملتی پھر آئے دن گھر کا کوئی نہ کوئی مسئلہ بوتل کے جن کی طرح سامنے آ کھڑا ہوتا۔ کبھی گاڑی میں کام نکل آتا۔ کبھی ریفریجریٹر خراب ہو جاتا۔ کبھی پانی کی موٹر نخرے دکھانے لگتی۔ کبھی بچوں کے مسائل منہ پھاڑ کر سامنے آ جاتے۔ وہ زندگی کے ہر محاذ پر قدم جمائے انتہائی بہادری سے برسرِ پیکار تھیں۔ اور ان مسائل کے ساتھ ساتھ انہوں نے فواد کے غم کو بھی سینے سے لگا کر رکھا تھا۔

فواد کا غم ہر مسئلے پر حاوی رہتا تھا۔ ہر دکھ کا سرا فواد کے غم سے جا کر مل جاتا۔ وہ تصور ہی نہیں کر سکتی تھیں کہ اُن کی زندگی میں اِس سے بڑا بھی کوئی دکھ ہوگا۔ اِس سے زیادہ بھی انہیں کسی چیز سے اذیت ہوگی؟

☆......☆......☆

''مما آپ نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟'' وہ تیار ہو کر گھر سے نکل رہی تھیں تو لیلیٰ انتہائی پریشانی میں اُن کے پاس آئی۔

''میں سمجھی آج تمہارا آف ہے۔ تم مسلسل دو راتوں سے نائٹ کر رہی تھیں۔'' انہوں نے ایک لمحے رُک کر لیلیٰ کی صورت دیکھی۔

''آج مجھے صبح ہی جانا تھا۔ فائزہ چھٹی پر ہے۔ ایمرجنسی میں میری ڈیوٹی لگی ہے۔'' لیلیٰ کی آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی۔

''اوہو اب تو پوائنٹ بھی نکل گیا ہوگا۔'' وہ سخت پریشان ہو گئیں۔ انہیں بھی اسکول سے دیر ہو رہی تھی۔

''مما پلیز میرا جانا بہت ضروری ہے۔ آپ کو پتہ ہے ڈاکٹر منہاس کتنے Strict ہیں وہ کھڑے کھڑے بے عزتی کر دیں گے۔''

''پھر...... میں...... کیا کروں؟'' وہ جھنجلا گئیں۔

''مما پلیز آپ نائلہ کو ڈراپ کر کے مجھے ڈراپ کر دیجیے گا۔'' لیلیٰ نے حل پیش کر دیا۔

''بیٹا میرا پہلا پیریڈ ہے۔ میں لیٹ ہو جاؤں گی۔''

''مما...... اچھا ایسا کریں۔ آپ اسکول جائیں میں رکشے پر چلی جاتی ہوں۔''

''ہرگز نہیں میں تمہیں رکشے پر اکیلے نہیں جانے دوں گی۔'' لیلیٰ کی یونیورسٹی صدر میں تھی اور گھر راشد منہاس روڈ پر اُسے یونیورسٹی پہنچانے اور واپس آنے میں کم از کم ایک گھنٹہ تو لگتا تھا۔ پھر بھی انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ وہ اکیلی رکشے پر جائے۔

''مما پھر میں کیا کروں......'' وہ ناراضگی سے بولی تو وہ کچھ سوچنے لگیں۔

''مما جلدی کریں مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ اُن کی خاموشی پر چڑ کر بولی۔

''چلو تم تیار ہو جاؤ میں پہلے نائلہ کو ڈراپ کرتی ہوں پھر میڈم سے کہہ کر آتی ہوں۔'' انہوں نے گھر سے نکلتے ہوئے اُسے ہدایت کی۔

نائلہ کو اسکول ڈراپ کر کے میڈم سے ایک گھنٹے کی شارٹ لیو لے کر وہ پھر گھر آ گئیں لیکن اِن کی درخواست پر میڈم نے جن نظروں سے انہیں دیکھا وہ خجل ہو گئیں۔

''مسز فواد اِس مہینے میں یہ آپ کی تیسری شارٹ لیو ہے۔ اب آپ کا پہلا پیریڈ ہے آپ مجھے کل بتا دیتیں تو میں ایڈجسٹ کر لیتی۔''

''سوری میڈم...... مجھے کل تک خود پتہ نہیں تھا۔'' اصل بات بتاتے ہوئے انہیں خود بھی عجیب سا لگ رہا تھا۔ اُسے تو سب یہی سمجھاتے تھے کہ انہیں لیلیٰ کو اتنی آزادی دینی چاہیے کہ وہ پبلک

ٹرانسپورٹ سے جایا کرے۔ بلکہ اس کی کولیگز کی بیٹیاں تو پبلک ٹرانسپورٹ سے اپنی یونیورسٹی جاتی تھیں۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی دونوں بیٹیوں کو اکیلے کہیں جانے نہیں دیا تھا۔ فواد کے بعد وہ خود کو بہت زیادہ غیر محفوظ تصور کرتی تھیں اور بچوں کے معاملے میں تو وہ بہت زیادہ ہی خدشات کا شکار رہتیں۔

کبھی کسی لڑکی کے بارے میں کوئی ناخوشگوار واقعہ سن لیتیں یا ٹی وی میں کوئی ڈرامہ دیکھ لیتیں تو پہروں اُسی کے بارے میں سوچتی رہتیں راتوں کو جاگ جاگ کر پریشان ہوتی رہتیں۔

انہوں نے اِس وقت بھی میڈم کو اصل بات نہیں بتائی تھی ورنہ تو فوراً اُن کا لیکچر شروع ہو جاتا۔ انہوں نے فواد کی والدہ کی بیماری کا بہانہ بنایا تھا۔

''ٹھیک ہے جائیں...... میں آپ کو روک تو نہیں سکتی۔ لیکن آپ کو خود بھی سوچنا چاہیے۔ آپ کے مسائل میرے مسائل میں جتنا اضافہ کرتے ہیں آپ کو اِس کا اندازہ نہیں ہے۔'' مسز ہدایت کچھ زیادہ ہی غصے میں تھیں۔

دو ٹیچرز پہلے ہی چھٹی پر تھیں ایک ٹیچر کا فون آ گیا تھا اُن کی طبیعت خراب تھی۔

''میں کوشش کروں گی جلدی آ جاؤں......''

وہ یہ کہہ کر تیزی سے آفس سے باہر آ گئیں لیکن شرمندگی، خجالت اور خود ترسی نے اُن کی اندر سے بری طرح کچل کر رکھ دیا۔

''اے اللہ تُو نے فواد کو اتنی جلدی کیوں بلا لیا؟'' ہمیشہ کی طرح ہی شکوہ اُن کے دل میں دہائی دینے لگا۔

وہ گھر آئیں تو لیلیٰ بہت بے چینی سے اُن کا انتظار کر رہی تھی۔

''مما آپ نے اتنی دیر کر دی۔ میں نے آپ کو بتایا بھی تھا کہ ڈاکٹر منہاس کتنے سخت ہیں اور چند منٹ کے لیٹ ہو جانے پر کس طرح ہماری انسلٹ کر دیتے ہیں۔'' لیلیٰ نے اُن کی صورت دیکھے بغیر ہی اپنا راگ الاپنا شروع کر دیا۔

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہیں لیلیٰ سارا وقت اپنی فکروں میں غلطاں رہی اُسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ اُن پر کیا گزر رہی ہے۔

صدر کے مین روڈ سے اندر کی روڈ پر مڑتے ہوئے ایک بائیک اُن کی گاڑی کے سامنے آ گئی انہوں نے پوری قوت سے بریک لگائے پھر بھی بائیک پر سوار بائیک سمیت سڑک پر گر پڑا۔ لمحوں میں ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ زیادہ تر لوگ انہیں ہی لعن طعن کر رہے تھے۔

''آنٹی دیکھ کر گاڑی چلایا کریں۔''

''صبح ہی صبح میم صاحب شاپنگ کرنے نکلی ہوں گی۔''

''گاڑی چلانا نہیں آتی تو ڈرائیور رکھ لو۔''

''اِن بیگمات سے تو گھر میں بیٹھا ہی نہیں جاتا...... صبح ہوتے ہی سیر سپاٹے کو نکل جاتی ہیں۔''

سب انہی کو باتیں سنا رہے تھے کوئی یہ نہیں دیکھ رہا تھا کہ غلطی کس کی تھی لوگ ہمیشہ اپنے ہی طبقے کے لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں اور ویسے بھی غریب انسان امیر سے نفرت کرتا ہے۔ وہ موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ کس طرح وہ اِن لوگوں کو ذلیل کرے۔ جو اُن ہی کے جیسے انسان ہیں لیکن اُن کے مقابلے میں زندگی کی ہر آسائش سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ بائیک والا کچھ زیادہ ہی گھٹیا ذہنیت کا مالک تھا۔ وہ اُن کو ہی باتیں سنانے لگا۔

اُن کا بھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ جواب میں اُسے اُس سے زیادہ باتیں سنائیں لیکن شرافت نے اُن کی زبان پر پہرے بٹھا دیے تھے۔ وہ انتہائی صبر وضبط کا مظاہرہ کررہی تھیں۔

کچھ لوگ اُس لڑکے کو بھی سمجھانے کی کوشش کررہے تھے۔ لیکن وہ بضد تھا کہ اُس کی بائیک کو جو نقصان پہنچا ہے وہ اُس کو پورا کریں۔ اس پر وہ تیار نہیں تھیں۔ اُن کا موقف تھا جب اُن کا قصور نہیں تو وہ کیوں ناکردہ جرم کا تاوان بھریں۔

''مما آپ بھی حد کرتی ہیں۔ پیسے دے کر جان چھڑائیں۔'' لیلیٰ کو اِس جھگڑے سے شدید وحشت ہورہی تھی۔

''پتہ ہے وہ کتنے مانگ رہا ہے پورے دس ہزار۔'' وہ اِس وقت میرے پاس صرف ہزار روپے ہیں......''

''تو ATM سے نکال لیں۔ سامنے ہی تو ATM ہے۔''

''جب میرا قصور ہی نہیں تو میں خوامخواہ ہی اتنے پیسے کیوں دوں؟'' انہیں بھی غصہ آ گیا تھا۔

''مما آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں۔ یہ بہت بدتمیز لڑکا ہے پیسے لیے بغیر جان نہیں چھوڑے گا۔ مما پلیز دیکھیں۔ لوگ کیسی نظروں سے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔'' لیلیٰ روہانسی سی ہوگئی۔

لوگوں کا ہجوم بڑھتا جارہا ہے لڑکا اول فول بک رہا تھا کہ ایک بے حد باوقار معزز صورت کے ادھیڑ عمر شخص آگے بڑھے اور اُس لڑکے کو سمجھانے لگے۔

پتہ نہیں اُس لڑکے کی سمجھ میں کچھ آیا یا نہیں لیکن اُن کے الفاظ دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح اُن کے دل پر لگے۔ انہیں لگا جیسے آج ہی فواد انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ جیسے اُن کی ساری زندگی وہیں ختم ہوگئی وہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے بے جان ہوگئیں۔

انہوں نے زندگی میں بے شمار دکھ اٹھائے تھے بے شمار غموں کو سہا تھا۔ لیکن اِس دکھ کی اذیت کچھ عجیب ہی تھی۔ ایسی اذیت جو زندگی کی حرارت کو منجمد کردے۔

اُس شخص نے سمجھا بجھا کر پانچ ہزار میں معاملہ رفع دفع کرادیا۔ جو انہوں نے اُسی وقت ATM سے نکال کر اُسے دے دیے۔ لیلیٰ نے شکر کا سانس لیا۔ لیکن جب وہ یونیورسٹی پر پہنچ کر انہیں خدا حافظ کہہ رہی تھی تو اُن کا چہرہ دیکھ کر چونک گئی۔

''مما...... آپ کو کیا ہوگیا، آپ تو اتنی بہادر ہیں۔ اتنے معمولی سے حادثے کو آپ نے دل پر ہی لے لیا۔'' وہ گاڑی میں بیٹھ کر انہیں سمجھانے لگی۔

''نہیں...... مجھے کچھ نہیں ہوا...... میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' انہوں نے اُسے تسلی دی۔

''آپ اپنا چہرہ دیکھیے کتنا زرد ہورہا ہے...... آپ بالکل ٹھیک نہیں ہیں۔''

''اِٹس او کے...... مجھے دیر ہورہی ہے تم جاؤ...... تمہیں بھی دیر ہوگئی ہے۔''

''اچھا خدا حافظ لیکن پلیز احتیاط سے گاڑی چلائیے گا۔'' لیلیٰ یہ کہہ کر یونیورسٹی میں داخل ہوگئی اور وہ دل پر ایک کاری زخم لیے زندگی کے معمولات انجام دینے لگی۔

رات وہ سونے سے پہلے اپنے بیڈروم میں آئیں تو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہوگئیں صبح کو جو زخم لگا تھا وہ رات کی تنہائی میں کچھ اور گہرا ہوگیا تھا۔ بات بہت بڑی بھی نہیں تھی بس اتنی ہی بات تھی کہ اُس شریف صورت معزز شخص نے اُس بائیک والے لڑکے سے یہی تو کہا تھا۔

''معاف کردو...... بیٹا بوڑھی عورت ہے کیوں اُس سے جھگڑا کررہے ہو؟''

☆☆......☆☆

کڑی دھوپ

''سوری امی جی مگر آج سارے پرہیز ختم آپ کو پتہ ہے مجھے آج ہی ایک بہت بڑی کمپنی میں بہت اچھی جگہ جاب مل گئی ہے اور تنخواہ میری توقع سے بھی زیادہ ہے بس اب آپ فکر نہ کریں میں جلد ہی اپنی کوششوں سے سب بھائیوں کو اچھی جگہ......

''بے چاری سلمیٰ یقین کرو نادیہ بہت ترس آتا ہے مجھے اس پر پتہ نہیں اُس نے اب کی بار بھی یہ سب کیسے گوارہ کرلیا۔ ہائے ہائے میں ہوتی تو مرہی جاتی سچ بڑا دل گردہ ہے۔ 5 بیٹیاں کیا کم تھیں چھٹا پہاڑ بھی سینے پر آدھرا بے چارے نصیب صاحب کے تو نصیب ہی پھوٹ پڑے۔ بیٹے کی امید میں 5'5 بیٹیاں اس سے تو بہتر تھا وہ دوسری شادی ہی کرلیتے۔'' تہمینہ اپنی بہن کو اپنی پڑوسن کا حال اور اپنی سوچ بیان کرتے ہوئے افسوس سے بولی تھی۔

''اُف تہمینہ یار بس کرو یہ فضول منطق بیٹیاں تو اللہ کی رحمت ہیں۔''

''ہاں ہاں جانتی ہوں بیٹیاں رحمت ہیں یا زحمت ابھی یہ اُن کی جوانی وصحت کے دن ہیں ہنستے گاتے گزر ہی جائیں گے۔ مگر سوچو بڑھاپا بغیر بیٹے کے سہارے کے کیسے گزرے گا کوئی پانی پلانے والا بھی نہ ہوگا۔ میں تو سوچ سوچ کر ہی ہولنے لگتی ہوں۔

تم خود بھی تو چار بیٹیوں کی ماں ہو سو خود کو بہلانے کو ایسا سوچتی ہو بھلا بیٹے کے بغیر کیا زندگی ماں باپ کی دیکھو خدا نے مجھے 6 بیٹے دیے ہیں۔ کل کو یہ سب بڑے ہو کر کمانے لگیں گے ہماری نقاہت کو بیٹوں کی طاقت فراحت میں بدل دے گی۔ ایک آرام دے اور شان دار بڑھاپا ہمارا منتظر ہے مگر بے چاری سلمیٰ و نصیب صاحب کیا کریں گے سوچو۔''

''نہ بھئی مجھے تو معاف ہی رکھو تم میں چلی اسواء کے اسکول سے آنے کا وقت ہوگیا ہے۔'' نادیہ بہن کی تکبر بھری گفتگو سے قطع نظر کرتے ہوئے بولی تھی۔

''اماں جی کہاں ہو۔'' سنی مٹھائی کا ڈبہ ہاتھ میں لیے گھر میں داخل ہوا تو ماں کو پکارتا ہوا بولا تھا۔

تہمینہ جو کچن میں کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ ہاتھ صاف کرتی کچن سے باہر آتے بولی تھی۔

''کیا ہوا بیٹا بہت خوش نظر آرہے ہو اور یہ مٹھائی کا ڈبہ کیوں اٹھا لائے پتہ تو ہے میں اور تمہارے بابا دونوں ہی شوگر کے مریض ہیں۔ میں تو پرہیز کرہی لوں گی مگر تمہارے بابا مٹھائی دیکھ کر دیوانے ہی ہوجاتے ہیں۔''

''سوری امی جی مگر آج سارے پرہیز ختم آپ کو پتہ ہے مجھے آج ہی ایک بہت بڑی کمپنی میں بہت اچھی جگہ جاب مل گئی ہے اور تنخواہ میری توقع سے بھی زیادہ ہے بس اب آپ فکر نہ کریں میں جلد ہی اپنی کوششوں سے سب بھائیوں کو اچھی جگہ سیٹ کروادوں گا۔

اب آپ کو کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں میں ایک کیا چار چار نوکرانیاں افورڈ کرسکتا ہوں۔'' سنی لاڈ سے ماں کے کاندھے تھامتے ہوئے بولا تھا۔

''خدا تمہیں خوش رکھے تم سب سے ہی تو ہماری دنیا روشن ہے تم ہی تو ہماری ساری امیدوں کا محور ہو۔'' تہمینہ آنکھوں میں اچھے دنوں کے تانے بانے بنتے ہوئے بولی تھی۔ اور آرام دے اور پرُسکون بڑھاپے کے خواب آنکھ میں سجائے کب وقت ریت کی طرح مٹھی سے نکلتا چلا گیا اُسے کچھ خبر نہ ہوئی۔

اچھے دنوں کی آس دلا کر ایک ایک کر کے تمام بیٹے اپنی بیویوں کو پیارے ہوتے چلے گئے۔ انہیں والدین بوجھ معلوم ہونے لگے اور انہوں نے یہ بوجھ بہت جلد اپنے سروں سے اُتار پھینکا۔

''دیکھو نہ سلمٰی بیگم وقت مٹھی سے ریت کی طرح کتنی تیزی سے نکلتا چلا جاتا ہے ہمارے جسموں پر خزاں کے رنگ پوری طرح سے چھا چکے ہیں۔ طرح طرح کی بیماریاں پت جھڑ کی طرح ہمیں خالی کرتی جارہی ہیں۔ ہم اپنی حقیقی زندگی کی طرف اپنے سفر کا آغاز کر چکے ہیں۔ بقول شاعر صحت جوانی خوبصورتی کا سامان جا چکا ہے۔

بس اک خالی مکان ہے جو جانا باقی ہے مگر خدا کا بہت بہت شکر ہے کہ ہم ہر طرح سیراب ہو کر اس جہاں سے جائیں گے کہ اُس نے ہمیں اتنی پیار کرنے والی خدمت گزار فرمانبردار اولاد سے نوازا اور نہ ہمارا بڑھاپا نجانے کس حال میں گزرتا پانچوں بیٹیاں اور اُن کے شوہر بیٹوں سے بھی بڑھ کر ہمارے حق میں اچھے ثابت ہوئے ان جیسی بیٹیوں کے ہوتے ہوئے کبھی ہمیں بیٹے کی کمی محسوس نہ ہوئی۔

''ہاں نصیب صاحب واقعی ہم بہت بھاگوں والے ہیں کہ خدا نے ہمیں بیٹے بیٹیوں سے قطعہ نظر نیک اولاد سے نوازا۔ جنہوں نے ہمیں ہاتھ کا چھالہ بنا کر رکھا ہوا ہے اور اکثر مجھے وہ وقت بہت یاد آتا ہے۔

جب بیٹے کے نہ ہونے پر لوگ مجھے طعنہ دیتے تھے۔ خاص کر اپنی پڑوسن تہمینہ پر بڑا ترس آتا ہے مجھے اُس پر ایسے ناخلف بیٹوں پر خدا کا قہر ہو جو بوڑھے اور لاچار والدین کو بیویوں کے کہنے میں آ کر اور بوجھ جان کر اولڈ ہاؤس میں چھوڑ آتے ہوں۔

نجانے کیا کیا خواب دیکھے ہوں گے اُس نے اپنے بیٹوں کے حوالے سے اپنے بڑھاپے کو کتنی شان سے سوچا کرتی تھی۔ وہ مگر آج اولڈ ہاؤس میں خالی آنکھیں لیے لب سیئے نجانے کن خلاؤں میں تکتی رہتی ہے بے چاری۔''

☆☆......☆☆

ناولٹ

حبیبہ عمیر

اعتبار کرنے کو جی چاہے

"میں نے سوچا کہ کیوں نہ آپ کو اپنی پہنچ کا اندازہ کرا دیا جائے۔" جازب آفندی اس کے حال کو انجوائے کرتے ہوئے بولا۔ "ویسے تو آپ کا گھر بھی پتہ چل گیا مگر یہ زیادہ مناسب تھا کہ پہلے بتا دوں کہ آپ کا نمبر پتہ لگا لیا گیا ہے۔" وہ بدستور مغرور......

آج اُس کا موڈ پھر آف تھا۔ اُس نے 'ٹھا' سے بیگ صوفے پر پھینکا اور دھڑام سے خود گری۔

"خبطی، اُلو کا پٹھا...... پاگل......" اُس کے منہ میں جتنی بھی گالیاں آئیں اُس نے اس شخص کو ساری دے ڈالیں۔

"کیا ہوا میری جان کو۔" اُس کی ماما پانی کا ٹھنڈا ٹھار گلاس لے کر آئیں۔

"کچھ نہیں ماما بس یوں ہی......" اس نے خود کو سنبھالا اور مسکرا دی۔

"کچھ تو ہوا ہے جو میری گڑیا کا چہرہ لال ہو رہا ہے۔ انہوں نے سانولے سے چہرے والی اپنی بیٹی کو محبت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ارے کچھ نہیں ماما بس چھوڑیں آپ اور مجھے یہ ٹھنڈا پانی پلائیں۔" وہ مسکرائی اور گلاس تھام کر ایک ہی سانس میں سارا اندر انڈیل لیا تاکہ اندر کا اشتعال منجمد ہو جائے۔ ساتھ ہی اُس کا سیل بج اٹھا۔

"تم فون سنو تو میں کھانا لگواتی ہوں پھر دونوں کھائیں گے اوکے۔" ماما نے اُس سے گلاس لیا اور اندر چلی گئیں۔

اس نے سامنے پڑے سیل فون کو اٹھایا تو مسکراہٹ لبوں پر دوڑ گئی۔

"ہیلو میری جان کیسی ہے تُو......؟" اُس نے فون کان سے لگاتے ہی بولنا شروع کر دیا۔

"میں فرسٹ کلاس ہوں۔ یاد تھا مجھے بھئی بلکہ یاد ہے کہ تیری شادی ٹھیک پندرہ دن بعد ہے اور مجھے ٹھیک بارہ دن بعد آنا ہے تیرے گھر۔" وہ نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

"ہاں بھئی تمہیں یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں ماما بھی ٹھیک ہیں اور پاپا بھی، چل اوکے پھر سب کو میرا سلام کہنا، اللہ حافظ۔" اس نے سیل رکھا اور اٹھ گئی۔ کچن کے ساتھ اور زینے کے نیچے پڑے ہوئے ڈائننگ پر وہ آئی جہاں، جہاں آرا بیگم اُس کی منتظر تھیں۔

"کس کی کال تھی ڈالے؟" انہوں نے

تاثرات دیکھتے ہی پہچان لیا۔ وہ بالکل ریلیکس ہوچکی تھی۔

''جی ماما اسی کی تھی جو میرا موڈ ایک دم فریش ہوگیا ہے۔'' وہ پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے بولی۔

''کیا کہہ رہی تھی وہ؟'' وہ گلاس میں اُس کے لیے پانی ڈالتے ہوئے بولیں۔

''وہی جو وہ ہر دوسرے دن یاد دلاتی ہے کہ میری شادی، میری شادی۔'' وہ ہنس دی۔

''بہت خوش ہے وہ ماشاء اللہ سے۔'' جہاں آرا بیگم بھی مسکرا دیں۔

''جی ماما...... بہت خوش ہے اور کہہ رہی تھی کہ میں نے مایوں پر آنا ہے اور پھر شادی کے بعد ہی جانا ہے اُس کے گھر سے۔'' وہ روٹی کا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے مصروف انداز میں بولی۔

''بیٹا رہنا اُس کے گھر یہ مجھے پسند نہیں ہاں تم جاؤ ضرور ہر فنکشن میں بھرپور حصہ بھی لو مگر واپس آجایا کرو۔'' وہ بھی کھانا کھاتے ہوئے بولیں۔

''ماما میری ایک ہی تو سب سے اچھی اور پرانی دوست ہے اور اُس کی شادی ہے تو پلیز بھئی آپ اجازت دے دیں ناں۔'' وہ منہ بسور کر بولی۔

''بیٹا مجھے کچھ مناسب نہیں لگتا یہ۔'' اُن کے چہرے کے تاثرات سنجیدہ ہوگئے۔

جس سے وہ سمجھ گئی کہ بحث کرنا فضول ہے اب جو ہوگا وہ پاپا سنبھالیں گے اور وہ اچھے سے جانتی تھی کہ پاپا اُس کی بات نہیں ٹالیں گے لہٰذا وہ ریلیکس تھی۔

☆......☆......☆

اُن کی چھوٹی سی فیملی تھی۔ صنوبر اور اس کے والدین...... توقیر حسن اور جہاں آرا بیگم صنوبر اُن کی اکلوتی اولاد تھی۔ اللہ نے صنوبر کے بعد اُن کی جھولی میں اور اولاد کے پھول نہیں ڈالے تھے مگر وہ اس پر ہی شکر بجالائے تھے۔ توقیر حسن گریڈ 20 کے آفیسر تھے جبکہ جہاں آرا بیگم ایک کالج میں پروفیسر رہ چکی تھیں لہٰذا اُن میں ٹیچر والی تمام خصوصیات پائی جاتی تھیں۔

وہ دونوں ہی صنوبر سے بے انتہا محبت کرتے تھے بالکل ہاتھ کا چھالا بنا رکھا تھا۔ جہاں آرا بیگم پھر بھی کبھی سختی کرتی تھیں مگر توقیر حسن نے تو کبھی اونچی آواز میں بات بھی نہیں کی تھی۔ وہ بہت ہی فرمانبردار بچی تھی بے جا فرمائشیں وہ کرتی بھی نہیں تھی۔ ابھی اس نے ماسٹرز میں ایڈمیشن لیا تھا تاکہ اپنا تعلیمی سلسلہ جاری وساری رکھ سکے۔

وہ کمرے میں آئی اور بیگ ٹیبل پر رکھ کر ساتھ ہی نوٹس اور کتابیں سجادیں۔

''پہلے سو نہ لیا جائے تھوڑی دیر؟'' اس نے ناخن دانتوں کے نیچے دبا کر سوچا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے پہلے سو جاتی ہوں گھنٹہ پھر اُٹھ کر سر عاصم کے اسائنمنٹ بناؤں گی۔'' وہ سامنے پڑے ہوئے بیڈ پر گرگئی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

مگر دماغ کے پردے پر وہی شخص لہرا گیا۔ جو اُسے یونیورسٹی میں ملا تھا۔

''اُف وہ کیوں اور کہاں سے یاد آ گیا ہے۔'' وہ یک دم اٹھ بیٹھی۔

پھر اُس نے 'لاحول' پڑھی اور سر ایسے جھٹکا جیسے شیطان یاد آ گیا ہو اور پھر سونے کی کوشش کی اور کامیاب رہی وہ اس بار۔

رات کو وہ آرام سے آٹھ بجے کمرے سے باہر آئی اپنے سارے یونیورسٹی کے کام نمٹا کر تو بابا بھی آچکے تھے۔

''آ گئی گڑیا نیچے۔'' وہ عینک کی اوٹ سے جھانک کر مسکرا دیے۔
وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھی کہ بابا کو دیکھ کر مسکرا دی۔
''جی بابا بس کام نمٹا رہی تھی تو دیر ہو گئی؟'' وہ سیدھی سامنے پڑے صوفوں کی طرف بڑھی جہاں اُس کے ماما، بابا نیوز دیکھنے میں مشغول تھے۔
''ہوں......!'' انہوں نے لمبا سا سانس لیا۔
''آج کل معاشرے میں ہو کیا رہا ہے بھئی؟'' جہاں آرا بیگم سامنے آتی خبر پر دلبرداشتہ تھیں۔ جہاں بیٹی کے معشوق نے باپ کی رضا مندی نا پا کر خودکشی کر لی تھی۔
''واقعی ماما آج کل تو یہ قصے کہانیاں عام ہی ہو گئی ہیں۔ کہیں باپ بیٹی کو مارنے کے بعد خودکشی کر لیتا ہے تو کہیں بیٹی بھاگ جاتی ہے تو کہیں معشوق صاحب کوئی چاند چڑھا دیتے ہیں۔'' وہ خود بھی غمگین ہو گئی۔
''بیٹی آج کل معاشرے میں افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ روایات، تہذیب اسلامی کہیں گم ہو گئیں ہیں۔ یہ کہانیاں تو جنم نچلے طبقے میں لیتی ہیں جہاں عزت کے علاوہ کوئی زیور اور قیمتی چیز انسان کے پاس ہوتی ہی نہیں۔ تبھی تو لٹ جانے پر بیچارے باپ بھائی مرجاتے ہیں۔'' توقیر حسن نے معاشرے پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے افسوس کیا۔
''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ بابا یہ سب بربادی ہماری اپنی پیدا کی ہوئی ہے کیونکہ ہم نے اسلام سے دوری اختیار کر کے غیروں کے معاشرتی اقدار کو اپنی قدریں بنا لیا ہے۔ لہٰذا ہم خود کہیں کھو سے گئے ہیں۔'' وہ اتفاق کرتے ہوئے بولی۔

''اچھا تم یہ بتاؤ کہ تمہارے ایگزامز کب ہیں، میں سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ ہم ایبٹ آباد کا چکر لگا لیں۔'' جہاں آرا بیگم کو اپنے میکے کی یاد آئی تو فوراً پوچھ لیا۔
''ماما اگلے مہینے ہیں ابھی تو...... اس سے پہلے تو سوچیے گا بھی مت۔'' وہ فوراً بولی۔
''اچھا......!'' وہ دھیمی پڑ گئیں۔
''بابا......!'' وہ ٹی وی میں مصروف اپنے والد کو متوجہ کرنے کے لیے بولی۔
''جی جان!'' وہ فوراً متوجہ ہوئے۔
اس نے کن اکھیوں سے پہلے ماما کا جائزہ لیا کیونکہ وہ اسی طرف متوجہ تھیں اور اسے سو فیصد یقین تھا کہ مخالفت اِدھر سے ہی آنی ہے اس بات پر جو وہ کرنے جا رہی تھی۔
''وہ ژالے ہے ناں اُس کی شادی ہے تھوڑے دنوں میں۔'' اُس نے تمہید باندھی جبکہ ماما کی تیوری چڑھنے لگی اور چہرہ یکدم سنجیدگی لیے ہو گیا۔
''ہاں تو ضرور جانا......'' انہوں نے فوراً اجازت دے دی۔
''اوہو بابا...... اس نے کہا ہے کہ تم تین دن پہلے یعنی مایوں پر آ جانا اور اس کے بعد شادی تک اُدھر ہی رہنا۔'' وہ فوراً ماننے پر تھوڑا اچڑ گئی لہٰذا پوری بات بولی۔ وہ چند لمحے خاموش رہے۔
''بیٹا رہنا اُس کے گھر یہ کچھ مناسب نہیں لگتا۔'' وہ بولے۔
''بابا پلیز اب آپ تو کم سے کم ماما نہ بنیں نا۔'' وہ منہ بسور کر بولی۔
''بیٹا اگر تمہاری ماما بھی یہ نہیں چاہ رہیں تو وہ اس کا مطلب ہے کہ ٹھیک ہیں۔'' انہوں نے پیار سے سمجھایا۔

اس نے رُخ موڑ کر ماما کو دیکھا جہاں اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔

''بھئی بابا پلیز نا...... وہ میری ایک ہی سہیلی ہے وہ بھی اتنی (اُس نے اتنی پر زور دیا) پرانی میرے اسکول کے زمانے کی اور آپ ہیں کہ مان ہی نہیں رہے۔'' وہ اُن کا بازو تھام کر بولی۔

''گڑیا......!'' وہ چشمے کے اوپر سے نگاہ ڈالتے ہوئے بولے۔

''بابا پلیز، بابا پلیز، بابا پلیز......'' وہ بچوں کی طرح اُن کا بازو بار بار جھنجوڑنے لگی۔

''اچھا بابا بس ٹھیک ہے تم چلی جانا، او کے۔'' وہ مسکرا دیے۔

''ہرے...... You Are The Greatest Father۔'' وہ خوش ہو گئی اور اُن کا گال چوم لیا۔ پھر فخر سے ماما کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔

''دیکھا میں نے اجازت لے لی ناں۔''

''اچھا اب تم ذرا بی بی کے ساتھ کھانے کی میز لگوا دو بہت بھوک لگی ہے۔'' وہ سامنے لگی گھڑی کو دیکھتے ہوئے بولے جہاں 9 بج چکے تھے۔

''جی بابا......'' وہ فوراً اُٹھ گئی۔ اُس کے اٹھتے ہی جہاں آرا بیگم بولیں۔

''آپ نے اسے اجازت کیوں دی جبکہ میں منع کر چکی تھی۔'' وہ خفا تھیں۔

''بیگم وہ سمجھدار بچی ہے کوئی بات نہیں۔'' انہوں نے ہلکا سا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

''پلیز توقیر......'' انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''آپ کو پتہ ہے کہ آج کل معاشرہ کیسا ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے اپنی بچی کے لیے وہ ابھی معصوم ہے۔ اوپر سے لڑکی ذات ہے۔'' وہ بولیں۔

''جہاں آرا بیگم تھوڑا حوصلہ کریں وہ ماشاء اللہ سے ماسٹرز کی اسٹوڈنٹ ہے بڑھی ہو گئی ہے اسے تھوڑا کانفیڈنس دینے کی کوشش کریں۔ اللہ اس کی حفاظت کرے۔'' وہ بولے۔

''پتہ نہیں توقیر بس میرا دل بہت ڈرتا ہے اس کے معاملے میں، خدا ہمیشہ اس کے ساتھ رہے۔'' آخر کو وہ ماں تھیں اس لیے اُن کا ڈرنا فطری عمل تھا۔

''آمین۔'' وہ مسکرا دیے۔

''آ جائیں بھئی مجھے بھوک لگی ہے۔'' وہ ڈائننگ کے اوپر کھانا لگا کر زور سے بولی۔ وہ دونوں مسکرا کر اٹھ گئے۔

☆......☆......☆

آج کل اُس کی ایک ہی کلاس تھی لہٰذا وہ جلدی فارغ ہو گئی تھی۔

''فاریہ یار تم بتا دیتی ناں کہ آج منگل ہے میں بدھ سمجھ کر رفیق بابا کو لیٹ ٹائم دے کر آئی ہوں۔'' وہ باہر نکلتے ہوئے بولی۔

''صنوبر یار اب مجھے کیسے پتہ ہو گا کہ تمہیں یہ یاد نہیں ہے۔'' فاریہ نے کندھے اُچکا کر کہا۔

''ہاں یہ بھی ہے۔'' وہ بے دلی سے بولی۔

''ایسا کرو کہ تم فون کر لو رفیق بابا کو کہ لینے جلدی آ جائیں۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''ہاں وہی کرنے لگی ہوں لیکن انہیں ٹائم تو لگ جائے گا ناں۔'' وہ سیل نکالتے ہوئے بولی۔

''چلو او کے پھر میرے انکل تو آ گئے لینے۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''او کے اللہ حافظ۔'' وہ موبائل کان سے لگا کر بولی۔

''ہیلو السلام علیکم بابا...... آپ آجائیں لینے میں فری ہوگی ہوں۔'' وہ بول کر مخالف سمت کا جواب سننے لگی۔

''او کے جلدی آیئے گا۔'' وہ منہ لٹکا کر بولی۔

''انہیں بھی آج ہی مارکیٹ جانا تھا۔'' وہ موبائل بیگ میں ڈال کر خراماخراما باہر نکلنے لگی۔

ڈپارٹمنٹ سے نکل کر وہ باہر سڑک پر بنے بینچ پر بیٹھ کر ٹانگ ہلانے لگی۔ گرمیاں جاری تھیں اور بہار کی آمد آمد تھی۔ ہلکی ہوا چل رہی تھی جو پاس بنی کیاریوں میں لگے پھولوں کے ساتھ مستی کر رہی تھی۔ ساتھ ہی اُن کی خوشبو کو پھیلا رہی تھی۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل سورج کے ساتھ محوِ کھیل تھے۔ وہ کبھی اسے چھپالیتے اور کبھی اُس کی کرنیں زمین تک پہنچادیتے۔

آس پاس روٹین کے مطابق اسٹوڈنٹس کی حل چل تھی۔ کوئی آرہا تھا تو کوئی جارہا تھا۔ کہیں ٹولیاں تھیں تو کہیں کوئی موبائل میں مصروف تھا۔

وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھی کہ اچانک ہیوی بائیک اس کے پاس آکر رُکی۔

'ہیلو میڈم......'' سخت مگر دلنشین آواز نے اُسے متوجہ کیا۔ اس نے بے خیالی میں نظر اُٹھا کر دیکھا پھر یکدم تاثرات کرخت ہوگئے۔

''تم پھر......'' اُس کا پارہ چڑھ گیا۔

''جی پھر آج آپ کی یاد آئی اور بندہ حاضرِ خدمت۔'' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ادب اً جھکا صنوبر کی تیوری چڑھ گئی۔

''پہلی بار وہ ملاقات جو حادثاتی طور پر ہوگئی اس کے بعد سے اب تک آپ کی تلاش جاری و ساری تھی میری۔'' وہ بائیک سے نیچے اُترا اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔

''اور دیکھیں آج آپ مجھے پھر مل گئیں۔''

وہ سامنے جامنی اور سفید کاٹن کے سوٹ میں ملبوس صنوبر کو نظروں سے دل میں اُتارتے ہوئے بولا۔

سادہ سی مگر سلجھی ہوئی وہ لڑکی نجانے کیوں اُسے متاثر کر گئی تھی۔

بوٹا سا قد، سانولی رنگت اور چہرے پر نرمی جو سختی میں بدلتے دیر نہیں کرتی تھی، جیسے اب تھی۔ صنوبر نے زہر خند نظروں سے اُسے گھورا۔

بلیو جینز اور بلیو اور وائٹ دھاری دار ٹی شرٹ میں ملبوس وہ لڑکا اُسے ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ لمبے بال جو نیچے سے کلری ہو رہے تھے۔ کلین شیو چہرہ اور آنکھوں پر Rayban کے گلاسز...... عجیب غنڈہ لگا اُسے۔

''دیکھیں کیسا حسین موسم ہے۔ وہ مہذب بننے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولا۔ جبکہ صنوبر بے زار ہو رہی تھی۔

''اوہ ویسے میرا نام جاذب آفندی ہے۔''

''اور آپ کا میڈم......؟'' وہ مسکرایا۔

''Not Intrested۔'' ٹکا سا جواب ملا۔

"You Arc Not But I Am Damm Intrested In You Madam G" وہ اسی کے انداز میں بولا۔

''بچی دل لیے بہت ہیں میں نے مگر دیا نہیں ہے مگر اب لگتا ہے دل دینے کا ٹائم آگیا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے گلاسز اُتار کر بولا۔ اور ساتھ ہی آنکھ ماری۔

''لوفر لگتے ہو تم مجھے......'' صنوبر کا غصہ دو چند ہوگیا۔

''اُس دن بھی تم نے یہ ہی بیہودہ حرکت کی تھی آنکھ مارنے کی اور اب بھی تم نے کی اگر آئندہ نظر آئے نا...... تو...... تو اچھا نہیں ہوگا۔''

وہ انگلی سے تنبیہہ کرتے ہوئے بولی اور اُٹھ کر چلی گئی۔

''اچھا پلیز دوبارہ کب ملو گی؟'' وہ ہانک لگاتے ہوئے بولا۔ اُس نے خونخوار نظروں سے پیچھے پلٹ کر دیکھا اور پھر غصے میں آگے بڑھ گئی جہاں رفیق بابا انتظار میں کھڑے تھے۔

''بابا جلدی آیا کریں...... کتنا انتظار کیا میں نے۔'' وہ غصہ نکالتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

''جی بی بی جی!'' انہوں نے اتنا ہی کہا اور چپ کر کے گاڑی چلانے لگے۔

''اُف بچی...... کیا لڑکی ہے۔ جاذب بیٹا تیرا تو کام ہوگیا۔'' وہ ہنستے ہوئے گلاسز لگا کر بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

صنوبر کا موڈ بہت خراب تھا اس نے گھر آتے ہی سیدھا بیڈ روم کا رخ کیا اور خود کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ٹھنڈے پانی سے نہانے چل دی۔

''ماما جلدی کھانا دیں بہت بھوک لگی ہے۔'' گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی وہ زینے سے نیچے اُتر رہی تھی۔

''میں تو کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں تم ہی آندھی طوفان کی طرح آئی اور اوپر چلی گئی۔'' وہ بالوں کا جوڑا بناتی ہوئی کمرے سے باہر آتے ہوئے بولیں۔

''بس ذرا خود کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے چل دی تھی۔'' وہ زیرِ لب بڑبڑائی اور چپ کر کے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

''Is Any Thing Worng Beta?'' وہ تشویش سے بولیں۔

''No Mama Every Thing Is Just Fine!'' وہ نارمل انداز اپناتے ہوئے بولی۔

''بس ذرا یونیورسٹی کی ٹینشن ہے۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ اسٹڈی کا کتنا سٹیریس ہے مجھ پر بس وہی، اور تو کوئی مسئلہ نہیں۔'' وہ بات بناتے ہوئے بولی جبکہ نظروں کے سامنے وہ شخص لہرا گیا اور صنوبر نے دل میں اُسے صلواتیں سنا ڈالیں۔

''ہوں...... ایسا تو ہوتا ہی ہے پڑھائی میں۔ لیکن بیٹا تم کچھ زیادہ ہی سوار کر رہی ہو پڑھائی کو ٹھیک ہے گریڈز مینٹین کرنے ہیں لیکن اپنی جان تو عزیز رکھو۔ دیکھو کتنی دبلی ہوگئی ہو تم چھوٹا سا منہ نکل آیا ہے تمہارا۔'' وہ اس کی پلیٹ ایک بار پھر چاولوں سے بھر کر بولیں۔

''اوہو ماما دیکھیں تو بالکل نارمل ہوں میں اور آج کل تو ویسے ہی پتلی لڑکیاں فیشن میں ہیں۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''رہنے دو تم۔ بس تم ٹھیک سے کھایا پیا کرو اور زیادہ سٹیریس لینے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اچھا جی میری اماں جان۔'' وہ اُن کا گال پکڑ کر زور زور سے سر ہلانے لگی۔

اس کا موڈ ایک دم بحال ہوگیا اور وہ دوپہر والے واقعے کو بھی بھول گئی۔

☆......☆......☆

''یار آج میں ذرا سر عاصم سے بات کرلوں کہ پراجیکٹ کے Submission کی ڈیٹ ذرا آگے کر دیں اگلے ویک مجھے شادی پر جانا ہے۔ کیا خیال ہے وہ مان جائیں گے؟'' وہ کلاس سے نکلتے ہوئے فاریہ سے بولی۔

''پتہ نہیں کیونکہ کافی کھڑوس واقع ہوئے ہیں وہ پھر بھی تم کوشش کرلو۔'' وہ کندھے اُچکا کر بولی۔

وہ دونوں کاریڈور میں چل رہے تھے کہ

اچانک اُس کی نظر سامنے سے آتے ہوئے جاذب آفندی پر پڑی۔ سفید لٹھے کی شلوار قمیض میں وہ بھرپور مردانہ چال کے ساتھ چلتا ہوا اُسی کی طرف آ رہا تھا۔ پاؤں میں بھورے رنگ کی پشاوری چپل تھی جبکہ ایک ہاتھ میں گلاسز تھے اور دوسرے میں موبائل فون...... اس کے ساتھ ڈپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر تھے۔ جو بہت ادب سے اُس کے ساتھ چل رہے تھے۔

''یہ کون ہے؟'' صنوبر نے انجان بن کر فاریہ سے پوچھا۔

''کون......؟'' فاریہ نے اُس کا چہرہ دیکھا۔

''وہ سامنے سر زیدی کے ساتھ وہ شخص......'' اس نے سر سے اشارہ کیا۔

''وہ...... وہ جاذب آفندی ہے۔ وزیر کا بیٹا ہے اس کے والد یہاں کے ٹرسٹی ہیں۔''

''غنڈہ لگتا ہے شکل سے ہی مجھے تو۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی۔

''چھوڑ یار جو بھی لگے، چل کیفے مجھے بھوک لگی ہے۔'' وہ اس کا بازو پکڑ کر کیفے کی طرف لے گئی۔

☆......☆......☆

''ماما آج مجھے شاپنگ کرنی ہے تھوڑی سی، تو پلیز میرے ساتھ چلیں۔'' وہ تیسری دفع جہاں آرا بیگم سے بولی۔

''سن لیا ہے میں نے صنوبر اب بس بھی کرو۔'' وہ تنگ آ کر بولیں اور الماری میں سے منہ باہر نکالا جہاں سے وہ اپنے پہننے کے لیے ساڑھی منتخب کر رہی تھیں۔ وہ منہ بسور کر صوفے پر چوکڑی مار کر بیٹھ گئی۔

''تم رُکو ذرا میں نہالوں پھر چلیں گے۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولیں جو منہ بسورے بیٹھی تھی۔

''چندا بس دو منٹ صرف......'' وہ اس کی منت کرتے ہوئے بولی۔

''ماما میں نے آج کلاس صرف شاپنگ کے لیے مس کی تھی اور آپ نے پھر وہی ٹائم کر دیا۔'' وہ چہرہ پھیر کر بولی۔

''بس میری بیٹی صرف دو منٹ میں آئی۔'' وہ جلدی جلدی کپڑے لے کر دروازے میں گم ہو گئیں۔

صنوبر نے کمرے کا جائزہ لیا سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر ڈھیروں پرفیومز اور چیزیں سلیقے سے پڑی تھیں۔ ڈیکو پینٹ کا فرنیچر، آف وائٹ کلر کا تھا، زمین پر مہرون کلر کا دبیز قالین بچھا تھا جو کہ ایرانی طرز کا تھا۔ ساتھ میں چنیوٹی طرز کا صوفہ سیٹ تھا۔ یہ سیٹ جہاں آرا کی شادی کا تھا البتہ دوسرا فرنیچر انہوں نے بعد میں لیا تھا۔

جہاں صنوبر بیٹھی تھی اس کے دائیں جانب کھڑکی تھی۔ اس نے پردہ ہٹایا تو چھن سے دھوپ کمرے کو مزید روشن کر گئی۔

''دیکھو ذرا دھوپ بھی آج زیادہ ہے اوپر سے بازاروں کی الگ گرمی ہوگی۔''

اُس کا موڈ اور بھی خراب ہو گیا۔ وہ اٹھی اور سامنے پڑے میز سے ریموٹ اُٹھا کر ٹی وی آن کر دیا۔ وہ سرچنگ کرنے لگی کہ اچانک اس کی انگلیاں ٹھہر گئیں۔ نیوز چینل پر جاذب آفندی جو دکھ گیا تھا۔

وہ شاید اپنے والد کے ساتھ کھڑا تھا۔ کیونکہ وہ ہی میڈیا سے گفتگو کر رہے تھے۔

''اُف پتہ نہیں کیا ہے جب بھی میرا موڈ خراب ہوتا ہے اس کی انٹری تو ضرور ہی ہوتی ہے۔'' وہ چڑ گئی اور پھر ٹی وی بند کر کے باہر نکل

گئی۔

☆......☆......☆

''اُف آج آپ کی بیٹی نے تھکا دیا مجھے اتنی شاپنگ کی۔'' رات کو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جہاں آرا بیگم چائے کی ٹرے لاتے ہوئے بولیں۔

''لگتا تھا کہ جیسے اس کی شادی ہے۔ یہ نہیں لینا تو وہ لینا ہے۔ یہ نہیں پسند مجھے اسے لائٹ کلر چاہیے۔ یہ جوتا نہیں مجھے دوسرا چاہیے۔ اُف میں Almost پاگل ہوگئی تھی۔'' وہ ٹرے آگے کرتے ہوئے بولیں۔

''ہاہاہا...... Almost؟'' انہوں نے عینک کے اوپر سے جھانکا۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔

''بابا...... یہ دیکھیں آپ......'' صنوبر کمرے سے برآمد ہوئی لدی پھدی شاپرز لیے۔

''تم نے یہ چیزیں ڈرائنگ روم میں رکھیں تھیں صنوبر......'' جہاں آرا بیگم خفگی سے بولیں۔

وہ بہت ترتیب پسند تھیں۔ جہاں کی چیز ہو وہ صرف اسی جگہ ہی سے برآمد ہونی چاہیے یہ اُن کا اصول تھا جو پورے گھر پر لاگو تھا۔

''وہ ماما میں نے سوچا پہلے بابا کو دکھا کر ہی اوپر لے کر جاؤں گی۔ بہت زیادہ تھے نا...... اس لیے۔'' وہ مصروف انداز میں بولی۔

''اگر کوئی گیسٹ آجاتا تو...... کتنا برا امپریشن پڑتا۔'' وہ بدستور خفا تھیں۔

''اچھا چھوڑو بھی بیگم، تم دکھاؤ مجھے کیا لائی ہو گڑیا۔'' توقیر صاحب نے مداخلت کرنا بہتر سمجھا۔

''یہ دیکھیں بابا یہ تو میں پہنوں گی بارات پر۔'' وہ سوٹ نکالتے ہوئے بولی۔

''اور اِس کے ساتھ یہ چپل......'' وہ دوسرے شاپر میں جھانک کر چپل نکال کر بولی۔

''اور یہ اس کے ساتھ ایئر رنگز...... اور یہ دیکھیں یہ ولیمے کا سوٹ۔'' توقیر صاحب چیزیں دیکھتے رہے اور مسکراتے رہے اور جہاں آرا بیگم باپ بیٹی کی محبت دیکھ کر دل ہی دل میں اُن کی نظر اتارتی رہیں۔

☆......☆......☆

آج یونیورسٹی میں فاریہ نہیں آئی تھی اور کلاس بھی کینسل ہوگئی تھی لہٰذا وہ بہت بور ہوگی تو چلتے ہوئے ڈپارٹمنٹ سے باہر آگئی۔

وہ بارہا رفیق بابا کو کال ملانے کی کوشش کر چکی تھی مگر نیٹ ورک بزی تھا۔ وہ چلتے چلتے کافی آگے نکل آئی کہ اچانک اس کا راستہ اس کے کلاس میٹ نے روک لیا۔

''ہیلو، ہیلو، ہیلو صنوبر۔'' فاخر ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔

''ہائے۔'' اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''تم نے سر عاصم سے بات کرلی کیا پروجیکٹ کی فاریہ بتا رہی تھی کہ تم Submit نہیں کرا پاؤ گی۔'' وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

''نہیں کر پائی کیونکہ سر نہیں آئے آج اور کل بھی نہیں آئے تھے۔ پچھلے ہفتے سے ڈھونڈ رہی ہوں But وہ آتے ہی کہاں ہیں ڈپارٹمنٹ میں۔'' وہ منہ بسور کر بولی۔

''چلو ٹھیک ہے پھر۔'' وہ مسکرا کر اس کی جھیل سی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

''تم اکیلی کیوں تھیں یہاں پر کافی سنسان جگہ ہے؟'' وہ تشویش سے بولا۔ اس کا کنسرن

صنوبر کو ایک آنکھ نہ بھایا مگر خود کو کنٹرول کرتے ہوئے وہ بولی۔
''بس یوں ہی دل کر رہا تھا۔''
''اوہ...... واہ بھئی تمہارا بھی کچھ کرنے کو دل کرتا ہے۔'' وہ ذو معنی انداز میں مسکرایا اور بولا۔
''ہاں میرا بھی دل کرتا ہے مگر تم لوگوں جیسا دل نہیں میرا جو نہایت فضول اور بے کار چیزیں کرنے کو کرتا ہو۔'' وہ اس کے انداز میں بولی۔
فاخر نے اس چھٹانک بھر لڑکی کو سنجیدگی سے گھورا۔ کالے رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس جس پر پیلے رنگ کے سورج مکھی کے پھولوں کا جال تھا سر پر ہائی ٹیل بنائے، ایک ہاتھ میں کتاب پکڑے اور دوسرے کاندھے پر بیگ لٹکائے وہ کافی مغرور لگ رہی تھی۔
''ہاں ہم چونکہ آج کل کی جنریشن ہیں اور ہمارا دماغ و دل بھی آج کل کے زمانے کی طرح سوچتا ہے اور بابا آدم کے زمانے کی ہماری سوچ نہیں ہے لہٰذا ہم تم جیسے ہو بھی نہیں سکتے۔'' وہ اسی کے انداز میں ترخ کر جواب دے کر بولا۔
صنوبر نے ناک سے مکھی اڑائی۔ جیسے جتا رہی ہو کہ بول دیا تو راستہ خالی کرو۔
فاخر نے اُس کا سرد رویہ دیکھا جو صنوبر کی شخصیت کا خاصہ تھا لہٰذا وہ چل دیا۔
کلاس کے ہر لڑکے نے صنوبر پر چانس مار لیا تھا کہ کہیں اُس کے جذبات کچھ نرم پڑیں مگر اسے کسی میں بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ مغرور بنی بے پرواہ پھرتی تھی جیسے کسی سے غرض ہی نہ ہو۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ بہت حسین و جمیل ہو۔ قد اُس کا چھوٹا اور جسم پتلا تھا۔ نین نقش بھی ٹھیک تھے ہاں البتہ اُس کی آنکھیں اسے ممتاز بنا دیتی تھیں۔ ناک پر رکھا غرور اُسے دوسروں سے الگ کر دیتا تھا۔ وہ کسی کو گھاس نہیں ڈالتی تھی لہٰذا اِس کی کسی سے بنتی بھی نہیں تھی اور اسے ضرورت بھی نہیں تھی کسی سے بنانے کی۔
بس فاریہ ہی واحد تھی جو اُس کی دوست تھی۔
وہ بہت کم دوست بناتی تھی مگر اپنی دنیا میں وہ بہت مگن رہتی تھی۔ کتابیں پڑھ لیں موویز دیکھ لیں، اُس کے اپنے شوق تھے۔
ثرالے تو اُس کی اسکول کے زمانے کی دوست تھی۔ شاید واحد تھی جو اب تک اُس کے ساتھ تھی، وہ بہت ایکسائیٹڈ تھی اُس کی شادی کے لیے، مگر اپنی پڑھائی کا حرج نہیں چاہتی تھی اسی لیے وہ سر عاصم کے پیچھے تھی کہ اُسے تھوڑا ٹائم اور مل جائے۔
وہ بھی اپنی ہی سوچوں میں تھی کہ اچانک گاڑی اس کے قریب رُکی۔ ٹائروں کی چرچراہٹ سے وہ بوکھلائی۔ اسٹیل گرے رنگ کی کرولا سے جاذب مسکراتا نکلا۔
''السلام علیکم صنوبر تو قیر...... مزاج بخیر۔''
اس کے گارڈز بھی پیچھے سے نکلنے لگے تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ اس کے منہ سے اپنا نام اس کے لیے شوکنگ نہیں تھا کیونکہ ڈائریکٹر کے ساتھ اُس کے تعلقات وہ دیکھ چکی تھی۔
''آج سچے دل سے خدا سے آپ کو مانگا اور دیکھیں آپ ہمارے سامنے۔'' وہ مسکرایا بلیک جینز پر بلیک ہی شرٹ تھی سمپل...... ایک ہاتھ میں گلاسز تھے جو بھی اُسے دیکھ کر اتارے تھے۔
آج بال تھوڑے چھوٹے تھے وارسلکی تھے لہٰذا ہوا سے جھول رہے تھے۔ سفاچٹ چہرے پر بڑھی ہوئی شیو تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔
''لو اسی کی کمی تھی رنگ میں بھنگ ڈالنے کی۔'' وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔

''یقیناً میری ہی تعریف کر رہی ہوں گی۔'' وہ دانت نکوس کر بولا۔

''جی بالکل......!'' وہ اکڑ گئی۔

''یقین کریں جو اکڑ آپ میں ہے ناں بس یہ...... یہ ہی مجھے آپ کا دیوانہ بناتی ہے ورنہ آپ کون سی کہیں کی حور شمائل ہیں۔'' وہ دونوں ہاتھ باندھ کر بولا۔

''کوئی اور کام نہیں آپ کو سوائے میرا پیچھا کرنے کے؟'' آج وہ دو دو ہاتھ کر کے بات ختم کرنے کے موڈ میں تھی۔

''کیوں نہیں ہیں میں بہت مصروف بندہ ہوں ویلا نہیں پھرتا میں مگر جب آپ کا خیال آتا ہے تو باقی سارے کام بے معنی لگتے ہیں مجھے۔'' وہ سنجیدہ ہوا۔

''کچھ تھا اس میں جو الگ تھا۔'' پہلی بار صنوبر کو محسوس ہوا۔

''لگتا تو نہیں مجھے۔'' وہ گردن پھیر کر بولی۔

''لگ جائے گا دیکھ لینا...... اگر نہ بھی لگا تو میں لگا ہی دوں گا۔'' وہ جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔ وہ پیچھے کو سرکی۔

''نجانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ آپ کو یقیناً میری ضرورت پڑے گی اور آپ خود چل کر آئیں گی۔ تو میرا کارڈ رکھ لیجیے۔'' وہ کارڈ آگے کرتے ہوئے بولا۔

''دھمکا رہے ہو۔'' وہ اندر سے تھوڑا ہلی مگر باہر سے خود کو مضبوط دکھاتے ہوئے بولی۔

''ہاہاہا......'' بلند قہقہہ برآمد ہوا۔

''جی بالکل صحیح سمجھیں آپ...... میں آپ کو دھمکا ہی رہا ہوں۔ کیونکہ جو چیز جاذب کو پسند آجاتی ہے وہ اور کسی کی ہو ہی نہیں سکتی۔'' وہ اب بھی زور سے ہنس رہا تھا۔

''رکھ لیں آپ یہ۔'' اس نے کارڈ پھر آگے کیا۔ خونخوار نظروں سے وہ اُسے گھور کر رہ گئی۔

''بتایا تھا نا کہ بہت آئیں بہت گئیں...... بہتوں نے دل ہتھیلی پر سجا کر پیش کیے۔ اور میں نے لیے بھی بہت مگر دیا نہیں ہے اب تک...... مگر اب شاید......'' وہ بات ادھوری چھوڑ گیا۔

''لوفروں کی طرح باتیں کرتے ہو جیسے سڑک چھاپ غنڈے ہو تم۔'' صنوبر سے اب اور برداشت نہیں ہو رہا تھا تو تڑخ کر بولی۔

''ابھی تک آپ کا پالا شاید ایسے ہی لوگوں سے پڑا ہے...... مگر میں۔'' اُس نے انگلی کا اشارہ اپنی طرف کیا۔

''میں جاذب آفندی ہوں۔ جاذب آفندی اور یہ بات بھولنا نہیں تم۔'' لہجہ سخت ہو گیا۔

''ابھی دو منٹ لگتے ہیں مجھے تمہیں گاڑی میں ڈالنے میں چھٹانک بھر کی ہو تم۔ اور پھر تمہارے والدین اپنی پوری زندگی بھی تمہیں ڈھونڈیں گے نا تو بھی نہیں ڈھونڈ پائیں گے۔ لوگ کہیں گے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ بالکل وہی مثال بن جاؤ گی تم سمجھیں......'' وہ گرجا۔

صنوبر سہم گئی۔ پہلی بار خوف اس کی آنکھوں سے جھلکا۔ اچانک موبائل کی بیل سے خاموشی کا راج ختم ہوا۔

''ہیلو...... ہاں آرہا ہوں میں۔'' اس نے بات مختصر کی اور پھر مڑ گیا گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے سامنے کھڑی صنوبر کو دوبارہ دیکھا اور مسکرا دیا۔ پھر گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی صنوبر کا رُکا ہوا سانس پھر سے بحال ہوا۔ اس نے غصے سے کارڈ کو دیکھا اور پھر کتاب میں پٹخ دیا۔

☆......☆......☆

گھر آ کر بھی اس کی سوچیں منتشر تھیں۔ وہ چپ چپ رہی۔ کھانے کو بھی دل نہ کیا کبھی سوچتی کہ بابا کو بتائے اور کبھی خود ہی اس خیال کو رد کر دیتی۔

وہ چائے کا مگ لیے سٹنگ ایریا میں بیٹھی تھی۔ سامنے T.V چل رہا تھا مگر سوچیں کہیں اور تھیں۔

''اگر اسے میرا نام پتہ ہے تو یقیناً وہ میرے گھر تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس کافی طاقت ہوتی ہے اور بابا...... وہ تو ہیں بھی گورنمنٹ آفیسر...... اُن کا کیا بنے گا۔ وہ کافی بے چین تھی۔'' وہ ہاتھ میں پکڑے مگ سے اڑتے دھوئیں میں کھوئی ہوئی تھی جب اسے اپنے والدین کی آواز آئی۔ وہ دونوں شاید واپس آ گئے تھے۔

''ارے تم ابھی تک جاگ رہی ہو گڑیا۔'' توقیر صاحب اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''چندا طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' ماما نے بھی اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''جی بس یوں ہی کل یونیورسٹی نہیں تو انجوائے کر رہی تھی۔'' وہ زبردستی مسکراہٹ سجا کر بولی۔

''خیریت!'' جہاں آرا بیگم تشویش سے بولیں۔

''جی ماما بس یوں ہی آپ بتائیں Dinner کیسا رہا آپ کا اور انکل ضیاء کی فیملی کیسی تھی؟'' وہ توقیر صاحب کے دیرینہ دوست کے بارے میں پوچھنے لگی جہاں وہ آج انوائیٹڈ تھے۔

سب اچھا رہا اور وہ بھی اچھے تھے۔ توقیر صاحب نے ریموٹ سے چینل بدلا جہاں سے اب خبریں آ رہی تھیں۔

''فرخ آفندی صاحب کے کیس کی سماعت ملتوی کر دی گئی ہے اگلی سماعت اگلے ہفتے ہوگی۔'' نیوز اینکر معمول کے مطابق خبریں پڑھ رہی تھی۔

''ابھی تک اُن کا کیس لٹکا ہوا ہے۔'' جہاں آرا بیگم نے حیرانی سے پوچھا۔

''ہاں وہی فیکٹری یا پتہ نہیں مل کا کیس چل رہا ہے ناں اُن کا۔ جہاں سُنا ہے کہ غیر قانونی طور پر کچھ کام ہوتا ہے۔'' انہوں نے دوبارہ کہا۔

''ہاں بیگم وہی ہے شاید۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کا زمانہ ہے ابھی یہ لوگ حکومت میں ہیں تو کیس بھی اُن کے اور جج بھی اُن کے...... یہ سب تو ڈھکوسلے ہیں، دکھاوا ہے اُن کا۔'' لوگوں کو بے وقوف بنانے کا...... توقیر صاحب نے کہا۔

''کافی اثر ورسوخ ہے آفندی کا میڈیا پر اور گورنمنٹ پر بھی...... تو اسے کوئی پرواہ نہیں۔'' صنوبر کے پسینے چھوٹنے لگے۔

''ایسا غائب کروں گا نہ......'' جازب آفندی کے الفاظ کہیں پاس سے ہی گونجنے لگے۔

''میں چلتی ہوں مجھے نیند آ رہی ہے۔'' صنوبر اٹھ گئی۔

''او کے بیٹا شب بخیر......'' توقیر حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شب بخیر بابا اور ماما......'' وہ مسکرائی اور اوپر آ گئی۔ کمرے میں پہنچ کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''یا اللہ کہاں پھنس گئی میں۔'' اس نے سر پکڑ لیا۔ وہ اچھے سے جانتی تھی کہ ایسے لوگوں کے ساتھ پھڈا کرنا ہمیشہ نقصان دہ ہوتا ہے ہم جیسوں کے لیے، وہ بہت پریشان تھی۔ کافی سوچ بچار کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے وہ ژالے کے ہاں سے آ جائے پھر وہ بابا جان کو سب بتا دے

گی۔ یہ سوچ کر وہ مطمئن ہوگئی۔

☆......☆......☆

''اپنا بہت خیال رکھنا بیٹا...... ہم آئیں گے بارات پر کیونکہ مہندی والے دن تمہارے بابا کو ایک اور شادی پر جانا ہے لہٰذا معذرت کر لینا تم ہماری طرف سے۔'' جہاں آرا بیگم نے اُس کا ماتھا چوما۔

''او کے ماما...... آپ بھی اپنا اور بابا کا خیال رکھیے گا میں کرتی رہوں گی فون۔'' وہ اُن کا ہاتھ پکڑ کر بولی اور پھر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

ژالے کا گھر D.H.A میں تھا اور اس کے گھر سے وہ کافی دور تھا۔ اس نے موبائل نکال کر نمبر ملایا۔

''السلام علیکم کیسی ہے تُو؟'' وہ بہت خوش تھی۔

''ہاں آرہی ہوں میں اسی لیے فون کیا۔ ہاں ہاں بس گھنٹہ لگ جائے گا او کے اللہ حافظ۔'' اس نے مختصر سی بات کی اور پھر موبائل بیگ میں رکھ دیا۔

''رفیق بابا ذرا مارکیٹ چلیے گا مجھے کیک وغیرہ لینا ہے۔'' اس نے ڈرائیور بابا سے کہا۔

''جی بی بی......!'' جواب مختصر تھا۔

''بی بی جی آپ دو منٹ رُکیں میں ذرا وہ سامنے گاڑی میں پیٹرول بھرا لاؤں۔'' وہ اُسے اُتارتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے میں اس بیکری جا رہی ہوں۔'' وہ بہت مشہور بیکری کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

اس نے کیک لیا اور چاکلیٹس کا ڈبہ بھی، کیونکہ ژالے کو یہ دونوں بہت پسند تھے اور لے کر وہ باہر آگئی۔ اس نے گھڑی پر دیکھا تو پانچ بج رہے تھے۔

''اُف کہاں رہ گئے بابا...... کتنی دیر ہوگئی ہے آگے ہی۔'' وہ چڑ کر بولی کیونکہ پچھلے دس منٹ سے وہ انتظار کر رہی تھی۔

اس نے آس پاس دیکھا معمول کے مطابق رش تھا۔ وہ چونکہ نہا کر نکلی تھی لہٰذا بال گیلے تھے اور کھلے بھی ہوئے تھے۔ کالے سلکی بال ہوا سے اُسے پریشان کر رہے تھے۔ ایک ہاتھ میں کیک تھا اور دوسرے میں چاکلیٹس کا ڈبہ تھا۔ اور بال بار بار اُس کی آنکھوں میں آرہے تھے۔ جس سے اُسے پریشانی ہو رہی تھی۔

''اگر اجازت دیں تو یہ بال میں ٹھیک کردوں۔'' وہ اس کے کان کے قریب آکر بولا۔ آواز سے اُس کی روح فنا ہوگئی۔

''جازب......'' بے ساختگی میں اس کے منہ سے نکلا۔

''چلیں اتنا تو شکر ہے کہ آپ بندے کی آواز تو پہچانتی ہیں۔'' وہ اس کے پہلو سے نکل کر سامنے آیا۔

''تو...... تو...... تم...... یہاں......'' پہلی بار وہ گھبرائی اپنی شخصیت کے برعکس۔

''جی بس آپ کو دیکھا اور آپ کے ہو گئے۔'' وہ مسرور لگ رہا تھا۔

صنوبر کے پسینے چھوٹ گئے آخری ملاقات کے بعد اسے خوف محسوس ہونے لگا تھا اس سے۔ اگرچہ اس نے کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی مگر پھر بھی وہ ڈرنے لگی تھی۔

''اوہ...... ہو آپ تو نارمل لڑکیوں کی طرح ڈرنے لگی ہیں۔'' وہ اس کی ہرنی سی آنکھوں میں جھانک کر بولا جہاں خوف کے ڈورے لہرا رہے تھے۔ وہ پیچھے سرکی۔

''آپ ایسے بالکل اچھی نہیں لگتیں مجھے تو وہ

شیرنی جیسی صنوبر ہی پسند ہے۔'' وہ پُر اعتماد تھا۔
''کہیں جارہی ہیں لگتا ہے آپ؟'' وہ اس کی تیاری دیکھ کر اور شاپرز دیکھ کر بولا۔
''ہاں اپنی دوست کی شادی میں۔'' ڈر کے مارے اس کے منہ سے پھسل گیا جس پر اس نے خود کو کافی ملامت کی۔
''گڈ ہماری طرف سے بھی مبارکباد دیجیے گا۔'' وہ بے ساختہ ہنسا۔ سامنے سے آئی گرے رنگ کی کلٹس کو دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھی۔ جبکہ وہ اسے اب بھی دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ جو صنوبر کو نہایت زہر لگ رہا تھا۔
''کہاں چلے گئے تھے آپ بابا میں کب سے انتظار کررہی تھی۔'' آنسو بس آنکھوں کے کناروں پر تھے بے بسی کے، وہ سچ میں بے بسی محسوس کررہی تھی۔ نہ جانے کہاں سے شیطان کی طرح جاذب آفندی وارد ہوجاتا ہے۔
''سارا موڈ خراب کردیا میرا۔'' وہ والٹ سیٹ پر پٹخ کر بولی۔
سارے راستے اسے یہ ہی ڈر لگا رہا کہ کہیں وہ پیچھا نہ کررہا ہو۔ وہ بار بار بیک مرر سے اس کی کرولا کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتی کہ کہیں ہے تو نہیں۔

☆......☆......☆

یہاں آکر وہ کافی فریش ہوگئی تھی۔ سارے گھر والوں سے مل کر وہ بہت خوش تھی خاص کر ژالے کے بڑے بھائی یوشع سے مل کر کیونکہ وہ اس کے ہمیشہ سے آئیڈیل رہے تھے۔ سلجھے ہوئے، نرم خو اور ہمیشہ چاہت سے بات کرنے والے، وہ ژالے کے فادر کے ساتھ مل کر بزنس کررہے تھے۔
وہ تین بہن بھائی تھے۔ یوشع اور ژالے اور پھر شیث، ان کی بھی چھوٹی سی فیملی تھی۔ ژالے کی شادی اس کے پھوپی زاد شرجیل سے ہورہی تھی جو ژالے کی پسند تھا۔ اسی وجہ سے وہ بہت خوش تھی۔
گھر میں زیادہ مہمان نہیں تھے کیونکہ سب ڈائریکٹ فنکشن پر ہی آنے والے تھے۔ صرف ژالے کی خالہ کی ہی فیملی آئی ہوئی تھی۔
اسی وجہ سے وہ تھوڑا ریلیکس تھی کہ بہت لوگ نہیں ہیں گھر پر ورنہ وہ Un Comfortable فیل کرتی کیونکہ یہ اُس کا پہلا تجربہ تھا یوں کسی کے ہاں جاکر رہنے کا۔
''اور سناؤ ژالے کیسی جارہی ہے تمہاری اسٹڈی۔'' یوشع سامنے بیٹھے ہوئے بولا۔ وہ لاؤنج میں ژالے کی ماما اور خالہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔
''اچھی جارہی ہے یوشع بھائی۔'' وہ دھیمے لہجے میں مسکرا کر بولیں۔
بھورے رنگ کے شلوار سوٹ میں وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ بال سلیقے سے بنے ہوئے تھے کشادہ چہرہ اور ذہانت سے بھرپور آنکھیں اور تبسم سے پُر ہونٹ یہ یوشع کی شخصیت کا خاصہ تھے۔
''گڈ مجھے خوشی ہے کہ تم پڑھ رہی ہو ہماری ژالے کی طرح نہیں جسے شادی کا بھوت سوار ہے۔'' وہ سیڑھیوں سے اترتی ژالے کو دیکھ کر ہنسا۔
''بھائی...... پلیز او کے میں نے بھی گریجویشن پورا کیا ہے اچھا جی۔'' وہ بدستور چڑ گئی جبکہ سب ہنس دیے۔
کافی کشادہ ہال تھا ایک طرف سیڑھیاں تھیں جس کے دائیں جانب لاؤنج تھا جو کہ نارمل ہال سے تھوڑا نیچے بنا تھا۔

دوسری جانب ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلتا تھا دروازہ چونکہ شیشے کا تھا لہٰذا اندر سے سارا منظر واضح تھا جہاں مرد حضرات محوِ گفتگو تھے۔
سامنے والے کارنر میں ایک کھڑکی تھی جہاں سے باہر لان کا منظر واضح تھا جو کہ مختلف قسم کی لائٹوں سے سجا تھا۔ وہاں مایوں کے فنکشن کا انتظام ہو رہا تھا۔
''صنوبر میں نے تمہارا سارا سامان یوشع بھائی کے سامنے والے کمرے میں رکھوا دیا ہے، او کے۔'' ژالے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔
یوشع بھائی کے سامنے والے کمرے کا سن کر صنوبر کو نجانے انجانی سی خوشی کیوں ہوئی یہ اُس کی سمجھ میں بھی نہ آیا۔
او کے تھینک یو۔'' وہ مسکرائی۔
''واہ مطلب ...... صنوبر صاحبہ ہماری پڑوسن ہیں کچھ دنوں کے لیے، واہ مزا آیا۔'' یوشع نے خوشی کا اظہار کیا۔
''بیٹا تم کچھ کھاؤ گی کچھ منگواؤں کیا تمہارے لیے۔'' ژالے کی ماما نے اس سے پوچھا۔
''نہیں آنٹی میں کھانا کھا کر آئی تھی۔'' وہ مسکرائی۔
''چلو چائے ہی ہو جائے پھر کیا خیال ہے صنوبر۔'' یوشع نے آفر کی۔
''جی ٹھیک ہے۔'' حالانکہ اُس کا چائے کا موڈ نہیں تھا مگر وہ انکار بھی کرنا نہیں چاہتی تھی یوشع کو۔''
''ہاں چائے کے ساتھ کچھ منگوالو میرے لیے آج تو دوپہر میں بھی کچھ نہیں کھایا۔'' ژالے کی بھاری بھرکم خالہ نے کہا۔
''رضو یار چائے لاؤ سب کے لیے اور خالہ کے لیے اور بھی بہت کچھ لے آنا۔'' یوشع نے آواز ماری۔
''چلو تم آؤ تمہیں میں نے بہت کچھ دکھانا ہے صنوبر اوپر آؤ۔'' ژالے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔
''او کے۔'' وہ اٹھ گئی۔
''ارے لڑکی اس بچاری کو تو چائے پینے دو۔'' خالہ نے ژالے کو کہا۔
''رضو ہماری چائے اوپر ہی دے جانا۔'' وہ وہیں سے ہانکی اور خود سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔
''پگلی ہے یہ......'' ژالے کی ماما بولیں۔

☆......☆......☆

رات مایوں کا فنکشن بہت دھما کے دار رہا۔ ژالے کے سسرال سے لوگ اُس کا جوڑا اور پھولوں کے ڈھیروں گہنے لائے تھے۔ وہ بہت ہی معصوم اور پیاری لگ رہی تھی۔ ژالے نے صنوبر کا بازو پکڑ رکھا تھا پیلے اور لال رنگ کے جوڑے میں بالوں کی سادہ سی چٹیا کیے کانوں میں پھولوں کے بالے پہنے وہ بھی بہت اچھی لگ رہی تھی۔
''واہ بھئی آج تو دو، دو شہزادیاں اکٹھی ہیں۔'' یوشع نے آ کر تعریف کی۔ ژالے نے تو وہ حق سے وصول کی البتہ صنوبر جھینپ گئی۔
''آج تو واہ کیا لگ رہی ہے صنوبر۔ بہت پیاری لگ رہی ہو تم صنوبر ...... بہت پیاری لگ رہی ہو تو صنوبر بالکل ڈفرنٹ سی ...... کبھی دیکھا نہیں تمہیں ایسے سجے سنورے۔'' یوشع کھلے دل سے تعریف کرکے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔
''تھینک یو!'' وہ شرمائی اور سر جھکا کر بولی۔
''بھائی ساری تعریف صنوبر کی ہی کرتے جائیں گے کہ میری بھی کریں گے۔'' ژالے نے

ہنس کر کہا۔

''بھئی تعریف تو وہ ہے جو سیدھی دل سے نکلے منہ مانگی تعریف بھی بھلا تعریف ہوئی۔'' وہ ہنس کر بولا۔ تو تینوں کے قہقہوں کی آواز کمرے میں گونج گئی۔ فنکشن ختم ہونے کے بعد ژالے اور صنوبر واپس ژالے کے روم میں آئے تھے۔ یوشع سامان ٹیبل پر رکھ ہی رہا تھا جب شیث نے یوشع کو ابو کا پیغام دیا۔

''بھائی ابو بلا رہے ہیں آپ کو جلدی کریں۔'' شیث دروازے سے ہی بولا اور جلدی میں دروازے سے ہی پلٹ گیا۔

''اوکے لڑکیوں اب میں چلتا ہوں۔ یوشع نے ایک بھرپور نظر سامنے کھڑی صنوبر پر ڈالی جو اُسے آج نہ جانے کیوں سب سے حسین لگی تھی۔ جبکہ پورے فنکشن میں جہاں ایک سے ایک طرح دار لڑکیاں تھیں۔

اس کے جانے کے بعد صنوبر نے لمبا سانس لیا جیسے وہ قید سے رہا ہوئی ہو نظروں کی۔ اُس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے خود کو کمپوز کیا۔ اور پالتی مار کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''آج تم نے وہ لڑکی دیکھی تھی ناں جو پورا لڈو ڈال رہی تھی منہ میں میرے۔'' ژالے جیولری اُتارتے ہوئے بولی۔

''کون......؟'' صنوبر نے بھی اپنے بالے اُتارے۔

''یار وہی گرین اور گولڈن سوٹ والی۔'' ژالے نے آئینے کے عکس میں جھانکتی صنوبر کو دیکھ کر کہا۔

''مجھے یاد نہیں ہے، کیوں؟'' وہ اُکتا کر بولی۔

''چھوڑو یار۔'' ژالے نے کہا۔ پھر وہ اپنا پراندہ اُتارنے لگی۔

''چلو میں بھی اب چلتی ہوں سونے، تم بھی اب سو جانا، یہ نہ ہو کہ شرجیل بھائی سے باتیں کرنے بیٹھ جاؤ لڑکی تم۔'' صنوبر نے چھیڑا۔

''ارے ہاں تھینک یو جانی تم نے یاد کرا دیا۔ شرجیل نے کہا تھا کہ فری ہوتے ہی میسیج کر دینا۔'' ژالے نے گھبرا کر اپنا موبائل فون دیکھا۔

''You Know Why I Love You Soo Much تم مجھے عین ٹائم پر چیزیں یاد کرا دیتی ہو۔''

''ہاہاہا...... Only For That You Love Me ہاں!'' صنوبر ہنس کر بولی۔

''نہیں یار مجھے تم ویسے ہی بہت پسند ہو مجھے کیا تم میرے گھر کی ہی فیورٹ ہو۔'' ژالے دھڑام سے بیڈ پر گری۔

''اچھا......!؟'' صنوبر نے بھنویں اُچکائیں۔

''جی......!'' ژالے نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔ پھر دونوں قہقہہ مار کر ہنس پڑیں۔

''چلو اوکے پھر تم کرو باتیں اپنے پیا سے میں تو چلی۔'' وہ گھڑی کو دیکھ کر بولی جہاں رات کا ایک بج رہا تھا۔

''اوکے گڈ نائٹ!'' ژالے نے کہا۔

''گڈ نائٹ......'' صنوبر نے بھی ہنس کر پیچھے مڑ کر کہا اور پھر نکل گئی۔ کمرے میں آ کر اس نے بیڈ پر دوپٹہ پھینکا اور بال کھول دیے۔ وہ اپنا بیگ سامنے رکھ کر ڈریس نکالنے لگی پہننے کے لیے۔

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' وہ ایک جوڑا نکال کر اسے دیکھتے ہوئے بولی کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھل گیا۔

''آپ......!'' یوشع کو سامنے پا کر پہلے تو وہ

گھبرائی پھر جلدی سے بیڈ پر سے دوپٹہ اٹھالیا۔
''اوہ! سوری مجھے ناک کر کے آنا چاہیے تھا۔'' یوشع جھینپ گیا جبکہ صنوبر کا چہرہ ایک دم سپاٹ تھا۔
''میں تو کہنے آیا تھا کہ اگر کچھ بھی چاہیے ہو تو ہم آپ کے پڑوس میں ہی ہیں۔ وہ کیا ہے نا آپ جیسی مہمان پہلی بار ہمارے ہاں رہنے آئی ہیں تو ہم اُن کی خاطر میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنا چاہتے۔'' وہ دروازے سے ہی کھڑے ہو کر بولا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی صنوبر کے چہرے پر خود سے ہی تبسم لہرا گیا۔
''ہنستی رہا کریں مجھے آپ کی ہنسی بہت پسند ہے صنوبر۔'' یوشع کی آنکھیں صنوبر کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔
صنوبر نے یوشع کی آنکھوں میں پہلی بار جھانکا۔ کچھ ایسا تھا اُس کی آنکھوں میں جو وہ سمجھ نہیں پائی۔ وہ پیار نہیں تھا کچھ اور تھا مگر کیا......؟ یہ اُسے سمجھ نہیں آئی۔
''Thank You But I Think Its Too Late To Say۔'' صنوبر نے گھڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا جہاں گھڑی ڈیڑھ بجا رہی تھی رات کے۔
''اوہ ہاں......! چلیں میں چلتا ہوں آپ اپنا خیال رکھیے گا۔'' وہ کہہ کر پلٹا۔ اس کے جانے کے بعد صنوبر کو عجیب سا محسوس ہوا۔ اس کا یوں بے دھڑک آ جانا صنوبر کو اچھا نہیں لگا تھا۔ مگر چونکہ وہ مہمان تھی لہٰذا بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔
بستر پر آتے ہی یوشع کا خیال بھی اس کے ساتھ آ گیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سوچنے لگی۔ یوشع جیسا شخص ہمیشہ سے اس کا آئیڈیل رہا تھا۔ ''Lovcing Caring'' دوسروں کا خیال رکھنے والا ہمیشہ پیار سے بولنے والا، اتنی دولت ہونے کے باوجود اس میں غرور نہیں تھا جو کہ اکثر پاور اور پوزیشن کے ساتھ انسان میں آ جاتا ہے۔ یوشع کے خیال کے ساتھ ہی جازب آفندی بھی ذہن کے پردے پر لہرا گیا۔
''اُف توبہ یہ اس وقت کہاں سے آ گیا۔'' صنوبر نے کروٹ لی۔ یوشع کے برعکس اس میں وہ تمام خصلتیں موجود تھیں۔ تو فرق تو واضح تھا دونوں میں مگر جو چیز صنوبر کو حیرت انگیز لگی دونوں کا موازنہ کرتے ہوئے (جو کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کر رہی تھی) وہ دونوں کی آنکھوں کا فرق تھا۔ یوشع کی آنکھیں شاید اس کے ظاہری کا ساتھ نہیں دیتی تھیں۔ عجیب کچھ تھا اُس کی آنکھوں میں جو صنوبر کو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
جبکہ جازب آفندی کی آنکھیں اسے ہمیشہ پُرکشش لگیں اُس کی شخصیت کے برعکس۔
''توبہ! کیا ہے جو آنکھوں کو لے کر بیٹھ گئی ہوں۔'' خود سے کرتی جنگ سے وہ تنگ آ گئی اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس نے سائیڈ لیمپ جلا لیا۔ اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔
بیڈ کے سامنے کمرے کا دروازہ تھا اور اس کے دائیں جانب دو کرسیاں رکھی تھیں اور اُن کے درمیان گول چھوٹا میز شیشے کا جس پر کرسٹل کا نیلے رنگ کا باؤل پڑا تھا جس میں مختلف رنگوں کے پتھر تھے۔ کرسیوں کے دائیں طرف کارنر میں ایک لیمپ لگا تھا اور اس کے ساتھ کھڑکی تھی جو باہر لان میں کھلتی تھی۔ بیڈ کے بائیں جانب ڈریسنگ ٹیبل تھا اور اس کے ساتھ چھوٹا سا کاریڈور جس میں الماریاں تھیں اور واش روم کا دروازہ تھا۔ بائیں جانب دیوار پر گھڑی تھی جو رات کے 2:30 بجا

رہی تھی۔ اس گہرے سناٹے میں صرف گھڑی کی ٹک ٹک گونج رہی تھیں جس سے زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔

کمرے میں صرف ایک سائیڈ بیڈ لیمپ روشن تھا۔ صنوبر نے اپنا عکس بائیں طرف والے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں دیکھا۔

''اب مجھے سونا چاہیے ورنہ صبح آنکھ نہیں کھلے گی۔'' اس نے خود سے کہا اور پھر لیٹ گئی اور چھت پر چلتے پنکھے کو گھورنے لگی۔ نجانے کون سے پہر اس کی آنکھ کھلی۔

صبح کھڑکی سے چھن سے آتی تیز دھوپ کے ساتھ اُس کی آنکھ کھلی۔ اُس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور انگلیاں بالوں میں پھنسا کر انہیں لپیٹنے لگی جو بکھرے ہوئے تھے کندھوں پر، اچانک اس کی نظر گھڑی پر پڑی۔

''اُف 11 بج گئے۔'' وہ جلدی سے بستر سے نکلی۔

☆......☆......☆

وہ تیزی سے فریش ہو کر کمرے سے نکل رہی تھی کہ سامنے سے نکلتے یوشع سے ٹکرا گئی۔ ساتھ ہی ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی اس کے حلق سے۔

''دھیان سے......!'' وہ ہاتھ سے اسے پیچھے گرنے سے بچاتے ہوئے بولا۔

''تھینکس......!'' وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔

''ویسے کافی زیادہ سوتی ہیں آپ۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''جی بس جگہ نئی ہے ناں تو نیند ڈسٹرب ہے تھوڑی۔ ایکچولی مجھے عادت نہیں ہے یوں کہیں اور سونے کی۔'' وہ شرمندہ سی وضاحت دیتے ہوئے بولی۔

''ہوں...... میں نے وضاحت تو نہیں مانگی آپ سے۔'' وہ دوبارہ مسکرایا اور سامنے کھڑی لال رنگ کی کھلی سی قمیض اور کالے رنگ کے کھلے سے ٹراؤزر میں ملبوس دھان پان سی لڑکی کو دل میں اُتارتے ہوئے بولا۔

''خوبصورت چیزیں تو ویسے ہی میری کمزوری رہی ہیں اور آج تو آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔'' وہ صنوبر کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ بولا جہاں بالوں کی سلکی لٹیں کیچر سے آزاد ہو کر اس کے چہرے پر رقص کر رہی تھیں۔

صنوبر نے بے ساختہ چہرہ اٹھایا اس کا چہرہ ایک دم لال ہو گیا۔

''جی......؟'' لہجہ کرخت تھا۔

''آپ کی تعریف کی۔'' وہ معصومیت سے بولا۔

''مجھے ایسی تعریف پسند نہیں لہٰذا آگے سے احتیاط کیجیے گا۔'' وہ کہہ کر رُکی نہیں بلکہ آگے بڑھ گئی۔ جبکہ یوشع کچھ الگ ہی سوچ رہا تھا۔

رات والی بات کو تو اُس نے ہلکے پھلکے انداز میں لیا تھا مگر یوں اس طرح یوشع کا بولنا اسے پسند نہیں آیا تھا۔ مگر وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی لہٰذا چپ رہنے میں ہی عافیت جانی۔

''ارے صنوبر باجی آپ اٹھ گئیں۔'' سیڑھیوں سے اترتی صنوبر کو دیکھ کر شیث اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''جی اٹھ گئی۔'' چشمہ لگائے نوجوان سے بچے کو دیکھ کر وہ مسکرائی۔

''ثانے باجی کہہ کر گئی ہیں کہ آپ کو اُن کے پاس پارلر لے آؤں آپ جب بھی اٹھیں وہ ابھی ابھی نکلیں ہیں۔'' وہ چائے کا کپ منہ کو لگاتے ہوئے بولا۔

''اوہو......میں بھول ہی گئی کل اس نے مجھے کہا بھی تھا۔'' وہ سر پر ہاتھ مار کر بولی۔

''ہاہاہا......اس کے انداز پر وہ بے ساختہ ہنس دیا اور اسے دیکھ کر صنوبر بھی ہنس دی۔

''ناشتہ کرلیں پھر چلیں گے۔'' وہ بولا۔

''نہیں بس چائے لوں گی۔'' وہ نیچے اتر آئی۔

''اوکے پھر آپ لان میں بیٹھیں میں وہیں لے کر آتا ہوں چائے۔''

''اوکے میں ویٹ کر رہی ہوں۔'' وہ مسکرائی اور دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

لان میں رات کا ہلکا پھلکا سامان پڑا تھا۔ زیادہ تر لان صاف ہو چکا تھا۔ وہ کرسی کو قدرے چھاؤں میں لا کر بیٹھ گئی۔ دھوپ کی تمازت تھی مگر ہوا نے اُسے ہلکا پھلکا بنا دیا تھا۔

صنوبر نے پہلے ماما کو فون کیا اور خیریت بتائی اپنی پھر ریلیکس ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی اور ٹانگیں جھلانے لگی کہ اچانک فون بج اٹھا۔

Unkonwn نمبر تھا مگر پھر بھی اس نے اٹھا لیا۔

''ہیلو......'' وہ مترنم سی آواز میں بولی۔

''کیسی ہیں آپ صنوبر؟'' آواز سنتے ہی وہ پتھر کی بن گئی۔

''پہچان تو لیا ہی ہوگا آپ نے۔'' دوسری جانب ہنسنے کی آواز آئی۔

''تم......!'' اُس نے کان سے ہٹا کر سیل فون کو گھورا جیسے یقین نہ ہو کہ کال آئی ہے۔ مگر فون پر کالنگ موڈ دیکھ کر وہ پریشان ہوگئی۔

''میں نے سوچا کہ کیوں نہ آپ کو اپنی پہنچ کا اندازہ کرا دیا جائے۔'' جاذب آفندی اس کے حال کو انجوائے کرتے ہوئے بولا۔

''ویسے تو آپ کا گھر بھی پتہ چل گیا مگر یہ زیادہ مناسب تھا کہ پہلے بتا دوں کہ آپ کا نمبر پتہ لگا لیا گیا ہے۔'' وہ بدستور مغرور لہجہ لیے ہوئے تھا۔ وہ گونگی بنے بس سنے جا رہی تھی۔

''آواز کہاں گئی آپ کی مس صنوبر توقیر حسن...... ویسے تو بہت زبان چلتی ہے آپ کی ماشاءاللہ سے اب کیا اسے زنگ لگ گیا ہے۔'' وہ بولا۔

صنوبر تو جیسے سکتے میں ہی آ گئی ہو۔ وہ چپ چاپ سنے جا رہی تھی پھر غصے سے ایک دم نمبر کاٹ دیا بلکہ کال ریجکشن موڈ میں ڈال دی۔

''خبطی، الو کا پٹھا، امیر باپ کی بگڑی اولاد۔'' اور جو بھی منہ میں آیا اس غائب شخص کو سنا ڈالا۔

''یہ لیں باجی چائے...... میں خود بنا کر لایا ہوں۔'' شیث نے بھاپ اڑاتا کپ آگے کیا۔

''کیا ہوا ہے آپ کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے۔'' وہ اسے دیکھ کر تشویش سے بولا۔

''کچھ...... کچھ نہیں Thank You So Much شیث So Sweet Of You۔'' اس نے چائے کا کپ لے کر ٹرے سمیت اپنی گود میں رکھ لیا۔

''بس چائے پی لوں پھر چلیں گے۔'' وہ چائے کا کپ پکڑتے ہوئے بولی۔

''اوکے میں ذرا ماما کو بتا دوں کہ آپ کو لے کر جا رہا ہوں۔'' وہ واپس پلٹ گیا جبکہ وہ پُرسوچ انداز میں چائے پینے لگی۔

☆......☆......☆

سارا دن اُس کا ژالے کے ساتھ ہی گزر گیا۔ شام گئے وہ واپس آئیں۔ ژالے کی ماما نے آس پڑوس والوں کو اور ژالے کی کزنز کو ڈھولکی کے لیے انوائٹ کیا ہوا تھا تو رات گئے تک ہنگامہ

چلتا رہا۔

اگلے دن بھی ژالے کی بکنگ تھی پارلر سروسز کے لیے اس بار صنوبر اس کے ساتھ ہی چلی گئی۔

''رات 8 بجے وہ واپس آئیں۔ یار کل تو نہیں جانا ناں۔'' صنوبر نے ژالے کے ساتھ صدر دروازہ عبور کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں یار کل تو جانا ہے میری مہندی کی بکنگ ہے ہلکا پھلکا میک اپ کراؤں گی اور بال بھی بنواؤں گی۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''اچھا...... ! مجھے لگا کہ اب تم صرف بارات پر ہی تیار ہو گی۔ ایکچو لی مجھے بوریت ہونے لگ گئی وہاں پر۔ But Its Okay میں تمہارے لیے اتنا تو کر ہی سکتی ہوں۔'' صنوبر نے اس کو کندھے سے پکڑ کر آگے کو دھکا دیا۔

''جی بالکل...... یہ تو کرنا ہی پڑے گا تمہیں۔'' وہ سر پیچھے کر کے ہنستی ہوئی صنوبر کو دیکھ کر بولی۔

''بچوں تم آؤ کھانا لگایا ہے تم لوگوں کے لیے۔'' ژالے کی ماما کچن سے نکلیں۔

''ہائے شکریہ ماما...... بچی بھوک لگی ہے وہ بھی سخت قسم کی۔'' ژالے سیدھا کچن میں گھسی۔

''تم بھی آجاؤ صنوبر یہ خود تو پگلی ہے تمہیں بھی کر دے گی۔'' ژالے کی ماما ہنستے ہوئے صنوبر کو کندھوں سے تھام کر بولیں۔

''نہیں آنٹی ایسی تو کوئی بات نہیں آنٹی۔'' صنوبر ہنسی۔ جس سے اس کے الفاظ کی خود ہی تردید ہوگئی۔

☆......☆......☆

آج وہ بہت تھکی ہوئی تھی تو جلد ہی سونے چل دی۔

رات کو نجانے کون سا پہر تھا کہ اسے لگا کہ جیسے کسی چیز نے اسے بازو پر کاٹ لیا ہو۔ درد کے مارے اُس کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے خود کو ہلانے کی کوشش کی مگر جسم نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے حواس آہستہ آہستہ ہوش میں آرہے تھے مگر جسم تھا کہ ہل نہیں پا رہا تھا۔ اسے اپنے پاس ایک سایہ لہراتا نظر آیا۔

اس نے آنکھوں کو مزید کھولنے کی کوشش کی۔ وہ سایہ قریب آرہا تھا۔ اور قریب وہ آہستہ آہستہ قریب سے قریب تر ہو رہا تھا۔

''کو...... کون ہے؟'' اس نے بولنا چاہا۔ مگر یہ کیا۔ اس کے ہونٹ ہل نہیں پا رہے تھے۔ اس کی آواز حلق میں ہی گم ہو کر رہ گئی۔

وہ سایہ دروازہ بند کر کے اب اس کے بالکل قریب آچکا تھا۔ کھڑکی میں سے پردوں کی اوٹ سے تھوڑی سی روشنی آرہی تھی جس سے کمرے میں روشن اجالا تھا ورنہ ساری لائٹس بند تھیں۔

''جازب آفندی...... بجلی کی طرح پہلا خیال اسے اس کا ہی آیا۔ اس کا دماغ سمجھنے لگا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے مگر وہ اسے جھٹلانے پر بضد تھی۔

''تم بہت خوبصورت ہو صنوبر...... بہت خوبصورت...... وہ شخص اس کے کان کے قریب ہو کر بولا۔ اور وہ کسی مردہ کی طرح بے بس تھی۔ صرف آنسو بس میں تھے جو خاموشی سے بہے جا رہے تھے۔

وہ خوشبو کو پہچانتی تھی جو اس کے آس پاس بکھری تھی۔ وہ کلون تھا مگر کون لگاتا تھا۔ اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔

وہ شخص اس کے قریب ہوا اور اپنا ہاتھ اس کے بالوں میں پھیرنے لگا۔

''تم خوبصورت ہو بہت خوبصورت اور

دلنشین سی...... کسی گڑیا جیسی اور مجھے خوبصورت چیزیں بہت پسند ہیں۔'' اس کا چہرہ صنوبر کا جھکا۔
'' یوشع...... آس پاس کئی دھماکے ہوئے...... وہ یوشع تھا۔ اس کی سانس تیز ہوگئی مگر جسم بے بس تھا۔
'' تمہیں بتایا تھا نا کہ خوبصورت چیزیں میری کمزوری ہیں اور جب تک انہیں اپنا نہ بنالوں مجھے چین نہیں آتا۔'' صنوبر کو اس وقت اس سے سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی اگر اس کے جسم میں جان ہوتی تو وہ اس کا منہ نوچ لیتی...... مگر اس وقت وہ خود کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کر رہی تھی۔
یوشع کسی آسیب کی طرح آہستہ آہستہ اس پر گرفت مضبوط کرتا گیا۔ بے بسی سے اُس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ کافی وقت کے بعد یوشع اس کے قریب سے اٹھا۔
'' اب چلنا چاہیے...... مجھے کافی دیر ہوگئی ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔
'' چپ رہو گی تو سکھی رہو گی ورنہ زندگی بھر کے لیے خود کو بے بس پاؤ گی اور تماشا بنے گا تمہارا۔'' وہ اس کے بیڈ کے قریب کھڑے ہو کر بولا۔ دروازہ کھول کر وہ پلٹا۔ باہر سے آتی روشنی میں اُس کا بھیانک چہرہ واضح ہو گیا جس پر شیطانی ہنسی ناچ رہی تھی۔ وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا۔
وہ مردہ جسم لیے اپنی عصمت کے لٹنے پر آنسو بہاتی رہی۔ تاریک رات اور بھی تاریک ہوگئی تھی صنوبر کے لیے۔
فجر کی اذانوں کے وقت اُس کے مردہ جسم میں زندگی واپس پلٹنے لگی۔ انجکشن کا اثر ختم ہونے لگا اب۔

☆......☆......☆

'' صنوبر...... یار تم اٹھی نہیں ہو بارہ بج گئے ہیں۔'' ژالے دھڑام سے کمرے کا دروازہ کھول کر آئی۔
'' صنوبر کروٹ بدلے لیٹی تھی۔ رو رو کر اُس کا سر اور آواز بھاری ہوگئی تھی۔
'' میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' صنوبر نے بنا پلٹے کہا۔
'' کیوں کیا ہوا ہے صنوبر جان۔'' وہ فکرمندی سے بیڈ کی دوسری طرف آئی جہاں وہ منہ کیے لیٹی ہوئی تھی۔
بکھرے بال، سوجی ہوئی آنکھیں...... ژالے اس کو دیکھ کر یک دم پریشان ہوگئی۔
'' آج میری مہندی ہے صنوبر اور تم بیمار ہوگئی ہو۔'' ژالے کا کھلا ہوا چہرہ یک دم مرجھا گیا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے روہانسی ہوگئی۔
صنوبر نے خاموشی سے نگاہ اُٹھا کر اپنی معصوم دوست کو دیکھا جس سے وہ گلہ بھی نہیں کرسکتی تھی کہ اُس کی چھت کے نیچے اسی کے سائبان میں، اسی کے محافظ بھائی نے میری عصمت کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔
'' ژالے سوری پلیز آج میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔'' صنوبر نے بس اتنا ہی کہا۔
'' میں سمجھتی ہوں۔ تم آرام کرو لیکن پلیز شام تک ٹھیک ہو جانا او کے...... میں تمہارے لیے دوائی اور ناشتہ بھجواتی ہوں۔ مہمان بھی آنے لگ گئے ہیں۔ میں ماما سے کہہ جاؤں گی کہ تمہیں ڈسٹرب نہ کریں۔'' وہ اس کا ماتھا چوم کر بولی۔
'' تھینکس......!'' صنوبر روہانسی ہوگئی۔ وہ مسکرائی اور اٹھ گئی۔

☆......☆......☆

صنوبر نے بڑی جدوجہد کے بعد اپنے وجود کو سمیٹا اور جیسے تیسے وہ تیار ہوئی۔ اور شام گئے

کمرے سے نکلی۔

''بیٹا اب ٹھیک ہو ناتم۔'' جیسے ہی وہ نیچے آئی ژالے کی ماما نے پیار سے اُس کا ہاتھ تھاما اور فکر مندی سے بولیں۔

صنوبر پل پل ان سب کی محبت کے آگے خود کو بے بس محسوس کررہی تھی۔ وہ خاموش رہی سر جھکائے۔

''دیکھو ذرا ژالے کے ساتھ گھوم گھوم کر تم بیمار ہوگئی ہو چہرہ بھی مرجھا گیا ہے میری بیٹی کا۔'' وہ اُس کا چہرہ تھام کر بولیں۔ صنوبر کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

''آنٹی میں ٹھیک ہوں۔ بس ذرا تھکاوٹ ہوگئی ہے مجھے آپ پریشان نہ ہوں بالکل بھی۔'' وہ اُن کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''بیگم ذرا بات سنیں۔'' ژالے کے پاپا بھی پیچھے سے آئے۔

''ارے صنوبر بیٹا اب کیسی طبیعت ہے آپ کی...... بھئی ژالے خاص تاکید کر کے گئی تھی کہ میری عزیز از جان دوست کا بہت خیال رکھنا۔'' وہ پیار سے بولے۔

''ٹھیک ہوں انکل۔'' اس نے بمشکل جواب دیا۔

''گڈ۔'' انہوں نے پیار دیا۔ پھر وہ باہر نکل آئی جہاں فنکشن ارینج کیا گیا تھا۔ وہ چپ کر کے ایک کارنر میں بیٹھ گئی۔

یوشع بھی آیا وہاں کسی کام سے...... اسے دیکھتے ہی نفرت کا لاوا اس کے اندر پھوٹ پڑا۔ اس کا دل کہا کہ اٹھے اور سب کے درمیان اُس کا گریبان پکڑ کر اُس کا منہ نوچ لے کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ مگر ایسے میں لوگوں کے سامنے خود کا تماشا بنانا بھی گوارا نہیں تھا۔ فون کی بیل نے اُسے متوجہ کیا۔

''ہیلو ماما......'' وہ خود کو سنبھال کر بولی۔

''جی ٹھیک ہوں بالکل......!'' آنکھیں برس پڑیں اُس کی۔

''جی ماما ٹھیک ہوں جی بس گلہ خراب ہوگیا ہے۔''

''جی...... کہہ دوں گی...... جی جی...... او کے اللہ حافظ۔'' فون بند کر کے اُس نے اپنے آنسو صاف کیے۔

لوگ بڑھنے لگے تھے۔ اور اس کا بیٹھنا مشکل ہوگیا تھا اسی لیے وہ اٹھ گئی۔ وہ اوپر ٹیرس کی کھلی ہوا میں آگئی۔

نیچے وسیع لان دلہن کی طرح سجا تھا۔ دائیں جانب اسٹیج تھا جسے گیندے اور گلاب کے پھولوں سے بہت دلکشی سے سجایا گیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی زمین پر پیلے رنگ کا کپڑا بچھا تھا جس پر مختلف رنگوں کے گول تکیے پڑے تھے۔ یہ ڈھولک بجانے والوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس سے فاصلے پر گول میزیں لگی تھیں۔

جن پر سفید رنگ کے کور تھے اور مہندی کے حساب سے مختلف رنگوں کے کورز بچھے تھے۔ ساتھ ہی کرسیوں پر بھی مختلف رنگوں کی ربن لگی تھیں۔ میزوں کے درمیان ایک ایک گلدان میں پھول سجے تھے۔ دوسری طرف کھانے کا انتظام تھا۔ سارے پودوں پر بھی لائٹنگ کی گئی تھی۔ جس سے وہ اور بھی زیادہ خوبصورت ہوگئے تھے۔

''تم تو کافی سمجھ دار ہو۔'' یوشع کی آواز ابھری۔ صنوبر کو جیسے کرنٹ لگا وہ فوراً پلٹی۔

سفید رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں بالوں کو قرینے سے بنائے وہ بلاشبہ وجیہہ لگ رہا تھا مگر صنوبر کو وہ دنیا کا ذلیل ترین شخص لگ رہا تھا۔

''You..You Bloody......'' صنوبر نے انگلی سے اُس کی طرف اشارہ کیا مگر غصے کی وجہ سے الفاظ منہ میں رہ گئے۔

''ہاہاہا...... تمہارے منہ سے تعریف اچھی لگی۔'' اُس کا قہقہہ بلند ہوا۔

''کیوں کیا تم نے ایسا میرے ساتھ، کتنی ریسپکٹ کرتی تھی میں تمہاری، مگر تم...... تم اتنے ہی گھٹیا شخص نکلے۔ بزدل...... لڑکی کو بے بس کر کے تم نے...... تم نے......'' وہ رو پڑی۔

بتایا تو تھا تمہیں کہ تم میری کمزوری بن گئی تھی۔ بس اس لیے اب بھول جاؤ تم جو بھی ہوا...... آگے بڑھ جاؤ...... اور ویسے بھی ہماری سوسائٹی میں یہ سب تو چلتا رہتا ہے۔'' وہ اس کے قریب ہوا اور آنکھ ماری۔ صنوبر نے اس پر ہاتھ اٹھایا۔ جو اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''نہ، صنوبر No Darling ہرگز ایسا مت کرنا ورنہ پچھتاؤ گی۔'' وہ تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔ جس میں واضح دھمکی تھی۔

''اس سے زیادہ کیا پچھتاؤں گی ہاں؟'' وہ زخمی شیرنی کی طرح بولی۔

''یہ بھی ہے...... ویسے۔'' وہ بولا۔ جیسے مذاق اڑا رہا ہو۔

''مگر ہوا کیا ہے یہ بس ہم دونوں کو پتہ ہے۔ اور کوئی ثبوت تو ہے نہیں جس سے تم مجھ پر الزام لگا سکو۔ کیونکہ میں کام بہت صفائی سے کرنے کا عادی ہوں۔ Mess مجھے بالکل پسند نہیں اور یہ تو تمہیں پتہ چل ہی گیا ہوگا۔'' وہ ہنستے ہوئے اُس کی بے بسی ولاچاری کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا۔

''میں چھوڑوں گی نہیں تمہیں یوشع خاور۔'' وہ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''تم کچھ کر بھی نہیں سکتی صنوبر تو قیر...... تو بہتر ہے کہ بھول جاؤ جو ہوا ہے اور آگے بڑھ جاؤ۔ وعدہ رہا کہ اب تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولا اور پلٹ گیا۔

''نہیں ایسے نہیں یوشع خاور ہرگز نہیں۔'' وہ پلٹی اور ریلنگ کو مضبوطی سے تھام کر اشتعال کو کم کرنے لگی۔

اس کا دماغ تیزی سے تانے بانے بننے لگا۔

☆......☆......☆

نہ چاہتے ہوئے بھی اسے مہندی میں شرکت کرنا ہی تھی۔ جیسے تیسے تیار ہو کر وہ فنکشن میں آئی۔ ژالے کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی اشارے سے بلا لیا۔ وہ اس کے پاس اسٹیج پر گئی۔

ژالے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ صنوبر نے اُس کی تعریف کی۔

''آج تم بہت پیاری لگ رہی ہو ژالے۔''

''مگر تم کیوں اچھی نہیں لگ رہی صنوبر، چہرہ کیسا مرجھایا ہوا ہے تمہارا جان۔'' وہ پیار سے اُس کا چہرہ تھام کر بولی تو صنوبر کے گلے میں ڈھیروں کانٹے چبھ گئے اور آنکھیں نم دیدہ ہوگئیں۔

''ایسے ہی لگ رہی ہوں تمہیں میں ٹھیک ہوں۔'' صنوبر اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ جبکہ آواز رندھ گئی۔

اس سے پہلے کہ ژالے کچھ کہتی اُس کی کزن نے آکر بتایا کہ مہندی لے کر دولہا والے آگئے ہیں۔ ژالے کا رنگ یک دم کھل اٹھا اور لب مسکرا دیے۔ وہ بے صبری سے آنے والوں کو دیکھنے لگی۔ خوب ڈھول بج رہا تھا اور لڑکے ناچ رہے تھے۔

ژالے کا دھیان جیسے ہی بٹا صنوبر خاموشی سے اسٹیج سے اُتر کر ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ اتنے

لوگوں کے درمیان بھی وہ خود کو بالکل تنہا محسوس کر رہی تھی۔ ڈھول کی آواز اسے اندر تک بجتی لگ رہی تھی۔ ٹھا، ٹھا، ٹھا، ڈھم، ڈھم...... اُس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور آنسو جاری ہو گئے۔ وہ خود کو تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی لہٰذا آنکھیں رگڑ دیں۔

آنے والے اب بیٹھنا شروع ہو گئے تھے اور جگہ بھری گئی تھی۔ صنوبر خاموشی سے وہاں سے اٹھ آئی۔

☆......☆......☆

سارا دن وہ کمرے میں بند رہی اور باہر نہ نکلی یہ بات ژالے نے شدت سے محسوس کی تھی لہٰذا وہ خود پارلر جانے سے پہلے اس کے کمرے میں آگئی۔

''کہاں گم ہو یار تم صنوبر...... کل بھی تم نظر نہیں آئی اور اب بھی کمرے میں بند ہو۔'' وہ دھڑام سے بیڈ پر آ کر بیٹھی۔ صنوبر جو کھڑکی کے پار کے نظارے میں گم تھی یک دم ٹھٹکی۔

''بس یوں ہی! تمہیں معلوم ہے نا کہ مجھے زیادہ بھیڑ بھاڑ پسند نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''کچھ ہوا ہے کیا؟ تمہارا چہرہ بالکل بجھا ہوا ہے۔'' ژالے پریشان ہو گئی۔

''کچھ نہیں یار بس طبیعت ٹھیک نہیں ہے میری۔'' صنوبر مطمئن کرنے کو بولی۔

''اچھا......!'' ژالے سنجیدگی سے بولی۔

''ارے یار تم نے جانا نہیں ہے پارلر کیا...... تین بجنے کو ہیں اور چھ بجے تمہاری بارات کا وقت ہے۔'' وہ اُس کا دھیان بٹانے کو بولی۔

''جانا ہے بلکہ وہیں جا رہی تھی۔ بس تمہیں دیکھنے آ گئی۔ آج شام میں تمہیں کسی خاص سے ملواؤں گی۔'' وہ آنکھ مار کر بولی۔

''اچھا کس سے......؟'' صنوبر مصنوعی طور پر متجسس ہوئی۔

''بس ہے کوئی یار، بلکہ خاص بہت خاص......'' وہ مزید سسپنس بنا کر بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے تم اب جاؤ ورنہ لیٹ ہو جاؤ گی۔'' وہ اسے بھگاتے ہوئے بولی۔

''اچھا مجھے ہال میں ملنا جلدی او کے۔'' وہ نکلتے ہوئے پلٹ کر بولی۔

''ٹھیک ہے......'' صنوبر نے کہا مگر اندر سے اُس کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا کہ رُکے۔ یہاں ایک پل بھی اس گھر اس کمرے میں جہاں اُس کی زندگی برباد ہو گئی تھی اور کرنے والا بھی اسی گھر کا مکین تھا۔

وہ کب کی گھر چلی گئی ہوتی اگر ممی کو اچانک ایبٹ آباد نہ جانا پڑ جاتا ابو کے ساتھ اس کی خالہ کی طبیعت ناساز ہو گئی تھی۔ وہ مطمئن تھی کہ اُن کی بیٹی محفوظ ہاتھوں میں ہے اسی لیے بے فکری سے چلی گئیں تھیں۔ انہوں نے کل واپس آنا تھا اور تب تک اسے اسی قفس میں رہنا تھا۔ وہ ہاتھوں کو گود میں لیے بیٹھی تھی اور آنکھیں ٹپ ٹپ برس جا رہی تھیں اسے لگتا تھا کہ کسی نے اسے تپتے ہوئے صحرا میں لا کھڑا کیا ہو۔ بے سروسامان وہ وہاں اکیلی تپتی ریت اور جھلسا دینے والی دھوپ میں ننگے پاؤں کھڑی ہو۔ عجیب حالت تھی اس کی، وہ اپنی حالت کسی کو بھی نہیں بتا سکتی تھی۔ یہاں تک کہ اپنے عزیز من ماں باپ کو بھی، وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں اس کو لے کر حد سے زیادہ حساس ہیں اور پاپا بھی برداشت نہیں کر پائیں گے یہ سب......

کل سے آج کے درمیان اسے صدیوں کا فاصلہ لگ رہا تھا۔ یوشع کی باتیں بار بار اُس کے

دماغ میں گھوم رہی تھیں۔ کتنی حقارت بھری نظریں تھیں اُس کی وہ خود کو کتنا بے مول تصور کر رہی تھی۔ یوشع کے سامنے......

''نہیں یوشع صاحب اتنی آسانی سے نہیں جانے دوں گی تمہیں، تم نے مجھ سے سب سے عزیز چیز چھینی ہے۔ تمہیں اس کا بدلہ تو چکانا ہی ہوگا۔'' وہ آنسو رگڑ کر بولی۔ یوشع کافی اثر و رسوخ والے باپ کی اولاد تھی اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کے پاپا صرف ایک گورنمنٹ آفیسر کے علاوہ کچھ نہیں تھے وہ اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور امیری اور اثر رسوخ نے جیت ہی جانا تھا اگر وہ لڑتی اپنے بل بوتے پر تو......''

''کون میری مدد کر سکتا ہے؟'' یہ سوال اُس کے ذہن میں پہلی بار گونجا۔

☆......☆......☆

وہ برائے نام تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو یوشع سے آمنا سامنا ہو گیا۔ پرپل اور اورنج کے کمبی نیشن میں ہلکے پھلکے کام والا جامہ وار کا سوٹ اس پر سادگی میں بھی بہت اُٹھ رہا تھا۔

بالوں کو پونی کی شکل میں قید کیا گیا تھا۔ آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر لپ گلوز کے علاوہ کسی آرائش کو ترجیح نہیں دی گئی تھی۔ یوشع نے چبھتی نظروں سے اُسے دیکھا۔

''سادگی میں بھی تم غضب ڈھاتی ہو صنوبر تو قیر۔'' وہ دانتوں کو نکوس کر بولا۔ صنوبر نے زخمی شیرنی کی طرح اُسے دیکھا۔

''اُف...... ایسے مت دیکھا کرو جانِ من دل پھر سے تمہارا طالب بن بیٹھتا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھ دل پر رکھ کر بولا۔

''کمینے تو بہت ہو تم یوشع......'' وہ بپھر کر بولی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے لمبے لمبے ناخنوں سے اُس کا حسین چہرہ نوچ ڈالے جس پر خباثت ناچ رہی تھی۔

''تعریف کے لیے شکریہ۔'' وہ گردن کو خم دے کر بولا۔

''اس سے پہلے وہ کچھ بولتی شیث نے مداخلت کی۔

''باجی اگر تیار ہیں تو آئیں میرے ساتھ چلیں آپ ہال میں۔'' وہ سیڑھیوں کے آخری زینے پر رُک گیا تھا۔ غالباً اسی کو بلانے آیا تھا۔

''ہاں چلو......'' اس نے خونخوار نظروں سے یوشع کو دیکھا اور نکل گئی۔ ہال میں اِکا دُکا ہی لوگ تھے۔ زیادہ تر گھر کے ہی لوگ تھے۔ وہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔

وہاں پھولوں کی پتیاں اور ڈھیروں ہار پڑے تھے جو مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے آئے تھے۔ پھولوں کی خوشبو سے پورا کمرہ معطر تھا۔

وہ چپ کر کے صوفے پر بیٹھ گئی اور سوچوں نے ایک بار پھر اُسے گھیر لیا۔

آدھے گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور ثانیہ نک سک سی دلہن بنی اپنی کزن اور امی کے ہمراہ روم میں آئی۔

وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ لال اور ہرے کمبی نیشن میں کامدانی کام سے بھرا لہنگا جس پر طلائی زیورات نے چار چاند لگا دیے تھے۔ اور پارلر والی کے ہاتھوں نے میک اپ کر کے اُس کی معصومیت کو اور بھی جلا بخشی تھی۔

وہ واقعی بہت حسین معلوم ہو رہی تھی۔ ہنستی اور لگتا کہ جھرنوں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پانی گر رہا ہو...... آج آواز کی کھنک ہی الگ تھی۔ پیا من بھائی والا غرور انگ انگ سے پھوٹ رہا تھا۔

''کیسی لگ رہی ہوں میں......؟'' وہ صنوبر

کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔
''بہت پیاری......'' وہ بمشکل مسکرائی۔
''رانیہ پلیز ذرا پانی ہی پلا دو۔'' اس نے اپنی کزن سے کہا۔
امی اس کی چھوڑ کر باہر مہمانوں کے پاس چلی گئی تھیں۔ اب وہ دونوں ہی بس کمرے میں تھے۔
''پورے تین گھنٹے لگے ہیں مجھے تیار ہونے میں......اُف دلہن بننا کوئی آسان کام ہے کیا؟'' وہ تھکی تھکی لگ رہی تھی۔
''ہوں......'' صنوبر نے بس اتنا کہنے پر اتفاق کیا۔
''صنوبر جان تم اب بھی پریشان ہو کچھ......سب ٹھیک تو ہے نا......امی نے بتایا کہ تمہاری خالہ بیمار ہیں اور تمہارے پیرنٹس انہی کی عیادت کو گئے ہیں ایمرجنسی میں......اس لیے اُداس ہو۔'' وہ فکر مندی سے بولی کیونکہ اسے اپنی یہ دوست بہت عزیز تھی۔
''ہوں......'' وہ پھر گردن کو خم دے کر بولی۔
''ارے ہاں تمہیں ایک نیوز سناتی ہوں کب سے پیٹ میں لیے بیٹھی ہوں۔'' وہ چہک کر بولی جیسے اچانک کچھ اہم یاد آ گیا ہو۔
''یوشع بھائی نے اپنے لیے لڑکی پسند کر لی ہے......'' وہ جیسے دھماکہ کر کے بولی۔
صنوبر کو شاک لگا......دل میں نہ جانے کیوں ایک ہلکی سی امید جاگی کہ شاید وہ وہی ہو۔
''بھائی تو جیسے پاگل ہی ہوئے جا رہے ہیں اس سے شادی کو......'' وہ بہت ایکسائیٹڈ لگ رہی تھی۔
صنوبر بس بت بنے اسے سن رہی تھی۔
''بھائی نے مایوں پر دیکھا تھا اسے بس پھر پاگل ہو گئے اس کے پیچھے، اور کہا کہ بس اسی لڑکی سے شادی کرنی ہے مجھے...... فائنل......!'' وہ یوشع کی نقل اُتار کر بولی۔
''بہت پیاری ہے ردا......شرجیل کی خالہ زاد ہے۔'' وہ اس کی طرف مڑ کر بولی جہاں صنوبر کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔
''بس میری شادی کے ہنگامے ختم جائیں تو بھائی کے سر پر سہرا سجانا ہے بس۔'' وہ ہنسی تو صنوبر کو لگا کہ کمرے میں اچانک حبس بہت بڑھ گیا ہو۔ وہ اور بیٹھی تو مر جائے گی۔ وہ اٹھی اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ جبکہ ڑالے پیچھے سے آوازیں دیتی رہ گئی۔
''اسے کیا ہوا ہے؟'' وہ پریشانی سے خود کلامی کرتے ہوئے بولی۔
وہ باہر نکل کر ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ بظاہر وہ لوگوں کو دیکھ رہی تھی مگر دماغ میں بس ایک ہی خیال تھا 'انتقام' یوشع خاور سے انتقام ...... اور وہ اسے لینے کے لیے اب کسی بھی حد تک جانے کو تیار تھی۔ باہر بادل گرجنے کی آواز آنا شروع ہو گئی تھی۔ مہمانوں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ بارات کی آمد آمد تھی۔ سبھی لوگ مصروف تھے۔ کچھ خوش گپیوں میں تو کچھ استقبال کی تیاریوں میں...... ان سب میں بس ایک وہی تھی جو سوگ کی سی کیفیت میں بیٹھی تھی۔ دنیا و جہاں سے بے نیاز...... بظاہر وہ سمندر کی من موجی لہروں کی طرح پُرسکون تھی مگر اندر ایک طلاطم برپا تھا بدلہ لینے کا......
اچانک ہال بینڈ باجوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ اور اس کا دماغ تیزی سے تانے بانے بننے لگا۔
اچانک اسے کچھ خیال آیا......اس نے فون

سے رنجکشن موڈ سے نمبر نکالا اور ڈائل کیا۔

''مجھے ملنا ہے آپ سے...... سٹی ہال آجائیں اور مس نیل کر دیجیے گا۔'' بات مختصر مگر مکمل تھی...... اس کے بعد وہ انتظار کی سولی پر لٹک گئی۔

شرجیل آف وائٹ اور ریڈ کے کمبی نیشن کی شیروانی میں بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دلہا دلہن کے گھر والے بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ سب اپنی اپنی جگہ مصروف تھے۔ جب بھی اُس کی نظر بظاہر سوبر دکھنے والے یوشع پر پڑتی وہ جلتی میں تیل کا کام کرتی۔

''اتنی آسانی سے نہیں یوشع خاور......'' اندر سے ایک آواز ابھرتی۔

کوئی 45 منٹ کے اَن تھک انتظار کے بعد صنوبر کا فون بج اٹھا۔ نمبر دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ ایک نظر ہال پر ڈالی جہاں سبھی اپنی اپنی جگہ مگن تھے، اور پھر وہ خاموشی سے نکل گئی۔ بارش بس برسنے کو ہی تھی اس نے آسمان پر نظر دوڑائی۔ ہال کے گیٹ پر کالے رنگ کی لینڈ کروزر اُس کی منتظر تھی۔ وہ چپ کر کے فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔ آج وہ اکیلا آیا تھا۔ کوئی محافظ ساتھ نہیں تھا۔

''زہے نصیب کہ آج آپ نے بندے کو خود سے یاد کیا ہم تو سر کے بل چل کر آ گئے۔'' جازب آفندی سر کو خم دے کر بولا۔

''کہاں جانا پسند کریں گی۔'' وہ سجی سنوری صنوبر کو آنکھوں کے رستے دل میں اُتار کر بولا۔ وہ بے نیاز بنی سامنے خلا میں گھور رہی تھی۔

''کہیں بھی لے جائیں۔'' مدھم سی آواز آئی۔

جازب کو 'کہیں غلط ہوا ہے' کا شدید احساس ہوا ورنہ صنوبر جیسی بہادر اور ہٹ دھرم لڑکی یوں کسی کی گاڑی میں رات کے اس پہر نہ ہوتی۔

جازب نے گاڑی چلا دی۔ دونوں کے درمیان بالکل خاموشی تھی۔ وہ کچھ لمحوں کے بعد صنوبر پر نظر ڈال دیتا۔ وہ خاموش بیٹھی بس خلا میں گھورے جا رہی تھی۔ جسے تکلیف اور کشمکش کے درمیان پھنسی ہو۔

''میں بات کو گھماؤں پھراؤں گی نہیں سیدھی سیدھی بات کروں گی۔'' کافی طویل خاموشی کو صنوبر کی بھاری آواز نے توڑا۔

''میرا دامن داغ دار ہو گیا ہے...... میں پاک نہیں رہی...... میری عصمت لوٹی گئی ہے۔'' وہ سر جھکا کر بولی جہاں آنسو پاکیزہ موتیوں کی طرح اس کے دامن میں گر رہے تھے۔ جازب کے پاؤں اچانک بریک پر گئے اور سنسنان سڑک پر اچانک ٹائروں کی چرچراہٹ گونجی اور گاڑی جھٹکے سے رُکی۔

''کیا کہا آپ نے؟'' وہ شاکڈ تھا، بے یقینی سے بولا۔

''میرا Rape ہوا ہے۔'' وہ پہلی بار اُس کو دیکھ کر بولی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے صنوبر کو دیکھ رہا تھا جبکہ غصے کی وجہ سے ہاتھ مضبوطی سے اسٹیئرنگ کو جکڑے ہوئے تھے۔

ونڈ اسکرین پر ہلکی ہلکی بارش کی بوندیں گرنے لگیں...... اور بادل گرجنے کی آواز آنے لگی۔

وہ ہونق بنا اس دھان پان سی لڑکی کی بہادری کو دیکھ رہا تھا جو اپنے ساتھ ہونے والا اتنا بڑا واقعہ اپنے منہ سے بتا رہی تھی۔

''کیا اب بھی آپ مجھ سے شادی کریں گے؟'' اگلا سوال اس نے بنا سوچے سمجھے کہہ دیا۔ صنوبر کو خود بھی حیرت ہوئی کہ اس نے کیا بول دیا ہے۔ مگر منہ سے نکلی بات اور کمان سے نکلا تیر کبھی واپس نہیں آتا۔ سوال بالکل غیر یقینی سا تھا۔ وہ خاموش تھا جیسے منجھدار میں کھڑا ہو۔

کالی گہری آنکھیں سامنے بارش کی بوندوں پر جمی تھیں۔ بال تراش لیے تھے اب اور چہرے پر سنجیدگی تھی۔ کالے رنگ کی شلوار سوٹ میں وہ بلاشبہ

اچھا لگ رہا تھا۔
اس نے مڑ کر صنوبر کے منتظر چہرے کو دیکھا۔ معصوم آنکھیں جو سوچی سوچی تھیں کا جل بھی بہہ کر رخساروں پر پھیل گیا تھا۔ ہونٹ لرز رہے تھے، پونی کی قید سے چند لٹیں نکل کر ہوا کی وجہ سے چہرے پر آ رہی تھی۔ وہ بے قراری سے ہاتھوں کو مروڑ رہی تھی۔ ایک چیز جس نے جازب کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا وہ اُس کی آنکھوں میں تبی امید تھی۔ تاریک چہرے پر شاید امید ہی واحد چراغ تھی۔ جازب کے اندر سے کہیں آواز آئی کہ یہ لڑکی غلط نہیں ہے اس کے حالات و واقعات غلط ہیں۔
''پلیز کچھ بولیں۔'' کافی دیر بعد صنوبر کی ہلکی سی آواز آئی۔ جیسے وہ بے چین ہو۔
''میں زبردستی کرنے کو نہیں کہہ رہی آپ اپنے فیصلے میں بالکل آزاد ہیں جازب۔''
''اور برائے مہربانی مجھ پر ترس کھا کر ہاں نہ کہیے گا۔ صنوبر نے سر جھکا لیا۔
''آپ کو پتہ ہے آج پہلی بار آپ نے مجھے جازب کہا ہے۔''
''صرف جازب۔'' وہ مسکرایا۔ صنوبر نے چہرہ اُٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔
آپ پر اعتبار کرنے کو دل کرتا ہے صنوبر تو قیر...... بولا تھا نا کہ دل لیے بہت ہیں میں نے لیکن دیا صرف آپ کو ہے۔ اور جازب آفندی کا دل بے مول نہیں اور اُس کا انتخاب بھی غلط نہیں ہوسکتا۔ مجھے ہیرے اور پتھر میں فرق معلوم ہے صنوبر اور آپ خالص ہیرا ہیں۔
''میں آپ سے اب بھی شادی کروں گا صنوبر۔'' وہ ایک جذب سے بولا۔ صنوبر کو یقین نہ ہوا کہ اُس نے ہاں کہا ہے۔ وہ تو ٹھکرائے جانے کی منتظر تھی اور خود کو کوس رہی تھی کہ خود کو کتنا بے مول

کر دیا اس نے شادی کا کہہ کر......
لاشعوری طور پر وہ مسکرا دی کہ کیا کہنے آئی تھی اور کیا بول چکی اور جازب نے بھی اس کی بات کی لاج رکھ لی۔
''مسکراتی رہا کریں اچھی لگتی ہیں۔''
''اب چلیں۔'' وہ اجازت لے کر بولا۔
''جی......اور بہت بہت شکریہ۔'' وہ پُر خلوص مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ جازب مسکرایا اور گاڑی بڑھا دی۔

☆......☆......☆

اپنے گھر آ کر اُسے سکون ہوا...... اپنا گھر اپنا ہی ہوتا ہے، وہ سمجھ گئی تھی۔ کاش اس نے ماما کی بات مان لی ہوتی...... وہ اکثر سوچتی تھی مگر تقدیر کا لکھا نہ مٹا ہے اور نہ مٹ سکتا ہے۔
اس نے گھر آ کر بالکل نارمل انداز میں رہنا شروع کر دیا اور ماں باپ کو بھنک بھی نہ لگنے دی کہ وہ کس کرب سے گزر کر آئی ہے۔
جازب سے وہ اب اکثر باتیں کر لیتی تھی فون پر...... اسے جاننے کے بعد احساس ہوا کہ جو وہ دکھتا ہے وہ ویسا ہے نہیں۔ وہ پُر خلوص اور محبت کرنے والا شخص ہے بظاہر وہ سخت اور غنڈہ لگتا ہے مگر درحقیقت وہ برعکس ہے۔ جازب کی والدہ بچپن میں ہی انتقال کر گئیں تھیں اس کے والد نے دوسری شادی کر لی تھی۔ جس میں سے اس کی دو بہنیں اور ایک بھائی تھا۔
بھائی چونکہ چھوٹا تھا لہٰذا باپ کا دایاں ہاتھ بن کر اس نے ہی سب سنبھالا ہوا تھا۔ جازب کے حوصلے نے اسے کافی سنبھالا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ غم بھلانے لگی تھی مگر یوشع خاور کو وہ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ کبھی سوچتی کہ جازب کو بتا دے اُس کا نام وہ ضرور کچھ کرے گا اور کبھی اللہ پر سارا کام چھوڑ دیتی۔ عجب اضطراب سا تھا یوشع خاور کی وجہ سے۔

☆......☆......☆

آج اس کی شادی کو ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا۔ کتنی ہنگامہ خیز شادی تھی اس کی اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ کن حالات میں اُس کی شادی ہوگی۔

جاذب سے کہہ کر اس نے اُس کا رشتہ بلایا تھا۔ ماما، پاپا مخالف تھے مگر وہ ضد پر اڑ گئی اور کہا کہ شادی سے جس قدر جلد ہو اسے جاذب سے ہی شادی کرنی ہے۔ آخر کار ماما پاپا کو گھٹنے ٹیکنے ہی پڑے اُس کی ضد کے آگے اور وہ صنوبر توقیر سے صنوبر جاذب آفندی بن گئی۔ سارے جہاں سے لڑ کر اس نے جاذب سے شادی کی تھی۔ وہ پُرسکون تھی۔ جاذب ایک اچھا شوہر ثابت ہوا تھا۔ جاذب کا ماضی بے شک ہنگامہ خیز رہا ہو لڑکیوں کے معاملے میں مگر داغ دار ہرگز نہ تھا۔ اور اب صنوبر کو کوئی فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔

اس گھر کا ماحول لیے دیے رہنے والا تھا۔ سسر کاروبار میں مصروف اور ساس صاحبہ کی الگ مصروفیات، نندوں کی دنیا الگ تھی۔ بڑی ماسٹر کر رہی تھی اور چھوٹی بی اے میں تھی۔ گھر کا ماحول ویسا ہی تھا جیسا عام طور پر ایسے گھروں کا ہوتا ہے اس لیے صنوبر کو زیادہ پروا بھی نہیں تھی۔

جاذب زبردستی اسے ہنی مون پر دبئی لے گیا تھا۔ حالانکہ اس نے بہت انکار کیا تھا۔ مگر وہ نہ مانا۔

''شادی کے بعد اگر ہنی مون پر نہیں گئے تو کیا فائدہ شادی کرنے کا۔'' اور صنوبر بس مسکرا دی تھی۔

برج الخلیفہ میں کھانا کھاتے ہوئے وہ بہت خوشگوار ماحول کو انجوائے کر رہے تھے کہ اچانک جاذب بولا۔

''صنوبر کیا میں اس شخص کا نام جان سکتا ہوں جس نے آپ کے ساتھ۔'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ گیا۔

صنوبر یک دم سنجیدہ ہوگئی۔ اشتعال کی ایک گہری لکیر اس کے کشادہ ماتھے پر نمودار ہوئی۔ جسے جاذب نے شدت سے محسوس کیا۔ منہ میں جاتا نوالہ وہیں رُک گیا اور وہ جاذب کو دیکھنے لگی۔

چند ثانیے اس نے کرسی کی پشت سے کمر لگائی۔ جاذب مکمل طور سے اسی کی طرف متوجہ تھا۔

''اگر کوئی مسئلہ ہے تو نو پرابلم۔'' وہ کندھے اُچکا کر بولا۔ صنوبر نے گہرا سانس کھینچا جیسے ہمت اکٹھی کر رہی ہو۔

''یوشع...... یوشع خاور۔'' اور بے دلی سے نام بتایا جیسے کوئی ناپاک چیز ہو۔

''خاور ریاض کا بیٹا......؟'' وہ حیرت زدہ تھا۔

''ہوں انہی کا بڑا بیٹا...... کیوں......؟'' صنوبر کو جاذب کے حیرت زدہ انداز پر حیرانی ہوئی۔

''نہیں...... کچھ نہیں۔'' وہ صاف ٹال گیا۔

صنوبر نے بھی کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اچھے سے جانتی تھی کہ جاذب نے کیوں پوچھا ہے وہ یقیناً کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔ یہ اس کا دل کہتا تھا مگر وہ خود سے کہنے کی ہمت نہ جتا سکی کہ اُس کا بندوبست کر دیں۔

☆......☆......☆

''شادی کے بعد وہ پڑھائی کو خیرباد کہہ چکی تھی۔ اب صرف گھر میں ہی ہوتی تھی۔ کل ہی ثرالے کا فون آیا تھا اور وہ اس سے سخت ناراض تھی کہ وہ ہنی مون پر کیا گئی اس نے شادی کر لی وہ بھی چپکے سے۔''

ساتھ ہی اسے یوشع کے نکاح کی خوشخبری سنائی جسے سن کر صنوبر کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

نہ جانے کتنی زندگیاں اس شخص نے برباد کی ہوں گی اور اب ایک اور زندگی داؤ پر ہے۔ اسے اس کی منکوحہ سے ہمدردی ہونے لگی۔ مگر اس نے خیال جھٹک دیا اور وارڈروب کی طرف بڑھی جہاں سے اس نے ایک شیفون کی ساڑھی نکالی آج جاذب

کے کسی دوست کے گھر اُن کی دعوت تھی وہ اپنے ذہن کو فریش کرنے کے لیے ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

جاذب آج صبح جلدی اُٹھ گیا تھا چونکہ سنڈے تھا لہٰذا صنوبر کو حیرت ہوئی۔

''خیریت تو ہے صبح آٹھ بجے ہی ہوگئی جناب کی۔'' وہ بھی بالوں کا جوڑا اپنا کر بولی۔

''جی جناب خیریت ہے بالکل خیریت ہے۔ بس موسم کو انجوائے کرنا چاہ رہا تھا اپنی سانولی سلونی سی بیگم کے ساتھ۔'' وہ بیڈ پر اُس کے قریب بیٹھ کر بولا۔

''اچھا جی......!'' وہ اپنی بڑی بڑی ہرنی جیسی آنکھوں کو پھیلا کر بولی۔

''اس نظر کرم کی کوئی خاص وجہ......؟'' وہ دونوں بازو آگے کو باندھ کر بولی۔

''ہے ناں!'' وہ اور قریب ہوا۔

''کیا......؟'' وہ متجسس ہوئی۔

''آج تم ضرورت سے زیادہ جو پیاری لگ رہی ہو۔ جانِ من......'' وہ اپنے ہاتھ سے اُس کا چہرہ قریب کر کے بولا۔

''بس کریں اُٹھیں......'' صنوبر یکدم گھبرا گئی اور اُسے پیچھے کر کے بولی۔ شرم سے ایک دم وہ لال ہو رہی تھی۔ جیسے انار ہو رس بھرا......

''ہائے سچی اس ادا پر جان دینے کو دل کرتا ہے۔'' جاذب بیڈ پر دراز ہو گیا۔

''چلیں اُٹھیں فریش ہوں پھر میں لان میں جوس لاتی ہوں آپ کے لیے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اُٹھی۔

''اگر واقعی موسم کو انجوائے کرنے کا ارادہ ہے تو......''

''اوکے جناب۔'' وہ آنکھیں موند کر بولا۔

صنوبر لان میں اُس کا انتظار کر رہی تھی کہ سامنے پڑا اخبار وقت گزاری کو اٹھا لیا موسم ابر آلود تھا اور ہلکی ہلکی ہوا نے اسے اور دیوانہ بنا دیا تھا۔

مستی میں جھومتی ہوائیں کبھی مشرق سے اُٹھتیں اور مغرب میں گم ہو جاتیں اور کبھی مغرب سے اُٹھتیں اور چار سو پھیل جاتیں۔ ہریالی ہر طرف پھیلی بھلی لگ رہی تھی۔ مروا اور موتیے کی خوشبو نے ماحول کو چار چاند لگا دیے تھے۔ وہ مسکرا کر اخبار دیکھنے لگی باہر تو کوئی خاص خبر نہیں تھی مگر اندر کی طرف ہیڈ لائن نے اُس کی نظروں کو جکڑ لیا۔

''شہر کے معروف بزنس مین خاور ریاض کے بڑے بیٹے یوشع خاور کا بدترین ٹریفک حادثہ۔'' اس کے مسکراتے لب رُک گئے۔

وہ خبر کی Detail پڑھنے لگی جس میں لکھا تھا کہ پرسوں رات شہر کی مصروف ترین سڑک پر یوشع کی گاڑی کھمبے سے بہت بری طرح ٹکرائی جس کے نتیجے میں اُس کی دونوں آنکھیں ضائع ہو گئیں اور ریڑھ کی ہڈی بھی کئی جگہ سے ٹوٹ گئی ہے ڈاکٹرز کو اندیشہ ہے کہ وہ اب مکمل طور پر مفلوج زندگی گزارے گا۔

اس سے آگے اس نے نہ پڑھا نہ جانے کیوں اندر ایک اطمینان سا دوڑ گیا کہ خدا نے خود اُس کا بدلہ لے لیا تھا۔ وہ پُر سکون ہوگئی۔ بے شک وہ مظلوم تھی مگر خدا کی لاٹھی بہت بے آواز ہے۔ اس نے انصاف کیا تھا اور مجرم کو سزا دی تھی۔

''کیا پڑھا جا رہا ہے جناب۔'' ہنستا مسکراتا جاذب نہا دھو کر سفید شلوار سوٹ میں نکھرا نکھرا اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

''کچھ خاص خبر نہیں ہے اخبار میں۔'' وہ مسکرائی اور اخبار رول کر کے رکھ دیا۔

☆......☆......☆

افسانہ

فرح انیس

آگہی

اُس دن شام کو امی نے مزے دار سے کباب فرائی کیے تو رابعہ کے ہاتھ اپنی بہن کے گھر بھی بھجوا دیے۔ وہ خالہ کے گھر جب پلیٹ تھامے اندر داخل ہوئی تو سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹک کر رُک گئی۔ صحن میں مہک اونچی آواز سے خالہ سے بحث کرنے میں......

جنوری کی سرد ترین صبح نے ہر شے کو دھند لایا ہوا تھا۔ آج پارک میں بھی معمول سے کم لوگ تھے۔ سردی کیا آئی لگتا ہے لوگوں نے گھر سے نکلنا بند کر دیا۔ پوری کالونی لگتا ہے لحاف میں دبک کر بیٹھ گئی۔ رابعہ ٹریک پر تیز تیز چلتی ہوئی برابر میں ساتھ چلتی مہک سے ہنس کر بولی۔

''کیا پرابلم ہے۔ مہک تمہارے ساتھ میں دیکھ رہی ہوں۔ تمہیں کافی دن سے بہت چپ رہنے لگی ہو۔ نہ اب پہلے کی طرح میرے ساتھ زیادہ بات کرتی نہ کوئی ہنسی مذاق۔'' رابعہ کے شکوہ کرنے پر مہک نے کچھ بیزار ہو کر اسے دیکھا۔

''یار کوئی بات نہیں، چلو گھر چلیں میں تھک گئی آج۔'' مہک کے ٹالنے پر رابعہ چپ ہو گئی۔

رابعہ اور مہک ان دونوں کے بارے میں خاندان میں مشہور تھا کہ یہ یک جان و قالب ہیں۔

ایک دوسرے کی خالہ زاد ہونے کے علاوہ بہترین دوست بھی تھیں۔ گھر برابر ہونے کا فائدہ سب سے زیادہ رابعہ اور مہک کو ہی تھا۔ ادھر رابعہ کا کوئی مسئلہ ہوتا تو اُس کی دوڑ مہک کے گھر لگتی۔ یہی حال مہک کا تھا۔ حال ہی میں دونوں نے ایم بی اے کیا تھا۔ دونوں کا شمار ذہین اسٹوڈنٹ میں رہا تھا۔

رابعہ اور مہک نے تعلیم کو خیر باد کہنے کے بعد گھر کے کاموں میں دلچسپی لینے کو ترجیح دی۔ حالانکہ ان کے اساتذہ کے مطابق ایک اچھی جاب ان کی منتظر تھی۔ کیونکہ تعلیمی میدان میں انہوں نے اپنی ذہانت کے خوب جھنڈے گاڑھے تھے۔ ویسے بھی جاب کے بارے میں ان کی اپنی رائے یہ تھی کہ جب ہماری ہر ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

گھر بیٹھے تو ہمیں کیا ضرورت ہے جاب کر کے مغز ماری کی، اور ہو سکتا ہے کہ کوئی ہم سے زیادہ اس جاب کا حق دار ہو، ہم کیوں کسی کا حق ماریں۔ ان کی والدہ بھی خوش تھیں کہ چلو اچھی بات ہے۔ دونوں گھر کے کاموں میں دلچسپی لے رہی ہیں۔

رابعہ کی دوران تعلیم اپنی والدہ کی سہیلی کے بیٹے سے بات پکی ہو گئی تھی اور اب دو مہینے بعد

شادی تھی۔ مہک کی حال ہی میں اپنے چچا زاد شیراز سے منگنی ہوئی تھی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد دونوں کا معمول تھا۔ روز صبح سویرے پارک میں واک کرنا۔ پارک سے واپس آ کر رابعہ تو تھوڑی دیر کے لیے سو جاتی تھی مگر مہک اپنا مارننگ شو دیکھا کرتی تھی۔ جس پر اس کی چھوٹی بہن عائشہ کہا

کرتی آپی کبھی تو غلطی سے مارننگ شومس کردیا کرو۔ تم تو مارننگ شو ایسے دیکھتی ہو جیسے تمہارے سر کا لیکچر ہے کہ اگر چھوڑ دیا تو پیپر میں مسئلہ ہوگا۔ مہک کی امی بھی اس کے اتنے پابندی سے مارننگ شو دیکھنے پر اکثر غصے میں آجاتیں کیونکہ جب تک مارننگ شو ہوتا۔

مہک ٹی وی کے آگے سے ہٹنا گناہ سمجھتی تھی۔ کوئی کچھ بھی کہے پر اُس کے کان پر جوں نے رینگتی تھی کچھ دنوں سے رابعہ محسوس کررہی تھی مہک کچھ چپ چپ سی ہے۔

اُس دن شام کو امی نے مزے دار سے کباب فرائی کیے تو رابعہ کے ہاتھ اپنی بہن کے گھر بھی بھجوا دیے۔ وہ خالہ کے گھر جب پلیٹ تھامے اندر داخل ہوئی تو سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹک کر رُک گئی۔ صحن میں مہک اونچی آواز سے خالہ سے بحث کرنے میں مصروف تھی۔ رابعہ نے پہلی بار مہک کو اتنے غصے میں دیکھا تھا۔

خالہ نے نجانے کیا کہا کہ وہ پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی۔ رابعہ پریشان ہوکر خالہ کی طرف بڑھی جو چہرے پر ناراضگی لیے تخت پر بیٹھی سبزی بنارہی تھیں۔

''خالہ کیا ہوا؟''

''بیٹا کچھ نہیں ہوا دماغ خراب ہوگیا ہے اِس کا......'' خالہ کے جواب پر وہ حیرت سے خالہ کو دیکھنے لگی کہ آخر ایسا کیا ہوا ہے۔

''ارے آپی آپ آئی ہیں۔'' عائشہ کی آواز پر وہ اُس کی طرف متوجہ ہوگئی جو دوسرے کمرے سے نکل کر اس کی طرف آرہی تھی۔

''رابعہ بیٹا تم بیٹھو میں ذرا کھانا بنالوں تمہارے خالو آتے ہی ہوں گے۔'' خالہ اٹھ کر کچن کی طرف چل دیں۔ عائشہ اس کے برابر تخت پر آکر بیٹھ گئی۔

''مہک کو ہوا کیا ہے؟'' رابعہ نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا ہونا ہے آپی...... اتنے دنوں سے ان کا یہی رویہ ہے سب سے، کوئی بات بھی نہ ہو پھر بھی عجیب طریقے سے بحث کریں گی اب تو مجھ سے بھی زیادہ بات نہیں کرتی۔'' عائشہ کے اُداس لہجے پر رابعہ اس کا ہاتھ تھپکنے لگی۔

''سب ٹھیک ہوجائے گا گڑیا۔ پر بتاؤ تو صحیح آخر بات کیا ہے؟''

''آپی پتا نہیں گھر میں ابو اور اسفر سے اُلجھنے لگیں ہیں۔'' (اسفر مہک سے ایک سال بڑا تھا) اس دن اسفر بھائی بتا رہے کہ اُن کے آفس میں ایک لڑکی ہے۔ ایسے کپڑے پہنتی ہے کہ سب کی نگاہیں اس پر ہوتی ہیں۔ بس پھر کیا تھا بھائی سے کہنے لگیں۔

''تم مرد تو کسی عورت کو آگے بڑھتا نہیں دیکھ سکتے۔ بس چاہتے ہو کہ گھر بیٹھ کر تم لوگوں کی خدمت کی جائے۔'' اسفر بھائی نے یہی کہا کہ'' مہک اس طرح کی ڈریسنگ کرنے سے عورت کے آگے بڑھنے کا کیا تعلق ہے۔

اور اس کے آفس میں جاب سے مجھے کیا مسئلہ ہوگا۔ میں تو بس یہ کہہ رہا ہوں کہ لڑکیوں کو احتیاط کرنی چاہیے کہ وہ ایسی ڈریسنگ کرکے باہر نہ نکلیں کہ ہر کوئی مفت کا مال سمجھ کر دیکھے۔ رابعہ نے عائشہ کو تفصیل سے ساری بات بتائی تو وہ سرہلا کر کھڑی ہوگئی۔

''چلو اچھا میں مہک سے مل لوں۔'' وہ مہک کے کمرے میں چلی آئی جہاں مہک چپ چاپ بیڈ پر بیٹھی تھی۔ وہ وہیں اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا ہے مہک؟''

''کچھ نہیں یار......'' مہک کے ٹالنے پر وہ اُسے دیکھنے لگی۔

''شرافت سے بتادو کیا مسئلہ ہے۔'' رابعہ نے گھور کراُسے دیکھا۔

''یار میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔'' مہک کی بات پر رابعہ حیرانگی سے مہک کو دیکھنے لگی۔

''مگر مہک تم تو کہتی تھی کہ جب ضرورت نہیں تو کیوں ہم بلاوجہ گھر سے نکلیں۔'' رابعہ اس کی کہی ہوئی بات دہرانے لگی۔

''ہاں پر ہم نے تعلیم چولہے پر جھونکنے کے لیے تو حاصل نہیں کی نہ مردوں کی خدمت کے لیے۔'' رابعہ کی بات پر مہک پھٹ پڑی۔ رابعہ آنکھیں پھاڑے اپنی دوست کو دیکھ رہی تھی۔

''بیٹا تمہیں کسی نے منع نہیں کیا جاب کاتم کرو اگر تمہارا شوق ہے۔ میں غصہ ہو رہی تھی تو تمہارے بات کرنے کے انداز پر کیونکہ میری بیٹی نے کبھی اس لہجے میں مجھ سے بات نہیں کی۔ گھر میں کسی کوتمہارے جاب کرنے پر اعتراض نہیں تم کرو۔

شیراز کا بھی کہنا ہے کہ تائی اس کو کہہ دیجیے وہ اپنا شوق پورا کرے۔ شادی کے بعد بھی اگر کرنا چاہے جاب تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ وہ یہ ہرگز نہ سمجھے کہ میں اسے اپنی خدمت کے لیے بیاہ کر لے جاؤں گا۔''

مہک اپنی والدہ کی بات پر شرمندہ ہوگئی جو نجانے کب کمرے میں آگئیں تھیں۔ گھر آ کر بھی مہک کی باتیں رابعہ کے ذہن میں گونجتی رہیں۔ ٹی وی پر چینل سرچ کرتے ہوئے اس کی نظر ایک چینل پر پڑی۔

جہاں مہک کا پسندیدہ مارننگ شو آ رہا تھا۔ وہ بھی دیکھنے لگی۔ میزبان اپنے مہمانوں کو متعارف کرا رہی تھیں۔ جن میں ایک فیشن ڈیزائنرز، ایک میک اپ آرٹسٹ اور ایک ماڈل تھیں۔

''آپ کیا کہتی ہیں ان خواتین کے بارے میں جو بزنس میں تعلیم حاصل کرتی ہیں انہیں آگے کیا کرنا چاہیے۔ میزبان کے سوال پر فیشن ڈیزائنرز جو پہلے ہی کافی ٹیڑھے انداز میں بیٹھی تھیں اور بیٹھ گئیں۔

بلیک ٹائٹ اور وائٹ شرٹ میں جسے وہ پھنسی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''میں تو کہتی ہوں جو خواتین بزنس میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں وہ اپنی تعلیم کو بیکار نہ کریں۔ اگر آپ کو گھر بیٹھ کر روٹیاں پکانی ہیں اور کچن میں زندگی گزارنی ہے۔ تو کیا ضرورت ہے اتنی تعلیم حاصل کرنے کی۔'' محترمہ کندھے اُچکا کر ہنس کر بولیں۔

مگر تعلیم شوقیہ بھی حاصل کرتی ہیں بہت سی خواتین، میزبان کے سوال پر بالوں کو ادا سے سنوارتے ہوئے بولیں۔

''میں تو پھر کہوں گی کہ آپ گھر سے نکلیں اور خود کو منوائیں۔ اس ہی طرح کا سوال اب اپنی دوسری مہمان سے کیا جا رہا تھا۔ رابعہ ہونٹ بھینچے ٹی وی اسکرین کو دیکھنے لگی۔

یہ لو مٹھائی کھاؤ۔ میری بہت اچھی بات لگ گئی۔ مہک رابعہ کے منہ میں گلاب جامن دیتے ہوئے بولی۔

''بہت بہت مبارک ہو۔'' رابعہ خوشدلی سے مبارکباد دینے لگی۔

''اور کیسی جا رہی ہے جاب۔''

آج تو پہلا دن تھا اسٹاف بہت اچھا ہے۔''

اب مہک رابعہ کو آفس میں اپنے گزارے ہوئے

پہلے دن کی روداد سنانے لگی۔

☆......☆......☆

رابعہ شادی ہوکر سسرال چلی گئی۔ جب بھی میکے آنا ہوتا مہک سے ضرور ملاقات کرتی۔ مہک بھی اپنی جاب کی وجہ سے بہت مصروف ہوگئی تھی۔ ایک مہینے بعد مہک کی شادی تھی۔ اس بار رابعہ کا میکے آنا ہوا تو امی سے پتا چلا کہ مہک نے جاب چھوڑ دی۔ جس پر رابعہ کو حیرت ہوئی کہ مہک نے جاب کیسے چھوڑ دی۔

رات مہک کا آنا ہوا۔ مہک کافی خوش لگ رہی تھی۔ جس پر رابعہ اسے چھیڑنے لگی۔ بہت خوش ہے شیراز سے شادی کی۔

باتوں باتوں میں رابعہ نے مہک کے جاب چھوڑنے کی وجہ پوچھی تو کچھ دیر تو وہ چپ ہوگئی۔ رابعہ میرے ساتھ میری ایک کولیگ ہیں نسرین آپا ان کے شوہر کی ڈیتھ ہوگئی۔ چار بیٹے ہیں چاروں الگ رہتے ہیں۔ وہ بتاتی ہیں اپنے بارے میں کہ ان کو بہت شوق تھا جب کا۔ گھر میں کبھی کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ پھر بھی اُن کا جنون تھا جاب کرنے کا۔ جس کی وجہ سے بچوں پر وہ توجہ نہ دے پاتیں جو دینی چاہیے۔

بچے بڑے ہوتے گئے۔ شوہر کی وفات ہوگئی انہوں نے بچوں کی شادی کردی۔ شادی کے بعد بچے یہ کہہ کر الگ ہوگئے کہ پہلے آپ کے پاس ہمارے لیے وقت نہیں تھا۔ اب ہمارے پاس نہیں۔ دو بیٹیاں ہیں وہ بہت اچھی ہیں آجاتی ہیں ملنے، ان کا شوق ان کے لیے اذیت بن گیا۔ وہ جواب تھکنے لگی تھیں سوچا تھا۔

جاب چھوڑ کر اب آرام سے گھر بیٹھ کر پوتے پوتیوں کے ساتھ وقت گزاروں گی۔ مگر ان کا شوق ان کے لیے طعنہ بنا۔ اب خالی گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے ہمت نہ ہوتے ہوئے بھی جاب پر آتی ہیں کہ وقت نہیں گزرتا اکیلے گھر میں۔ مہک افسردگی سے بتا کر چپ ہوگئی۔

''تو یہ وجہ ہے تمہارے جاب چھوڑنے کی کہ تم آنٹی کی بات سے ڈرگئی۔'' رابعہ کے سوال پر وہ اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں شاید میں ڈرگئی۔ رابعہ ضروری تو نہیں کوئی کچھ بھی بولے ہم وہ کریں۔ اگر کوئی کہے کہ اگر روٹیاں پکانے کے لیے تعلیم حاصل کی تو کیا ہم گھر چھوڑ کر نکل جائیں گے۔'' مہک کی بات پر وہ سمجھ گئی کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے۔

''اور ویسے بھی رابعہ پڑھی لکھی سمجھدار عورت اپنے بچوں کی بہت اچھے سے تربیت کرسکتی ہے۔ میں نے تعلیم اس لیے حاصل کی ہے کہ میں اپنی آنے والی نسل کو سنوار سکوں۔ کوئی اب یہ بولے کہ کچن میں زندگی گزارنے یا شوہر کی غلامی کے لیے حاصل کی ہے۔ تو میں بولوں گی ہاں میں نے اس لیے حاصل کی ہے کہ مجھے یہ سب کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوگی۔

ہاں میرے لیے وہ شرم ہوگی کہ کل کو میری اولاد مجھے طعنہ دے کہ امی ضرورت نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیں نظر انداز کرکے آپ نے اپنا شوق پورا کیا۔ اگر ضرورت ہوتی ہے تو اولاد بھی ماں کی قربانی کو سمجھتے ہیں۔ اگر سب عورتیں گھر سے نکل جائیں گی تو گھر کو کون دیکھے گا۔''

بولتے بولتے مہک کا سانس پھولنے لگا تھا۔ رابعہ کو لگا اس کی سمجھدار دوست واپس آگئی۔ زندگی میں ضروری ہے کہ سنو سب کی پر وہ کرو جو آپ کو مناسب لگے اور یہی بہترین زندگی گزارنے کا ٹوٹکا ہے۔

☆......☆......☆

افسانہ

آسیہ مظہر چوہدری

کرچیاں

اور پھر سب کے سمجھانے کے باوجود بھی حشمت خان اپنی من مانی کر بیٹھے اور سلمیاں کو بیاہ لائے۔ بڑھاپے کے عشق کا رنگ بڑا پکا ہوتا ہے۔ حشمت خان پر بھی یہ رنگ چڑھ چکا تھا۔ بانو آپا چند دن رہ کر واپس جا چکی تھیں۔ اور دوبارہ اس گھر میں نہ......

''سوچ لو اس عمر میں کہاں جاؤ گی شادی تو میں کروں گا ہی کیونکہ میں سلمیاں کے والدین کو زبان دے چکا ہوں تم اب اپنا فیصلہ کرلو یہاں رہو گی یا......'' حشمت علی خان اس کی ذات بکھیر کر جا چکے تھے۔ اور وہ ساکت پتھرائی آنکھوں سے انہیں جاتا دیکھ رہی تھی۔

''کون کہتا ہے اولاد جوان ہوجائے تو عورت مضبوط ہوجاتی ہے۔ یہ سب قسمت کا ہیر پھیر ہوتا ہے اور اس کی شاید قسمت ہی سیاہ تھی جو اس عمر میں اسے دھکے کھلانے کو بے تاب تھی۔ حشمت خان تم پچیس سال کی رفاقت، میری وفائیں خدمتیں، بھلا چکے ہو تم ایسا کیسے کرسکتے ہو؟'' جھریوں زدہ چہرے پر آنسو تواتر سے گرتے جارہے تھے۔ اور اِن آنسوؤں کا سدباب کوئی نہ تھا۔

☆......☆......☆

رات کو وہ کمرے میں آئی تو حشمت خان فون پر کسی سے بات چیت میں مصروف تھے اِسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر فون بند کردیا اور گلا کھنکھار کر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

''ہاں تو پھر کیا سوچا تم نے؟'' انہوں نے سرد آنکھوں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میری طرف سے اجازت ہے۔'' بولتے ہوئے اس کا دل کئی بار کٹ کر ریزہ ہوا تھا۔

''ہوں۔'' انہوں نے جواباً ہلکا سا ہنکارا بھرا اور پھر بولے۔

''آذر، عباد کو بھی سمجھا دینا وہ کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں۔''

''جی بہتر......'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی تھی۔ اب اور کچھ کہنے کو باقی بچا ہی کیا تھا۔ عورت کا معاشرے میں سب سے مضبوط سہارا شوہر کا ہوتا ہے جس کے بل بوتے پر وہ دنیا کی ہر مشکل کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکتی ہے، اگر وہی سہارا اس سے چھن جائے تو پھر پوری دنیا میں وہ تہی داماں رہ جاتی ہے خالی ہاتھ جس کے پاس کچھ بھی نہ بچا ہو۔''

☆......☆......☆

''کیا امی ابو پاگل ہوگئے ہیں اِس عمر میں شادی؟ اُن کے بیٹے بھی صاحبِ اولاد ہوگئے ہیں۔'' عباد تو یہ سب سن کر ساکت رہ گیا تھا۔

''تو کیا ہوا، تم نے وہ محاورہ تو سنا ہی ہوگا مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا ہے۔'' وہ اِس کی بات پر ہنسی تھیں۔

''امی مجھے آپ سے ایسی بیوقوفی کی امید نہیں تھی، آپ نے ابا کو کیسے اجازت دے دی۔'' عباد اب کے طیش کے مارے کھول اٹھا تھا۔

''کس منہ سے روکتی جبکہ انہوں نے روکنے ٹوکنے کا ہر مان مجھ سے پل بھر میں چھین لیا۔'' اس کا انداز شکست خوردہ تھا۔ جیسے شکست کا احساس اِس کے انگ انگ میں سرایت کر گیا ہو۔

''پھر بھی امی آپ نے ایسا کرلیا، ہم ہرگز ابا کو اجازت نہیں دیں گے۔'' عباد دوٹوک بولا تھا۔

''میں دے چکی ہوں۔''

''میں اور آذر کل کی فلائٹ سے ہی پاکستان آرہے ہیں، دیکھتے ہیں ابا ہمارے ہوتے کیسے یہ شادی کرتے ہیں، آپ اپنے آپ کو اکیلا مت سمجھیں آپ کے دو بیٹے آپ کے ساتھ ہیں۔'' عباد کی اِس بات پر اِن کے آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر ٹپاٹپ زمین پر گر رہے تھے۔

''نہیں تم دونوں پاکستان نہیں آؤ گے۔'' انہوں نے فوراً روکا تھا۔

''کیوں؟'' عباد اِن کے روکنے پر جھنجلا کر

گویا ہوا۔

''بس یہ میرا حکم ہے۔'' انہوں نے یہ کہہ کر فون فوراً کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

میری ساری زندگی کی ریاضتیں جو شخص بھول گیا اسے اولاد تو کیا دنیا کی کوئی طاقت اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔'' اِس نے تلخی سے دل میں سوچا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

فریدہ کی حشمت خان سے بول چال مکمل طور پر بند تھی۔ بس ضرورت کے تحت رسمی بات چیت ہو جاتی۔ اِس کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد حشمت خان نے پھر شادی کے متعلق کوئی بات نہ کی تھی۔ بیٹوں کی طرف سے بھی کوئی ری ایکشن کا سامنا نہ ہوا تو حشمت خان کچھ مطمئن سے ہو گئے تھے۔ وہ ایک گرم ترین صبح تھی، جب حشمت کی بہن بانو آپا بغیر اطلاع دیے چلی آئیں۔ فریدہ اُن کو اچانک سامنے پا کر بوکھلا گئی تھیں۔

''آپا آپ اچانک......'' وہ بے ساختہ بول اٹھیں۔

''ہاں بی بی اچانک ہی آئی ہوں کیونکہ تم نے جو اچانک ہمارے سر پر بم پھوڑ دیا ہے۔'' بانو آپا کے تیور غصے کے مارے اکڑ گئے تھے۔

''کیا مطلب آپا؟'' وہ جانتے بوجھتے انجان بنیں۔

''اتنی بھولی مت بنو فریدہ، مجھے عباد، آذر نے سب بتا دیا ہے۔'' آپا اِن کے انجان بننے پر اور بھڑک گئی تھیں۔

''تو پھر کیا کروں آپا......'' وہ یکدم شکست خوردہ سی اِن کے سامنے بیٹھ گئی آپا نے انہیں تاسف سے دیکھا تھا۔

''دیکھو فریدہ اب تم ایسی پوزیشن پر ہو کہ جدھر چاہے حالات کا رُخ موڑ سکتی ہو، میں جانتی ہوں تم نے ایک عمر حشمت کے ساتھ کانٹوں پر گزاری ہے، پر اُس وقت جو سہہ لیا سہہ لیا۔ اب مزید مت کچھ سہو...... گھر تمہارا ہے تم اِس گھر کی بلاشرکت غیرے مالکن ہو۔'' بانو آپا نے اپنی سوچ کے مطابق اُسے سمجھایا تھا۔

''آپا جب گھر والا ہی آپ کو بے مول کر دے تو گھر کی کیا اہمیت، میں مزید اب کچھ نہیں کہوں گی کیونکہ حشمت خان نے دوسری شادی کا کہہ کر ہی مجھے دو کوڑی کا کر دیا ہے، میرے سب دلائل، حق، حقوق اُسی دن ہی ختم ہو گئے تھے آپا میں اب اور اپنی اندر کی عورت کا تماشا بنتا نہیں دیکھ سکتی۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''تو سوتن برداشت کر لو گی اِس عمر میں۔'' آپا نے اپنے تئیں اُس کی دکھتی رگ پر ہاتھ دھرا تھا۔

''جہاں اتنا کچھ برداشت کر لیا، وہاں یہ کیا اہمیت رکھتا ہے۔'' وہ مسکرائی تھی، کڑوی مسکراہٹ......

''تم جوش سے نہیں ہوش سے کام لو فریدہ، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔'' بانو آپا اب کہ رسانیت سے بولی تھیں۔

''آپ اب ہم عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں سب فیصلے ہو سے ہی کیے جاتے ہیں۔ نہ حشمت کوئی نوجوان ہے اور نہ میں، حشمت نے سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ لیا ہوگا۔ اور ویسے بھی وہ سلمیاں کے والدین کو زبان دے چکے ہیں اور آپ جانتی ہیں جو اپنی زبان سے پھر جائے وہ مرد نہیں ہوتا۔'' یہ کہتے ہوئے آخر میں وہ ہلکا سا مسکرائی تھیں۔ یہ مسکراہٹ ویسے تھی یا طنزیہ بانو آپا سمجھ نہ سکی تھیں۔

''میں چائے لاتی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر اُٹھ گئیں تھیں جبکہ آپا کی پُرسوچ نگاہوں نے اِس کا دور تک پیچھا کیا تھا۔

☆......☆......☆

''حشمت تمہیں یہ گل کھلاتے ذرا شرم نہ آئی اور جب کہ تمہارے پوتوں کی شادی کرنے کی عمریں ہیں تم اپنا چاند چڑھا رہے ہو۔'' حشمت خان کے گھر آتے ہی آپا نے خوب ان کے لتے لیے تھے۔

''آپا شادی کوئی برا کام تو نہیں ہے۔'' وہ جواباً منمنائے تھے۔

''ہاں برا کام نہیں ہے مگر شادی کی عمر ہوتی ہے جو تمہاری تھی اور تم کر چکے ہو اچھا چلو تب بھی صحیح ہوتا اگر تم اکیلے ہوتے مگر بیوی کے ہوتے ایسی بیوی جو تمہاری فرمانبردار، نیک ہے، تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟'' حشمت کے ہر دلائل پر بانو آپا نے اُن کا منہ بند کیا تھا۔

''تم یہ سب کرنے سے پہلے ہمارا سوچ لیتے اپنے بیٹوں کا سوچ لیتے کہ ہم خاندان بھر میں کیا منہ دکھائیں گے۔'' بانو آپا نے خوب بول بول کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔ پر حشمت خان گونگے کا گڑ کھائے بیٹھے رہے تھے۔

☆......☆......☆

اور پھر سب کے سمجھانے کے باوجود بھی حشمت خان اپنی من مانی کر بیٹھے اور سلمیاں کو بیاہ لائے۔ بڑھاپے کے عشق کا رنگ بڑا پکا ہوتا ہے۔ حشمت خان پر بھی یہ رنگ چڑھ چکا تھا۔ بانو آپا چند دن رہ کر واپس جا چکی تھیں۔

اور دوبارہ اس گھر میں نہ آنے کی دھمکی بھی دے کر گئی تھیں۔ فریدہ نے بہت روکا مگر وہ ناراض ہو کر چلی گئیں۔

حشمت خان، سلمیاں کو لے کر اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ چند دن پہلے ہی فریدہ نے اپنی سب چیزیں اُٹھا کر وہاں سے دوسرے کمرے میں شفٹ کر لی تھیں۔ فریدہ نے سب کو اپنے اپنے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

☆......☆......☆

سلمیاں کا تعلق غریب طبقے سے تھا۔ جہاں ایک وقت کی روٹی میسر ہوتی اور دوسرا ٹائم بھوکا سونا پڑتا۔ اُس گھر میں جوان بیٹیوں کے لیے حشمت خان جیسے آئے رشتوں کے لیے بھی انکار نہیں کیا جاتا۔ واقعی یہ پیٹ بڑی ظالم شے ہے ہر کام کرا لیتی ہے۔ چاہے وہ کام من چاہا ہو یا مجبوراً، بھوک اپنے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

پچیس سال کی سلمیاں کا بھی حشمت خان کے ساتھ کوئی جوڑ بنتا تو نہیں تھا، پر بنا دیا گیا۔ یہ جدید دنیا ہے یہاں کون سا کام ناممکن ہے اور جو ناممکن ہو وہ ممکن بنا لیا جاتا ہے۔ سلمیاں کے بھی ہر لڑکی کی طرح کچھ خواب تھے۔ امنگیں تھیں پر اِس کے یہ خواب کچل دیے گئے۔ امنگیں غربت کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ خیر اس نے سمجھوتہ کر لیا۔ عورت اور کچھ کرے یا نہ کرے سمجھوتہ ضرور کرتی ہے۔ اس نے بھی کر لیا کیونکہ چند خوابوں کو گنوانے کے بدلے پیٹ بھر روٹی ملنا تھی۔ یہ سودا برا نہ تھا۔

فریدہ کو پہلی نظر میں ہی سلمیاں ایک ڈری سہمی لڑکی لگی تھی۔ اور اِسے ترس بھی آیا چاہے سوتن تھی پر تھی تو عورت ہی نہ اور ویسے بھی فریدہ کو یہ بے ضرر بے قصور لگی تھی۔ قصور حشمت خان کا تھا جس نے کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا تھا۔

☆......☆......☆

سلمیاں کو اِس گھر میں آئے ہفتے سے اوپر ہو چکا تھا۔ پر سلمیاں ابھی تک صرف کمرے میں ہی محدود تھی۔ کھانا اگر دیا جاتا تو کھا لیتی ورنہ منہ سے مانگنے کی جرأت تک نہ کرتی اور پھر فریدہ نے

ہی اس کی خاموشی توڑنے میں پہل کی۔ حشمت خان سے تو مکمل طور پر بول چال بند تھی۔ مگر سلمیاں کو گرہستی سکھانے کا کردار فریدہ با احسن طریقے سے ادا کرنے لگی۔ سلمیاں ذہن تھی، جو کام بتایا جاتا فوراً کرنے بیٹھ جاتی اور یوں دو ماہ کے اندر اندر فریدہ نے سلمیاں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ گھر کا نظام بہتر طریقے سے سنبھال سکتی تھی۔

☆......☆......☆

''جی امی کہیے کیسے یاد کیا آپ نے۔'' آذر ابھی تک فریدہ سے ناراض تھا۔ اس لیے خفگی بھرے لہجے میں گویا ہوا۔ ماں بیٹے کی بات کافی عرصے کے بعد ہو رہی تھی۔

''تم مجھے آسٹریلیا آنے کا کہہ رہے تھے نا، ویزا اپلائی کر دو میں آجاؤں گی۔'' فریدہ نے اس کی ناراضگی کی پرواہ کیے بغیر اپنی بات صادر کی تھی۔

''سچ امی...... آپ میرے پاس آ رہی ہیں؟'' آذر اِن کی اس بات پر خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔

''ہاں تم جو سال پہلے سے میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ میں آسٹریلیا آؤں اب موڈ بن گیا تو تمہیں بتا دیا۔''

''ٹھیک ہے امی میں آج ہی ایمبیسی جاتا ہوں۔'' وہ جواباً بولا۔

''ٹھیک ہے اپنا خیال رکھنا اور بچوں کو پیار دینا، اللہ حافظ۔'' فریدہ نے یہ کہہ کر فون کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

☆......☆......☆

ڈوبتے سورج کی کرنیں ابھی تک دھرتی سے لپٹی پڑی تھیں۔ دن بھر دھرتی پر سورج حکمرانی کرنے کے باوجود اپنا سنگھاسن چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ پر ڈھلتی شام کے پر آہستہ آہستہ سورج کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ سلمیاں چھت پر سے کپڑے اتارنے لگی تھی جبکہ فریدہ صحن میں بوگن ویلیا کی باڑ کے قریب بچھے تخت پر بیٹھی پالک چن رہی تھی۔ جب بیرونی دروازے سے حشمت خان داخل ہوتے فریدہ کی پہلی نظر حشمت خان پر پڑی اور پھر رخ موڑ گئی۔ حشمت خان نے اِن کا رخ موڑتا دیکھ لیا تھا۔ مرد چاہے جتنی عمر کا بھی ہو اَنا کے معاملے میں ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔ حشمت خان کو بھی اپنا نظر انداز کرنا بری طرح لگا تھا۔ وہ اندر جانے کی بجائے اس جانب چلے آئے۔

''کیسی ہو؟'' بات چیت بحال کرنے میں پہل کی۔

''ٹھیک۔'' فریدہ جواب دیتے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اب دو منٹ بھی میرے پاس کھڑا ہونا گراں محسوس ہو رہا ہے۔''

''مجھے اور بھی کام ہیں، وقت نہیں ہے میرے پاس۔'' فریدہ کا لہجہ بے اعتنائی لیے ہوئے تھا۔

''تم کیسے راضی ہو گئی اب جو ہونا تھا ہو چکا۔'' حشمت خان نے بات دوبارہ شروع کی۔

''میں نے کب گلا کیا میں ناراض تھی۔'' فریدہ بھی جواباً نرم لہجے میں بولی تھی۔

''تو پھر تمہاری یہ بے اعتنائی اجنبیت یہ کیا ہے۔''

''دیکھو حشمت خان یہ سب باتیں اب تم سلمیاں سے کرتے اچھے لگتے ہو۔ میں تمہارے لیے اب کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔'' فریدہ نے تھال اٹھایا اور کچن کی جانب چل دی۔

''تم ہی تو اہمیت رکھتی ہو۔'' حشمت خان کے دل سے صدا نکلی تھی۔

☆......☆......☆

''کیسی ہیں بانو آپا۔'' فریدہ نے فون اٹھانے پر کہا۔
''ٹھیک ہوں۔'' ان کے لہجے میں ناراضگی کا عنصر نمایاں تھا۔
''ابھی تک ناراض ہیں۔''
''میں بھلا کیوں ناراض ہوں گی۔'' بانو آپا نے سرسری لہجے میں کہا۔
''تو پھر ٹھیک سے بات کیوں نہیں کر رہیں۔'' فریدہ اب کہ دھیمے سے مسکرائی تھیں۔
''ہیں میں تم سے غلط باتیں کر رہی ہوں۔'' بانو آپا تو یہ سن کر ہتھے سے ہی اکھڑ گئیں۔
''ارے آپا میں نے ایسا نہیں کہا۔''
''اچھا، اچھا چھوڑو کام کی بات کرو۔''
''آپا میں اگلے ہفتے آسٹریلیا جا رہی ہوں، ہمیشہ کے لیے۔'' اس نے یہ کہہ کر در حقیقت بانو آپا کے سر پر بم پھوڑا تھا۔
''کیا؟ تم نے سب کچھ بالا ہی بالا اکیلے طے کر لیا، کسی سے مشورہ تک کجا بات کرنا تک مناسب نہ سمجھا تھا۔'' بانو آپا تو یہ سب سن کر صدمے کے مارے دنگ رہ گئی تھیں۔
''بانو آپا، آپ کو بتا دیا۔'' وہ بولی۔
''ہاں بی بی غیروں کی طرح۔'' بانو آپا نے سر جھٹکا تھا۔
''میں کل چکر لگاؤں گی آپ کی طرف۔'' اس نے آگاہ کیا اور چند ایک ضروری باتوں کے بعد فون ڈسکنیکٹ ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

اُس دن کے بعد فریدہ حشمت خان کے سامنے نہیں آئی تھی اور آنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ فریدہ حشمت خان کا ذہن اچھی طرح پڑھ چکی تھی۔ عورت چاہے کتنی بھی بیوقوف ہو، پر مرد کی فطرت کو اچھی طرح پرکھ لیتی ہے اور فریدہ نے بھی حشمت خان کی فطرت کو پرکھ لیا تھا۔ وہ جان چکی تھی کہ حشمت خان اب کیا چاہتا ہے۔

☆......☆......☆

اور پھر پتہ نہیں کیسے حشمت خان کو فریدہ کے آسٹریلیا جانے کی بھنک پڑھ گئی۔ حالانکہ فریدہ نے اپنی پوری سی کوشش کی تھی کہ یہ خبر حشمت خان سے جتنا ہو سکے چھپائی جائے۔ پر پھر بھی حشمت خان کو سب پتہ چل چکا تھا۔
''تم کس کی اجازت سے آسٹریلیا جا رہی ہو۔'' حشمت خان خبر ملتے ہی اُسی وقت اس کے کمرے میں آ دھمکے تھے۔
''کس سے لیتی اجازت۔'' فریدہ جو الماری میں کپڑے سیٹ کر رہی تھیں۔ حشمت خان کے دھاڑنے پر مطمئن سی بولیں۔
''مجھ سے میں تمہارا شوہر ہوں مجھ سے لیتیں اجازت۔'' حشمت خان سینہ تان کر غرائے تھے۔
''حشمت خان اب تو مذاق کرنا چھوڑ دو کب تک تم مرد ایسے ہی عورتوں کو پاگل بناتے رہو گے۔'' وہ تلخی سے ہنسی تھیں۔
''تمہاری یادداشت کمزور ہو چکی ہے حشمت میری نہیں آج سے دو ماہ پہلے کیا کہا تھا تم نے مجھے سب یاد ہے تم اگر بھولے ہو تو یاد دلا دیتی ہوں۔'' فریدہ کی اِس بات پر حشمت خان کے چہرے کا رنگ زرد ہوا تھا۔
''وہ سب تو غصے میں کہا تھا۔ تم اُس بات کو کیوں دل سے لگائے بیٹھی ہو۔'' حشمت خان نے صفائی پیش کی۔
''وہ الفاظ تم مردوں کے لیے اہمیت نہیں رکھتے ہوں گے مگر عورت جیتے جی مر جاتی ہے۔ سوکن کبھی برداشت نہیں ہوتی اپنی۔ بے وقعتی وہ کبھی

نہیں سہہ پاتی۔ وہ عمر کے چاہے کتنی سیڑھیاں ہی پھلانگ لے اس کی خواہش خواب جوان رہتے ہیں۔ شوہر کی وفاداری کی اُسے آخری سانس تک ضرورت رہتی ہے۔ میں نے پچیس سال اِس آس میں تمہارے ساتھ گزارے کہ شاید مجھے تمہاری وفاداری کی تھوڑی سی بھیک مل جائے۔ پر میں ہارتی گئی اور سمجھوتہ کرتی گئی کہ شاید کبھی تو میری وفاداری کے بدلے تمہاری وفاداری مجھے ملے گی یا مان ملے گا۔ پر میں بیوقوف تھی بار بار دھوکہ کھاتی گئی، تمہارا یقین کرتی گئی۔ پر اب تو تم نے سب کچھ ختم کر دیا۔ میرا مان وقار سب کچھ اب میں تہی داماں رہ گئی ہوں۔

''میں وہ فالتو سامان ہوں جس کو جلد گھر کی چوکھٹ کے باہر بڑے سے اسٹور میں رکھ دیا جائے گا۔ لہٰذا میں اب اپنی باقی زندگی اپنے بچوں کے ساتھ گزاروں گی...... اور یہی میرا فیصلہ ہے۔''

''اور ایک آخری بات اِسے میری التجا سمجھو یا کچھ اور سلمیاں کے ساتھ انصاف کرنا اُسے مت دھتکارنا۔ میں اگر بکھری ہوں تو مجھے میرے بیٹے سنبھال لیں گے۔ پر اگر سلمیاں بکھری تو اُسے کوئی سمیٹ نہ سکے گا۔ یہ ایک عورت کی ایک عورت کے لیے التجا ہے اور میری اِس التجا کو مت توڑنا۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی اور حشمت خان جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

آج فریدہ کی اِس گھر میں آخری رات تھی۔ عورت ٹھکانے کے معاملے میں بڑی بدنصیب واقع ہوتی ہے۔ اُس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ لڑکی اپنا پورا بچپن یہ سمجھ کر گزارتی ہے کہ یہ گھر اُس کا ہے، اپنا ہے، پر جوانی کی دہلیز پر پہنچتے ہی اُسے یہ باور کرا دیا جاتا ہے کہ یہ گھر اُس کا نہیں ہے وہ پرائی امانت ہے۔ اِس کا اصلی گھر تو اِس کا سسرال ہے۔ اور جب سسرال کو اپنا گھر سمجھتی ہے تو یہ بھی اِس کی خام خیالی ثابت ہوتی ہے۔ دراصل عورت کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔ وہ جس کے دم سے گھر جڑتے ہیں آنگن مہکتے ہیں گھر کو جوڑنے والی آنگن کو مہکانے والی خود بے گھر ہوتی ہے۔

آج فریدہ بھی بے نصیب ٹھہری تھی۔ جس گھر کو اپنا سمجھ کر پچیس سال سنبھالتی رہی۔ ایک پل میں ہی اُسے اس گھر سے بے دخل کر دیا گیا۔ یہ مرد کا کیسا انصاف تھا عورت کے لیے، کیا عورت مرد کی غلام ہوتی ہے۔ جب چاہا رکھ لیا جب چاہا نکال باہر کیا۔ آخر کب تک اِس معاشرے کے مرد عورت کو ایسے ہی گھر بدر کرتے رہیں گے۔ اُن کے مان وقار کی دھجیاں اُڑاتے رہیں گے۔

☆......☆......☆

اور پھر فریدہ حشمت خان کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل گئی تھی۔ یہ اتنا آسان نہ تھا۔ پر ناممکن بھی نہ تھا۔ ہر عورت کی طرح فریدہ کو بھی اپنا وقار مان اتنا عزیز تھی۔ وہ سب کچھ سہہ سکتی تھی۔ پر اپنے مان کو ٹوٹتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ شاید کوئی بھی عورت ایسا نہیں دیکھ سکتی۔ ادھیڑ عمری میں فریدہ کے لیے یہ فیصلہ کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ اس کا دل لہولہان ہوا تھا۔ مان ٹوٹا تھا اَنا کچلی گئی تھی۔

اس کا دل لہو لہو تھا۔ بھروسے اور اعتبار کی کرچیاں ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے دل میں پیوست ہو گئی تھیں۔

زخم خوردہ دل کسی کو دکھایا بھی تو نہیں جا سکتا ہاں مگر کچھ فیصلے ایسے ضرور ہوتے ہیں جن کے بعد ہارنے والا آخر تک اپنی جیت کے زعم میں رہتا ہے اور یہی فریدہ نے حشمت خان کے ساتھ کیا تھا۔

☆......☆......☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

یہ شام سے اُداس لوگ

''میں کشف کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں۔ مگر...... میرا دل کہتا ہے...... کہ تم...... وہاب کے ساتھ رہ کر بھی اُس کی نہیں ہو۔ تمہاری اُداسیوں نے میرا چین لوٹ لیا ہے۔'' وہ جذباتی ہو رہا تھا۔ ''آپ مجھ سے اس قسم کی باتیں......

کھانے کی میز پر کشف نے رابیل کے آنے کا بتایا۔ اور ساتھ ہی گہری نظروں سے مجھے دیکھا۔ منہ میں جاتا ہوا نوالہ روک لیا تھا میں نے...... پھر ایک نظر اُسے دیکھا اور سر ہلا دیا۔

''کب آ رہی ہے؟'' میں مانتا ہوں کہ اپنی مسز سے یہ سوال پوچھنے کا حق نہیں تھا۔ میرا ہر نارمل سوال بھی رابیل کے معاملے میں مجھے آکورڈ فیل کروا ہی دیتا ہے۔

''اِسی مہینے...... انیس کی رات کو......'' وہ میرا چہرہ پڑھ چکی تھی۔ ایک ہارٹ بیٹ جو مس ہوئی تھی کشف نے محسوس کر لی تھی شاید...... میں ایک بار پھر سر ہلا کر کھانا کھانے کی کوششیں کرنے لگا۔ مگر ایک دو نوالے لے کر ہاتھ کھینچ لیا۔

''میں آرام کرنے جا رہا ہوں۔ بہت تھک گیا ہوں۔'' کرسی دھکیل کر اُٹھا تو وہ عجیب ہی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ یا پھر مجھے ہی اُس کا ہر انداز کچھ جتانے یا بتانے والا لگ رہا تھا۔

میں اپنے کمرے میں آ گیا...... ایسے ہی آن کیا شرٹ اُتار کر ایک طرف پھینکی اور بستر پر بیٹھ گیا۔ ایک اس جملے کے لیے میں نے کتنا انتظار کیا تھا۔

''رابیل آ رہی ہے...... رابیل آ رہی ہے۔''

وہ سات سال بعد واپس آ رہی ہے۔ وہ ناراض ہو گئی تھی۔ اپنے آپ سے، مجھ سے...... اِس پوری دنیا سے...... کتنا رُلایا تھا اُسے...... کانٹے تھے کہ دل کو گھائل کرنے لگے، وہ بے تاب ہو کر اُٹھا۔

اِس نے بھی تو خود کو بہت سمیٹا تھا۔ بہت مضبوط کرنے کی کوشش کی تھی۔ وقت کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کشف اُس کی زندگی کی ساتھی بن گئی۔ تو یہ بھی مان لیا......

کمرے کا دروازہ کھلا اور کشف اندر داخل ہوئی۔ میں اپنے حواسوں میں واپس آیا اور چونک کر اُسے دیکھا۔

''کیا ہوا......؟ آپ ابھی تک لیٹے نہیں؟''

''ہوں...... ہاں...... بس...... لیٹنے ہی والا تھا۔ بچے سو گئے۔ میں ابھی کمرے میں آ رہا تھا۔ تو اُن کے کمرے کا ٹی وی چل رہا تھا۔'' میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... وہ تو کب کے سو چکے...... ابا جان ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ مگر اب وہ بھی سو گئے۔'' کشف نے کمبل کھول کر میری ٹانگوں پر ڈال دیا۔ میں بھی نیم دراز ہو گیا۔ وہ الماری سے اپنا نائٹ سوٹ نکالنے لگی۔

''کشف...... چینج کرنے سے پہلے کوئی ٹیبلیٹ دے دو...... سر درد کر رہا ہے۔'' کشف نے مڑ کر مجھے دیکھا۔

''ابھی تو...... اچھا میں دیتی ہوں، ویسے میرے پاس سلیپنگ پل بھی رکھی ہے۔ اگر کہیں تو لا دوں۔'' پتہ نہیں طنز تھا یا اُس نے کچھ جتانے کی کوشش کی تھی۔ میں جواب بھی نہیں دے سکا۔ وہ دراز میں سے ٹیبلیٹ نکالنے لگی۔ اور پھر مجھے لا کر تھما دی۔

''تھینک یو۔'' پانی کا گلاس لیتے ہوئے میں نے کہا اور دوائی کھالی۔ وہ گلاس وہیں میرے پاس رکھ کر بیٹھ گئی۔ چند ثانیے میری آنکھوں میں جھانکتی رہی پھر میرا ہاتھ تھام لیا۔

''میں جانتی ہوں آپ رابیل کو کبھی نہیں بھولے، لیکن پلیز...... جو آگ بجھ چکی ہے اُسے ہوا مت دیں۔'' کشف کے منہ سے یہ بات سن کر میں بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ مجھے یقیناً ایسے ری ایکٹ کرنا نہیں چاہیے تھا۔

''تت...... تم...... جانے کیا سمجھ رہی ہو...... میں واقعی بہت تھکا ہوا ہوں۔'' میں نے بچنے کی کوشش کی۔

''ہاں...... مگر اچانک...... یہ تھکن بہت بڑھ گئی ہے۔'' وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں میرا ہاتھ لیے ہولے ہولے دبا رہی تھی۔

''میں آپ کو سمجھتی ہوں...... ہو سکتا ہے کوئی اور...... آپ کو اتنا نا سمجھ سکے۔ پلیز کمپوز یور سیلف۔'' میں نے محسوس کیا تھا کہ کشف کے لہجے میں کہیں نمی سی تھی۔ جسے وہ دبانے کی کوششیں کر رہی تھی۔

''آئی ایم سوری۔'' میں نے ہار مان لی۔ وہ صرف مجھے دیکھتی رہی۔ اُس کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ بتا رہی تھی کہ اُس کے پاس اِسے کہنے کو بہت کچھ ہے۔ مگر میری 'تھکن' نے اسے سمجھا دیا تھا کہ ابھی میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔

☆......☆......☆

''ارے...... میرے شہزادے...... آج کیسے راستہ بھول گئے۔'' دروازہ کھولتے ہی جب اکلوتے شہزادے بھائی کی شکل دیکھنے کو ملی تو رانیہ تو خوشی سے دیوانی ہی ہو گئی۔

''تم سے کافی عرصے سے نہیں ملا۔ دل چاہا تو آ گیا۔'' اِس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے تحائف اُسے پکڑائے۔

''اِن سب کی کیا ضرورت تھی۔''

''تمہیں نا سہی...... میری گڑیا کے لیے لایا ہوں ہے، کہاں وہ۔''

''سو رہی ہے...... طبیعت نہیں ٹھیک۔'' وہ اِسے سیٹنگ روم میں لے آئی،

''اوہ...... اچھا سیٹ کر لیا ہے تم نے فلیٹ۔'' اس نے پورے کمرے کا جائزہ لیا۔

''تھینک یو...... آپ بیٹھو نا۔ بھابی کیسی ہیں، بچے...... اور ابا جان۔'' اس نے شہزاد کے پاس بیٹھتے ہوئے سب کا پوچھا۔

''سب ٹھیک ہیں...... میں نے کشف سے

یہاں آنے کا ذکر نہیں کیا۔ ورنہ وہ بھی آجاتی۔'' شہزاد نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''خیر ہے نا...... کچھ اُداس سے لگ رہے ہو۔'' رانیہ نے بھائی کا چہرہ دیکھا۔

''ہاں......''

''کیا ہاں؟ اُداس ہو؟'' اُس نے فکر مندی سے پوچھا۔

''اُداس نہیں ہوں اپنے ہی ہاتھوں پریشان ہوگیا ہوں۔'' وہ مضطرب سا ہو کر بولا۔

''کیا ہوا...... کچھ بتائیں تو سہی......'' رانیہ پریشان ہونے لگی۔

''رانیہ...... رابیل آرہی ہے'' رانیہ بھی ایک دم ساکت ہوگئی۔

''آپ کو کس نے بتایا؟ کیا بات ہوئی آپ کی؟''

''نہیں...... مجھے تو رات کشف سے پتہ چلا۔ خالہ جان کا فون آیا تھا۔ وہاں تو گھر میں کام چل رہا ہے۔ تو شاید...... ہمارے ہاں رُکے۔''

''آئی سی......'' رانیہ بھی پریشان ہوگئی۔

''بھابی کے کیا تاثرات ہیں۔''

''میں...... میں ہی خود کو کنٹرول نہیں کرسکا۔ اور اگر وہ میرے سامنے آجائے گی۔ تو میری پچھلے سالوں کی سب کوششیں ناکام ہوجائیں گی۔ میں نے جو گھر بنانے کی کوشش کی ہے وہ سب کچھ ڈسٹرب ہوجائے گا۔ اور تم جانتی ہو نا...... کشف میرے دل کی بات کا ہونٹوں تک آنے کا انتظار نہیں کرتی۔ وہ خود پڑھ لیتی ہے۔ میری آنکھیں۔'' وہ بہت زیادہ مضطرب تھا۔

''آپ پریشان مت ہوں۔ سات سال میں بہت کچھ بدل چکا ہے۔ ایمان اور علی ہیں آپ کے پاس...... اتنی محبت کرنے والی بیوی ہے۔ جو آپ کو سنتی نہیں...... پڑھتی ہے۔'' وہ کہہ کر مسکرائی۔

''پر میں بہت کمزور ہوں...... میرا دل آج بھی خالی نہیں ہے۔ مگر اُس میں......'' وہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

''آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ...... کہ رابیل بھی شادی شدہ ہے۔ ایک بیٹے کی ماں ہے۔'' اِس کی بات میں بظاہر وزن تھا۔ مگر یہی سن کر شہزاد کا دل کٹ رہا تھا۔

''رانی...... میں...... میں نہیں چاہتا کہ...... رابیل میرے سامنے آئے۔''

''تو میں فون کر کے خالہ کو منع کردیتی ہوں۔''

''ہاں...... اگر یہی میں کشف سے کرنے کو کہتا تو شاید اُسے اچھا نا لگتا...... تم خالہ سے کوئی بہانہ کر کے منع کردو۔'' شہزاد نے اُسے کہا۔

''وہ تو میں کروں گی...... لیکن بھائی...... آپ پلیز...... خود کو اتنا کمزور مت کریں۔ اِس سے آپ کے ساتھ ساتھ...... رابیل کی زندگی بھی متاثر ہوسکتی ہے۔ کشف بھابی آپ کو انڈرسٹینڈ کرتی ہے۔ ہوسکتا ہے رابیل کا شوہر اُسے نہ سمجھ پائے۔'' رانیہ نے اُسے سمجھایا۔

''رانیہ...... میں نے بس ایک بار محبت کی ہے۔ اور اتنی محبت کی ہے کہ اُسے یہ سات سال اور اِن میں ہونے والی تبدیلیاں بھی مٹا نہیں پائیں۔'' وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔

''میں نے اُسے بھلانے کی بہت کوشش کی ہے۔ پر...... میں ناکام ہوچکا ہوں۔ وہ میرے سامنے نہیں تھی تو بس ایک دکھ تھا...... اور اب وہ میرے سامنے آجائے گی تو کئی دکھ کھل جائیں گے۔'' وہ جذبات کے اظہار میں کبھی بھی کنجوس نہیں تھا۔ پر اپنے خیالات کی سچائی کو چھپانا خود

اُس کے لیے بھی ناممکن تھا۔

''کیا...... ایمان...... علی، کشف، اِس سچائی کو تسلیم نہیں کرتے آپ؟'' رانیہ نے پوچھا۔

''میں رابیل کی سچائی کو نہیں جھٹلا سکتا...... نہیں بھلا سکتا...... وہ میری سانسوں کے ساتھ چلتی ہے رانی......'' اُس کی بے بسی عروج پر تھی۔

''پھر بھی بھائی...... اِٹس ناٹ فیئر۔ آپ کو جذبات کی دنیا سے نکلنا ہوگا۔ رِئیلیٹی کچھ اور ہے۔'' اس نے سمجھایا۔

''ہاں...... رِئیلیٹی کچھ اور ہے۔'' وہ زیرِ لب بولا۔ اتنے میں گڑیا کے رونے کی آواز آئی تو رانیہ اُٹھ کر اسے لینے چلی گئی۔ وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر بیٹھ گیا۔

ہم تیری محبت کے جگنوؤں کی آمد پر
تتلیوں کے رنگوں سے راستے سجائیں گے
تجھ کو کیا خبر جاناں! ہم اُداس لوگوں پر
شام کے بھی منظر انگلیاں اٹھائیں گے

اِس کے سامنے رکھی چائے ٹھنڈی ہوچکی تھی۔ اِس کی نظریں بار بار کبھی وال کلاک اور کبھی اپنی ریسٹ واچ پر دیکھتیں۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کے اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ چند لمحوں پہلے خالہ جان کا فون آیا تھا۔ وہ اِسے رابیل کو ایئرپورٹ سے لانے کا کہہ رہی تھیں رابیل کی فلائٹ ہی صبح تین بجے کی تھی۔ اور اُس وقت اکیلے خالو جان کا جانا...... اور پھر باسط ابھی چھوٹا تھا۔ تو یہ ذمہ داری اُسی کو سونپ گئی۔ اس نے چاہا کوئی بہانہ بنائے، مگر وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کرسکا۔ کشف کا اُس کے ساتھ چلے جانا ممکن نہیں تھا کیونکہ علی کی طبیعت خراب تھی اور وہ اُسی کے ساتھ چمٹا بیٹھا تھا۔

وہ دوپہر کو گھر آیا تو کشف اوپر کمرہ صاف کروا رہی تھی۔

''رانی نے منع کردیا تھا خالہ کو...... پھر کیوں آرہی ہے وہ یہاں۔'' شہزاد بگڑ گیا۔ ایک تو خود اپنی حالت اُس کے کنٹرول سے باہر تھی کچھ ایسے ناقابلِ بیان خدشات تھے۔ جن سے وہ اکیلے ہی جنگ لڑ رہا تھا اور اوپر سے خالہ کا اِس پر، اِس قدر انحصار اِسے پریشانی میں مبتلا کر رہا تھا۔

سب کو سب کچھ نارمل کیوں لگ رہا ہے؟'' اُس کی سمجھ سے باہر تھا اور ہر ایک کی ہر ایک بات وہ کیوں سہل نہیں کر پا رہا تھا؟ یہ بھی ایک سوالیہ نشان تھا۔

''شہزاد اُس کے بیٹے کو ڈسٹ الرجی ہے اب اچانک ہی اُسے آنا پڑا۔ تو اگر وہ ایک آدھ ہفتہ ہمارے ہاں رُک جائے گی تو کیا مضائقہ ہے۔'' کشف نے اُسے رسانیت سے کہا۔

''فرق پڑتا ہے، آخر خالہ سمجھتی کیوں نہیں۔'' وہ اُلجھ گیا۔ کشف چند سیکنڈ اُسے دیکھتی رہی۔ پھر ہمیشہ کی طرح اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''کیوں شہزاد...... کیوں، کیا میری محبت میں کوئی جھول رہا، کیوں بھروسا نہیں ہے آپ کو مجھ پر خود پر، ہماری اولاد پر۔'' کشف کی آنکھوں میں دکھ تھا۔ شہزاد نے آنکھیں بند کرلیں۔

''دس سال منگنی رہی ہے میری اُس کے ساتھ، محبت کی ہے میں نے اُس سے۔ اتنی...... کہ تم اندازہ نہیں کرسکتی ہو۔ جب وہ میرے پاس تھی تب بھی، جب وہ چلی گئی تب بھی۔ شاید میں تمہیں کبھی بتا نا سکوں کہ وہ مجھے کیا سونپ گئی اور میرا کیا لے گئی۔'' یہ سب کچھ شہزاد صرف سوچ سکا تھا کہہ نہیں سکا تھا اُسے خود پر غصہ آیا۔

''بات یہ نہیں ہے کشف، بس میں...... میں

زندگی میں دوبارہ اُس کا سامنا نہیں چاہتا۔'' وہ بڑی مشکل سے بول پایا۔

''کیوں...... جبکہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ وہ بھی تو آ رہی ہے آپ کا سامنا کرنے۔ آپ اپنے دل کو سمجھائیں۔ اِن سات سالوں میں سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں خوش ہے۔'' کشف نے اُسے سمجھایا۔

''خوش تو میں بھی تھا۔'' وہ زیرِ لب بولا۔

''اگر خوش ہیں...... تو خوش نظر آئیں، پلیز شہزاد۔'' اس کے لہجے میں کوئی طلب تھی مگر شہزاد تو اِس وقت بے بسی کی انتہاؤں پر تھا۔

☆......☆......☆

''یہ کیفیت بہت ہی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ جب آپ کے پاس نہ خوشی کا احساس نہ دکھ تھا...... حیرت کی کوئی شکل نہ ہو۔ آپ یہ نا جانتے ہوں کہ آپ اِس وقت کس احساس سے گزر رہے ہیں اور ایسی ہی ایک کیفیت شہزاد کی تھی۔ جب اس نے رابیل کو دیکھا تھا وہی شبنمی چہرہ، وہی رنگ و روپ وہی جان لیوا معصوم حسن، اس نے ہاتھ اُٹھا کر اپنی جانب متوجہ ہونے کا اشارہ کیا تو اپنے بیٹے کا بازو تھام کر وہ اِس کی طرف بڑھ آئی۔ وہ زندگی جو روٹھ چکی تھی۔

''کیسی ہو؟'' اِس کے ہاتھ سے سامان کا بیگ لیتے ہوئے اُس نے پوچھا۔ جواباً وہ اُس کی طرف دیکھنے لگی اور سر ہلا دیا۔ وہ اُسے لے کر باہر آ گیا۔ گاڑی ذرا فاصلے پر تھی۔ پورٹر کے حوالے لگیج کر کے اُس نے رابیل کے بیٹے کو گود میں لے لیا۔

''ہاؤ آر یو ینگ مین؟''

''فائن......'' بچے نے جواب دیا۔

''ویٹس گڈ! واٹس یور گڈ نیم۔'' ایک بار ما تھا چوم کر اِس نے اُسے گود سے اُتارا اور ہاتھ پکڑ کر چلنے لگا۔

''آذر......''

''ہمم...... ویری گڈ نیم......'' وہ کہہ کر رابیل کی طرف دیکھا۔

''وہاب...... نہیں آیا ساتھ؟'' گاڑی تک پہنچ کر اِس نے فرنٹ ڈور اِس کے لیے کھول دیا ہے اور ساتھ ہی وہاب کے بارے میں پوچھا رابیل نے رُک کر اُسے دیکھا۔ اور پھر نفی میں سر ہلا کر بیک ڈور اپنے لیے کھولا۔ شہزاد کو جھٹکا سا لگا۔ اِسے اب احساس ہوا کہ وہ اِس جنگ میں اکیلا ہی نہیں کھڑا۔

☆......☆......☆

خالہ جان پہلے ہی موجود تھیں۔ خالو جان اور باسط بھی آئے ہوئے تھے۔ وہ اِسے لاؤنج میں ہی چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کشف صرف اِسے جاتا دیکھ سکی تھی۔ ملنے ملانے کا سلسلہ جاری تھا اور ساتھ ہی خالہ جان کا رونا دھونا۔

''کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی سفر میں۔'' شہزاد کے ابا باقر آغا نے پوچھا۔

''نہیں...... انکل......'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''ثریا بہن...... اب رابی کو آرام کرنے دو۔ لمبا سفر طے کر کے آئی ہے، اور آذر میاں بھی تھکن سے نڈھال ہو رہے ہیں۔'' باقر آغا نے کہا۔

تو خالہ نے آذر کا چہرہ اپنی طرف کر کے ایک بار پھر چوما اور کشف سے مخاطب ہوئیں۔

''انہیں کمرہ دکھا دو۔''

''آؤ رابیل......'' کشف کھڑی ہو گئی۔ تو رابیل اُس کے پیچھے چل دی۔

کشف کمرے میں آئی تو شہزاد بستر پر لیٹ چکا تھا۔

''آپ سو گئے؟'' اس نے نائٹ بلب آن کر دیا۔ تو شہزاد نے ڈسٹرب ہو کر اپنا بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

''سونے دو یار...... صبح آفس بھی جانا ہے......'' اُس نے کہا۔ تو کشف اسے نیم روشنی میں دیکھ کر رہ گئی۔

''میں چینج کرلوں۔'' وہ کہہ کر وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگی۔ شہزاد نے کروٹ بدل لی۔ پر جو کچھ کشف کو کھٹک رہا تھا وہ یوں اِس سے پہلو نہیں بدل سکتی تھی۔

صبح شہزاد ناشتہ کیے بنا ہی آفس چلا گیا۔ خالہ وغیرہ بھی ابھی سو رہے تھے۔ وہ اپنے اور ابا کے لیے چائے بنانے لگی۔ تبھی رابیل کچن میں آگئی۔

''آؤ...... رابیل ...... ناشتہ کرو گی؟'' اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

''نہیں ...... مجھے کوفی چاہیے۔ کیا میں بنا سکتی ہوں؟'' رابیل نے دروازے پر ہی کھڑے پوچھا۔

''میں خود بنا دیتی ہوں...... تم بیٹھو......''

''اِٹس او کے...... میں بنالوں گی مجھے خود سے اپنا کام کرنے کی عادت ہے پلیز مجھے صرف بتادو...... کوفی کا سامان......'' رابیل نے اُسے منع کر دیا تو کشف شرمندہ سی ضرور ہوئی۔

''آں ...... ہاں ...... میں دیتی ہوں۔'' وہ کیبنیٹ سے کوفی، کوفی سیٹ نکال کر شیلف پر رکھنے لگی۔

''آذر سو رہا ہے؟'' اُس نے پوچھا۔

''ہوں ...... بہت تھک گیا ہے وہ۔'' وہ اپنے لیے کوفی بنانے لگی۔

''ساتھ کچھ لوگی......؟'' کشف نے پوچھا۔

''نو تھینکس......!'' کشف کو اُس کا انداز بہت روکھا پھیکا سا لگا۔ اِس نے اپنے اور ابا کے لیے چائے کپ میں ڈالی اور کچن سے نکل گئی۔

وہ چائے باقر آغا کے کمرے میں ہی لے آئی۔ ایمان تو اسکول جا چکی تھی جبکہ علی سو رہا تھا۔

''ابا...... چائے......'' وہ چائے کا کپ انہیں تھما کر خود بھی پاس ہی بیٹھ گئی۔

''شہزاد چلا گیا؟'' باقر آغا نے پوچھا۔

''جی ابا...... کچھ لیٹ ہو گئے تھے...... ناشتا بھی نہیں کیا۔'' وہ کہہ کر چائے کا سیپ بھرنے لگی۔ اِس کی نگاہیں کسی نقطے پر مرکوز اور دماغ میں سوچوں کی آندھی چل رہی تھی۔

''ابا...... کتنے دن رُکنا پڑے گا خالہ اور رابیل کو یہاں پر؟'' کشف کو خود نہیں پتا چلا کہ اِس کی سوچ کب سوال بن کر ہونٹوں پر آگئی۔ ابا نے اُلجھ کر اُسے دیکھا۔

''کیوں...... کیا ہوا؟ ابھی تو انہیں آئے چند گھنٹے ہوئے...... کیا، رابیل کی طرف سے......؟'' انہوں نے اُس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ابھی رابیل کچن میں آئی تھی...... مجھے اُس کا رویہ بہت عجیب لگا...... اور شہزاد بھی...... انہیں شاید رابیل کا یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں لگا۔ تو میں سوچ رہی تھی کہ اگر ایسا ہی رہا تو گھر کا ماحول بہت عجیب ہو جائے گا۔'' کشف نے صاف بتا دیا۔

کچھ دیر ابا جان کچھ نہیں بولے۔

''کیا تمہیں...... کوئی پریشانی محسوس ہو رہی ہے؟'' وہ بات کہیں اور لے جا رہے تھے۔

''نہیں ابا...... ایسی بات نہیں ہے۔ پر میں اِس سچویشن کو سمجھ نہیں پا رہی...... رابیل کا اکھڑا

لہجہ ...... اور شہزاد کی اُلجھنیں مجھے پریشانی میں مبتلا کر رہی ہیں۔ سب کچھ جانتے بوجھتے اور سمجھنے کے باوجود ...... مجھے اپنا آپ ایک دم سے آکورڈ لگنے لگا ہے۔ وہ کئی بار ناشتے کے بغیر گئے ہیں ...... مگر آج ...... آج کچھ اور تھا ...... جو میں سمجھ نہیں پارہی۔'' کشف نے کہا۔ ابا دھیرے سے مسکرادیے۔

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ...... اتنے سالوں بعد اُن کا آمنا سامنا ہوا ہے ...... اور شاید اِسی لیے ڈسٹرب ہیں۔ ایک ہفتے کی تو بات ہے۔ پھر وہ لوگ بھی چلے جائیں گے۔'' باقر آغا نے سمجھایا۔ تو وہ ایک آہ بھر کر چائے کا گھونٹ بھرنے لگی۔

☆......☆......☆

رانیہ کا آفس میں اِسے فون آیا تھا۔ وہ اِس سے موجودہ صورتحال کا پوچھ رہی تھی اور شہزاد ہمیشہ کی طرح بہن کے سامنے سچ چھپانے میں ناکام رہا تھا۔

''اس کے چہرے پر اک گہری اُداسی ٹھہر گئی ہے رانی۔ وہ ایک بار بھی نہیں مسکرائی۔ یہ وہ الفاظ تھے جو خود بخود اُس کے ہونٹوں سے ادا ہو گئے۔

''تم اُسے دیکھو، اُس کی آنکھیں جیسے منجمد ہو چکی ہیں۔ اُن میں کوئی خوشی، کوئی جذبہ نہیں ہے۔'' وہ بہت اضطرابی کیفیت سے دوچار تھا۔

''اُس نے آپ سے کوئی بات کی۔'' رانیہ نے پوچھا تھا۔

''نہیں ...... لیکن میں بہت ڈسٹرب ہو گیا ہوں۔ خود کو ہینڈل نہیں کر پا رہا ہوں۔''

''بھائی پلیز ...... اس طرح سب کچھ اَپ سیٹ ہو جائے گا۔ کشف آپ کی بیوی اور ...... بچوں کی ماں بھی ہے۔ اُس کی نظروں میں زیادہ دن آپ کا اضطراب چھپ نہیں پائے گا۔'' رانیہ نے سمجھایا۔

''جانتا ہوں ...... لیکن مجھے لگتا ہے میرے ضبط کے سب بندھن ٹوٹ گئے ہیں۔'' وہ شکستگی سے بولا۔ دوسری طرف چند ثانیے خاموشی رہی۔

''میں آپ سے ریکوئسٹ کرتی ہوں بھائی ...... یُو آر میچور ناؤ ...... دل سے نہیں، دماغ سے کام لیں ...... ورنہ ...... اِس طرح رابیل کا بسا بسایا گھر ...... خطرے میں پڑ سکتا ہے۔'' رانیہ جس حد تک فون پر اُسے سمجھا سکتی تھی اُس نے سمجھایا اور پھر رات گھر آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔

اِن سارے معاملات میں رانیہ ہمیشہ اُس کے بہت اہم رہی تھی۔

محبت ...... اور پھر دس سال منگنی، ایک بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے، اُن دونوں کا نام تو تب ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا جب وہ محبت کے جذبے سے ناآشنا تھے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ بچپن کی محبت کبھی ساتھ نہیں چھوڑتی، وہ بچھڑ بھی جائے تب بھی کہیں نا کہیں آپ کے اندر بسی رہتی ہے، چھپی رہتی ہے۔ دبی راکھ کی طرح سُلگتی رہتی ہے۔ اُسے ہوا کی نہیں دید کی طلب ہوتی ہے۔ یہ عمر، حالات، وقت کی محتاج نہیں ہوتی۔ یہ رشتوں کے چکر میں نہیں ہوتی۔ یہ تعلقات کو نہیں سمجھتی۔ اِس کے مقابل تاعمر بس ایک چہرہ جلتا ہے جسے وہ جانتی ہے، مانتی ہے، اور کب انسان کے اندر کی یہ محبت ...... ابھر آئے ...... اِسے احساس ہی نہیں ہوتا۔

دستک شروع ہو چکی تھی وقت کی سوئیاں بس ایک ہی نقطے پر آ کر رُک گئی تھیں۔ وہ دروازہ بند کیے کھڑا تھا۔ مگر دستک ناقابل برداشت تھی، نہ فرار تھی نہ راستہ ......

اب تو اِس راہ سے وہ شخص گزرتا ہی نہیں
اب کس امید پہ دروازے سے جھانکے کوئی
کوئی آہٹ، کوئی آواز، کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں، آئے کوئی

☆......☆......☆

''یہ...... رابیل کے ساتھ مجھے لگتا ہے کوئی مسئلہ ہے۔'' وہ فریش ہو کر بستر پر آ کر بیٹھا...... تو اس کے کپڑے ہینگ کرتے ہوئے کشف نے کہا۔ اس نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''کیوں...... تم سے کچھ کہا اُس نے؟''

''نہیں...... وہ تو بات ہی نہیں کرتی...... زیادہ اپنے کمرے میں ہی رہی...... اور اپنے آذر کو بھی ساتھ ہی رکھا۔ خالہ جان اور ابا نے بھی بلایا۔ مگر......'' وہ تھوڑی دیر رُکی اور پھر کمرے میں چلی گئی۔ کشف نے بتایا۔

''اور...... کھانا وغیرہ......؟'' سائیڈ ٹیبل سے کتاب اٹھاتے ہوئے وہ نارمل نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''شام کو اسنیکس لیے چائے کے ساتھ، رات کا کھانا بھی سکپ......'' کشف نے مزید بتایا، اور پھر جواب طلب نظروں سے شہزاد کو دیکھنے لگی۔

''تم...... نے بات کی ہوتی۔''

''میں کیا بات کروں...... وہ بہت ریزرو رہتی ہے۔'' کشف نے جواب دیا۔

''ہمم......'' اُس نے ایک گہری سانس لی اور بستر پر نیم دراز ہو کر کتاب کھول لی۔

''ایک اور بات بھی نوٹ کی میں نے......'' وہ اِس کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔

''وہاب کے بارے میں کچھ شکوک ہو رہے ہیں مجھے...... کہیں کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا؟ صبح سے کوئی ذکر ہی نہیں، کوئی فون کال، کچھ بھی نہیں۔'' کشف نے کہا تو اِس دل اِس خوف سے دہل اٹھا۔ پھر اِس کی آنکھوں کی اُداسی، اور چہرے کی بے رونقی یاد آئی تو وہ بے تاب ہو گیا۔ اِس نے کتاب بند کر دی۔

''لائٹ آف کر دو۔'' وہ سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔

''شہزاد...... آپ ایک بار...... اگر اُس سے بات کرتے۔'' کشف نے کہا تو شہزاد اُس کی طرف دیکھا۔

''رانی کو آنا تھا آج...... پر نہیں آ سکی، وہ کل آئے گی...... تو بات کرے گی...... مگر تمہاری طرف سے کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے...... ایک ہفتے کی بات ہے...... پھر وہ...... چلی جائے گی۔'' شہزاد نے جواب دیا۔ تو وہ چپ ہو گئی۔ شہزاد نے اِس کی طرف سے کروٹ لے لی۔

''کیا اُس کی اُداسی کی وجہ یہی ہے؟ کیا واقعی وہاب کے ساتھ کوئی جھگڑا، نہیں خدایا...... ایسا کچھ نا ہو...... میری وجہ سے اُس نے پہلے ہی بہت دکھ اٹھائے ہیں۔'' اِس نے دہل کر دعا مانگی۔ اور پھر ماضی کی بھول بھلیوں میں جانے کب اُس کی آنکھ لگ گئی۔

☆......☆......☆

صبح وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا جب اِس نے کمرے کی کھڑکی سے باہر ٹیرس پر رابیل کو ٹہلتے دیکھا۔

''جلدی اٹھ جانا...... اور واک کرنا تو اس کی شروع سے ہی عادت تھی اور وقت کے ساتھ یہ عادت بدلی نہیں تھی۔ وہ کچھ سوچ کر مسکرایا۔ اور پھر جلدی سے ٹائی گلے میں لٹکاتا ہوا کمرے سے باہر کی طرف بڑھا۔

''ابھی تو بہت ٹائم ہے۔ ناشتہ تو کرتے جایئے۔''
''آفس میں کرلوں گا۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔
رابیل اِس کو قریب آتے دیکھ کر رُک گئی۔
''السلام علیکم...... صبح بخیر۔'' وہ اس کے پاس رُکا۔
''وعلیکم السلام......!'' اُس نے سرد مہری سے جواب دیا۔
''تم...... ابھی تک اپنی جلدی اٹھنے کی عادت پر قائم ہو......؟'' شہزاد نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
''جو عادتیں...... پڑ جائیں وہ کبھی نہیں جاتیں۔ اِس کے ذو معنی جواب پر وہ سنبھل کر اُسے دیکھا۔
''تمہیں...... یہاں کوئی پرابلم تو نہیں...... میرا مطلب ہے کہ...... کشف بتا رہی تھی کہ...... تم نے کھانا بھی نہیں کھایا...... اور سارا وقت......''
''آپ...... اپنی مسز کے کہنے پر میرے لیے فکر مند نہ ہوں...... میں اتنی کمزور نہیں رہی کہ ایک وقت کا کھانا نہیں کھاؤں تو......'' رابیل نے اُس کی بات کاٹی تو اس کے الٹا بولنے سے پہلے شہزاد نے ہاتھ اُٹھا کر اسے چپ رہنے کا اشارہ دیا۔
''میں جانتا ہوں تم کمزور نہیں ہو...... لیکن پلیز کھانا کھالینا...... مجھے سن کر اچھا نہیں لگا......'' شہزاد نے کہا جواباً وہ اُسے دیکھنے لگی۔ شہزاد اُس کے دیکھنے پر گڑ بڑا گیا۔
''اوکے...... میں چلتا ہوں...... تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو پلیز ودآؤٹ ہیزیٹیشن کہہ دینا۔'' وہ کہہ کر ایک نظر اُسے دیکھا اور پھر آگے بڑھ گیا، رابیل مڑ کر اِسے جاتا دیکھتی رہی۔
''یار تم کھانا کیوں نہیں کھاتی وقت پر۔'' ایک بھولی بسری یاد کا دروازہ کھلا۔ جب بھوک لگے تب ہی کھانا چاہیے۔'' وہ اِسے ستانے کے لیے کہتی۔
''جی نہیں...... تمہیں بھوک نہ ہو...... تب بھی کھانا چاہیے۔ اٹس این آرڈر۔'' وہ محکم سے کہا۔ وہ کھل کھلا کر ہنس دی۔
''موٹی ہو جاؤں گی...... شادی پر...... اتنی موٹی دلہن...... لوگ ہنسیں گے......''
''بکومت......'' شہزاد نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔
''دلہن تو میری ہے...... جیسی بھی ہے، صرف میری ہے۔ لوگ جائیں بھاڑ میں۔'' وہ آہستگی سے کہتے ہوئے اُس کے قریب ہوا۔ اور اتنا قریب کہ اِس کی سانسوں کی گرمی رابیل کے گال دہک گئے۔
''شہزاد......'' وہ مچل کر پیچھے ہٹنا چاہتی تھی۔ شہزاد نے اِس کے ہاتھ پر گرفت ڈھیلی کردی۔ اور پھر ہاتھ پکڑے ہی اِسے پیچھے دھکیلا
''یہ لاسٹ وارننگ ہے، اگر وقت پر کھانا نہیں کھاؤ گی تو...... تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اتھل پتھل دھڑکنوں کو قابو کرتی رہی۔ شہزاد نے اُس کا ہاتھ چھوڑا، تو وہ بھاگ گئی۔
اُس کا پائل کا شور اس قدر بڑھا کہ وہ ایک دم ہڑبڑا کر اپنے پاؤں دیکھنے لگی۔ اُس کا ہاتھ بے اختیار اپنی کلائی کو چھوا...... یاد کا یہ نشتر...... آر پار ہوا...... اور وہ جیسے اُس لمحے سے گھبرا کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

☆......☆......☆

اُسے ٹہلتا دیکھ کر اچانک ہی اُسے خیال آیا کہ وہ اِس سے بات کرلے۔ کشف کو تو منع کر دیا تھا۔ لیکن وہ خود کو روک نہیں سکا تھا۔ اور اُس سے

بات کرنے کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ وہ اُس کی زندگی کے بارے جاننا چاہتا تھا۔ کشف کے اس خدشے نے کہ وہ وہاب کے ساتھ جھگڑا کر آئی ہے اُس کا چین اڑا دیا تھا۔ اُن دونوں کے بیچ بے شک بہت فاصلے پر آ چکے تھے مگر یہ سچ تھا کہ اُسے دیکھ کر، آج بھی اُس کا دل ایک دھڑکن ضرور مس کرتا تھا۔ آفس جانے کے پورا راستہ وہ صرف رابیل کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اور یہ ایک حقیقت تھی کہ اِس پورے راستے اِس کو ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ ''ایمان، علی اور کشف'' اُس کی موجودہ زندگی کی ٹھوس حقیقت ہیں۔ جسے وہ جھٹلا نہیں رہا تھا۔ تو اِسے یاد بھی نہیں رہا۔ سوچوں کے سلسلے بہت ظالم ہوتے ہیں، خاص کر اگر وہ ماضی کی یادوں کے حوالے سے ہوں، اور یادیں بھی ایسی جو کتابِ ماضی میں جگنوؤں کی طرح مہکتی ہوں۔

''شہزاد بھائی...... شہزاد بھائی۔'' اور پھر اچانک ہی یہ بات سمجھا دی جائے کہ وہ تیرا بھائی نہیں۔''

''نام مت لیا کر......'' یہ شبیہہ تو سمجھانی پڑی تھی مگر یہ بتلانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی کہ اگر وہ بھائی نہیں ہے تو پھر اور کون سا تعلق ہے؟ کوئی ایسا تعلق...... جس کی سمجھ بوجھ نہیں، مگر یونہی سوچ کر جھجک سی آ جاتی ہے۔ پر یہ جھجک شہزاد کو نہیں آئی تھی۔ وہ بہت اونچی ہواؤں میں تھا۔ اِسے رابیل ایک دم ہی پری سی لگنے لگی تھی۔

معصوم، بھولی بھالی، تعلقات کو نا سمجھ کر بس یونہی کچھ بھی بول دینے والی، شہزاد کا اِس کو ستانا' رُلانا اور پھر منانا...... بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ گئے، اپنے رشتے کو سمجھ گئے۔ تو اِن کی باتیں، شرارتیں، شوخیاں سب بدل گئیں۔ ان کی سوچیں خیالات، ترجیحات سب دل کے تابع ہو گیا۔ روز بروز بڑھتی ہوئی محبت اور دوستی بہت سے فاصلوں کو سمیٹنے لگی۔

کالج، یونیورسٹی ایک ساتھ...... ایک دوسرے کو آنکھیں بند کر کے محسوس کر سکتے تھے ایک دوسرے کو سمجھ سکتے تھے۔ مگر اب کہیں نا کہیں کبھی کوئی اِن پر آواز یا انگلی اٹھا دیتا تھا۔ شہزاد کی انجینئرنگ کے ابھی دو سال باقی تھے۔ رابیل گریجویٹ کر کے فارغ ہو گئی۔ خالو خالہ شادی پر زور دینے لگے۔ بچپن کی طے کردہ اِس منگنی کو نو سال کا عرصہ بیت گیا تھا۔ اب وہ اور انتظار کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انتظار تو وہ دونوں خود بھی کر کے خود پر غضب ہی ڈھا رہے تھے۔ مگر شہزاد کی انجینئرنگ مکمل ہونے میں ابھی دو سال باقی تھے۔ اور شہزاد کی اماں بھی ابھی شادی پر راضی نہیں تھیں۔ شہزاد کا اِس قدر رابیل کے لیے دیوانہ پن کسی وقت شہزاد کی ماں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ وہ اندر ہی اندر ایک روایتی ساس بن کر تلملا سی جاتی تھیں۔ کئی بار خاندان میں اُن کی طرف سے یہ پیغام جاری کیے گئے کہ بچوں کی منگنی بھی سوچ سمجھ کر اور وقت پر ہی کرنی چاہیے۔ کئی بار چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر خالہ کے ساتھ بحث بھی ہوتی دونوں کو بات چیت کرنے پر بھی پابندی لگ گئی۔

مگر یہ تو کم از کم ممکن نہیں تھا۔ خالہ نے اسی لیے رابیل کو گریجویٹ کروا کے گھر بٹھا دیا تھا۔ انہیں خود اپنی بہن سے بہت سے شکایتیں تھیں۔

خالہ کی طرف سے اکثر شادی کرنے کا پریشر آتا تھا۔ مگر شہزاد کی اماں ہر بار سہولت سے منع کر دیتیں، ایک بار پھر ایسا ہی ہوا...... جب وہ انجینئرنگ کے آخری سال میں تھا اور ساتھ ہی ابا

کے ساتھ اُن کے کام پر توجہ دے رہا تھا۔ شہزاد کی ماں نے ہمیشہ کی طرح ابھی دو سال اور انتظار کرنے کا کہہ دیا۔ خالہ تو بھڑک اٹھیں۔ انہوں نے فون کر کے شہزاد کو خوب سنائیں اور ساتھ ہی منگنی ختم کرنے کی دھمکی بھی دی۔ یہ دھمکی کام کرگئی اور شہزاد اپنی ماں سے اُلجھ بیٹھا۔

''یہ بات میں بتادوں...... کہ میں زہر کھا کے مرجاؤں گا اگر رابیل سے میری منگنی ختم کی گئی۔''

اور شہزاد کی اِس قدر بدتمیزی اِس کی ماں سے ہضم نہیں ہوئی، وہ بہن کے گھر جا کر...... بادل نخواستہ اِس سے اپنی تلخی کی معافی مانگ آئیں۔ بڑوں کے درمیان روز بروز بڑھنے والی بدمزگی سے اِن دونوں کو ہی فکر لاحق ہورہی تھی۔ اور خاص کر رابیل کو اُسے نا تو اپنی ہونے والی ساس کا رویہ برداشت ہورہا تھا اور نہ ہی طول پکڑتی منگنی...... شہزاد سے اِس نے بے تحاشہ محبت کی تھی۔ اتنی محبت...... کہ آنکھیں بند کرتے اُس پر اعتبار کیا تھا۔ اُس کی ہر بات پر لبیک کہا تھا۔ کئی بار تنہائی میں ملاقاتیں ہوئی تھیں اور اِن خوابناک یادوں کے ساتھ انہیں بڑوں کے درمیان ہونے والی تلخیاں صرف اتنی ہی تکلیف دیتی تھیں کہ اِن کی اپنی بنائی ہوئی دنیا کا حسن خراب کرنا نہیں پڑتا تھا۔ ہاں...... رابیل شہزاد سے کچھ زیادہ پریشان ہوگئی تھیں۔

☆......☆......☆

رابیل اپنے کمرے میں بند تھی۔ جب خالہ اُس کے پاس چلی آئیں۔

''آذر انہوں نے آذر کو مخاطب کیا۔ وہ ٹیبلیٹ پر گیم کھیل رہا تھا۔ رابیل پاس ہی لیٹی تھی۔ امی کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔

''آذر کو باہر جانے دو...... اس طرح الگ بیٹھا تو یہاں گھل مل نہیں سکے گا۔'' خالہ نے بیٹھے ہوئے کہا۔

جواباً رابیل کچھ نہیں بولی۔ خالہ نے بغور اُس کا چہرہ دیکھا۔

''مجھے لگتا ہے میں نے تمہیں یہاں روک کر غلطی کی ہے۔'' تب بھی اُس نے خالہ کو کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ہم دونوں خاندان کے بیچ جو کچھ ہوا میری بہن کی موت کے ساتھ ہی ختم ہوگیا تھا۔ اس نے مرتے دم مجھ سے معافی مانگی۔ اور میں نے اپنا دل صاف کرلیا۔'' خالہ کی آواز بھرا گئی۔ تب رابیل نے ماں کو دیکھا۔

''اگر باتیں موت کے ساتھ ہی ختم ہوتی ہیں تو ابھی...... میں زندہ ہوں ماں۔'' وہ بہت تلخی سے بولی۔

''ایسی باتیں مت کرو...... تمہاری طرف سے میں نے پہلے ہی بہت دکھ اٹھائے ہیں اور اٹھانے کی سکت نہیں۔'' خالہ نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''اور میرے اندر بھی، اپنے وجود کا بوجھ اٹھانے کی سکت نہیں ماں۔''

''میں جانتی ہوں...... تمہارے لیے یہاں رہنا...... ناقابل برداشت ہے...... مگر...... اس کے علاوہ کوئی حل نہیں تھا۔'' خالہ نے کہا۔

''کیوں نہیں تھا ماں......؟ میں وہاں رہ ہی رہی تھی۔ جی ہی رہی تھی، میرے ساتھ آذر ہے اور......'' وہ کہہ کر چپ ہوگئی۔

''اور......؟'' خالہ کے دل میں اِک تیز درد اٹھا تھا۔ اور آنکھیں پانی سے بھرگئیں۔ اس 'اور' کے سامنے ...... رابیل کی آنکھوں میں خاموشی تھی اور پانی تھا۔''

''وہ اپنی زندگی میں خوش ہے ماں......'' وہ

کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
''کشف ...... بچے ...... سب کچھ مکمل ہے یہاں کسی تیسرے چوتھے کی گنجائش نہیں ہے۔'' وہ اپنی سسکیاں روک رہی تھی۔
''میں اُس کی پُرسکون زندگی میں آگ لگانا نہیں چاہتی۔''
''اُس کی زندگی میں ...... کون آگ لگا رہا ہے۔ میں تو اُس آگ کو بجھا رہی ہوں جس میں برسوں سے صرف تُو جلی ہے۔'' خالہ تڑپ کر بولیں۔ وہ کچھ نہیں بولی۔
''میرا دل نہیں مانتا ماں ......'' وہ کچھ دیر بعد بولی۔
''وہ صبح چند لمحوں کے لیے میرے پاس رُکا ...... اور پورا دن گزر گیا مجھے، خود کو سنبھالتے، سمجھاتے ......'' وہ بہت آہستگی سے کہہ رہی تھی۔
''میرا دل کہتا ہے ...... اُس کے دل میں آج بھی ......''
''اماں ...... پلیز'' اُس نے ماں کو کچھ کہنے سے روکا۔
''مجھے جانا ہے ماں ...... بس مجھے یہاں نہیں رہنا ......'' وہ جیسے ضدی ہوگئی۔
''تُو نے وعدہ کیا تھا ...... کہ ......''
''ماں ......'' بے بسی اُس کے لہجے میں تھی۔
''ایسی منت تجھ سے میں بھی کرتی ہوں رابی۔'' خالہ بھی جیسے بے بس تھیں۔
''تیری زندگی گزر رہی ہے ...... جیسی تو جی رہی ہے ...... میں بھی جانتی ہوں ...... آذر کے آگے تو پوری زندگی پڑی ہے۔ اُسے اِسی معاشرے میں جینا ہے۔'' خالہ نے اُسے سمجھایا۔
بس یہیں آ کر وہ مجبور ہوگئی تھی۔ اپنے گالوں پر بہتے آنسو صاف کر کے اُس نے ماں کی طرف دیکھا۔ اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔

☆ ...... ☆ ...... ☆

''کیسا رہا آج کا دن رابیل کے ساتھ۔'' اِس نے کمرے میں آ کر کشف سے پوچھا۔
''دیکھا تو آپ نے ...... ہمارے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ شاید ...... رانیہ کی وجہ سے۔'' کشف نے ہاتھوں پر مساج کرتے ہوئے اُس کے قریب آ بیٹھی۔ شہزاد کچھ نہیں بولا۔ اور بستر پر سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔
''کیا ہوا ...... طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔'' اُس نے شہزاد کے سینے پر ہاتھ رکھا اور قدرے اُس کی طرف جھکی ...... شہزاد نے آنکھیں موند لیں۔
''ہاں ...... نیند آ رہی ہے۔''
کشف اِس کے جواب اور روکھے انداز پر خفیف سی ہوئی۔
''مجھے کچھ اَپ سیٹ لگ رہے ہو۔''
''یار پلیز ...... سوالنامہ بند کرو، اور مجھے سونے دو۔'' وہ قدرے ڈپٹ کر بولا۔ تو کشف اُس سے پیچھے ہٹ گئی۔ شہزاد نے کروٹ لے لی۔ کشف چپکے سے اُس کے برابر لیٹ گئی۔ شہزاد نے آنکھیں کھولیں۔
''ایم ساری کشف ......'' وہ اِس کی طرف کروٹ لیے بغیر بولا۔
''آئی ڈونٹ وانٹ ٹو ہرٹ یو ......'' وہ آہستگی سے بولا۔ کشف یونہی لیٹی رہی۔ اِس کی طرف سے کوئی جواب نا پا کر اس نے کشف کی طرف کروٹ لی۔ اور اسے پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔ کشف نے خفا نظروں سے اُسے دیکھا۔
''کچھ بھی وجہ ہو ...... آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔''

''سوری یار...... میں واقعی کچھ اَپ سیٹ ہوں''

''وہی تو پوچھ رہی تھی...... جبکہ میں وجہ جانتی ہوں۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''اچھا...... تو بتاؤ ذرا۔'' وہ ذرا سا اٹھا۔ اور اس کا چہرہ اپنی طرف پھیرلیا۔

''نہیں بتا رہی......'' اس نے شہزاد کا ہاتھ ہٹایا۔

''او کے...... اگر تم میرے اپ سیٹ ہونے کی وجہ جانتی ہو...... تو تمہیں مجھ سے پوچھنا نہیں چاہیے تھا۔'' وہ سنجیدہ ہوگیا۔

''شہزاد...... ہر بات کو اگر ایشو بناؤ گے تو آپ کبھی سیٹ نہیں ہو پاؤ گے۔ آپ ایک بار اپنا ذہن خود نارمل کرو۔ لیکن مجھے لگتا ہے آپ خود ایسا نہیں چاہتے۔'' اس نے نشانہ بالکل ٹھیک لیا تھا۔ شہزاد خود کو بچا نہیں پایا وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ سیدھی ہوکر لیٹ گئی۔

''ہر رات...... اِسی بحث کے ساتھ سونا...... اچھا نہیں لگتا شہزاد ہماری اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہم آپس میں ملا یہ وقت صرف...... رابی کو ڈسکس کریں۔ شی از نو مور اِن یور لائف۔'' وہ جذباتی ہوگئی۔ شہزاد نے ایک نظر اُسے دیکھا۔ اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔ وہ اُسے کیسے سمجھائے۔ کہ کتنا بے بس ہے...... کتنا مجبور...... اس کی آنکھوں کے سامنے ماضی کی دھند اِس قدر بڑھتی جارہی تھی کہ اِسے کشف کی باتیں سمجھ کر بھی سمجھ نہیں آرہی تھیں۔ پھر بھی ایک لمحے کو جب اُس نے کشف کا چہرہ دیکھا تو اپنے خیالات کو دھکیلتے ہوئے...... وہ اُس کی طرف جھکا اور اپنے بازوؤں میں بھرلیا...... شاید یادِ ماضی سے فرار کا راستہ تھا۔

☆......☆......☆

وہ آفس سے واپس آرہا تھا جب اُسے گلی کا موڑ لینے سے پہلے...... رابیل سڑک کنارے کھڑی نظر آئی۔ اِس وقت بادل بھی چھائے ہوئے تھے اور بارش کا بھی امکان تھا۔ اِس نے کچھ سوچ کر گاڑی اُس کے پاس روک دی۔

''کہاں جارہی ہو؟ موسم خراب ہے۔'' اس نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اُس سے پوچھا۔

''مجھے پاس مارکیٹ تک جانا ہے۔ کچھ دیر میں آجاؤں گی۔'' اُس نے جواب دیا۔

''چلو...... بیٹھو، میں لے جاتا ہوں۔'' اُس نے دوسری طرف گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

''میں چلی جاؤں گی شہزاد......'' اُس نے منع کردیا۔

''پلیز...... بیٹھو گاڑی میں۔'' شہزاد نے اصرار سے کہا۔ تو وہ گاڑی میں آبیٹھی۔

''تھینک یو۔'' شہزاد نے کہہ کر گاڑی ریورس کی۔

شیشے کا سمندر، پانی کی دیواریں
مایا ہے، بھرم ہے، محبت کی دنیا
اس دنیا میں جو بھی گیا...... وہ تو گیا

مدھم سی آواز میں گانا چل رہا تھا۔ شہزاد نے گاڑی سڑک پر ڈال کر میوزک آف کردیا۔ اُسے یاد ہے رابیل گاڑی میں میوزک نہیں...... اُس کی باتیں سنتی تھی۔ اُس کا میوزک بند کرنا رابیل نے بھی محسوس کیا۔ وہ نظر انداز کرنے کی کوشش میں باہر دیکھنے لگی۔ چند منٹ بعد گانا آن ہوگیا۔

دل کی اِس دنیا میں سرحدیں ہوتی نہیں
درد بھری آنکھوں میں راتیں سوتی نہیں
جتنے احساس ہیں...... اَن بجھی پیاس ہے
زندگی کا فلسفہ پیار کی پناہوں میں چھپا

دھوپ کی پناہیں......

''پلیز...... '' رابیل نے گانا بند کر دیا۔

''میری طبیعت نہیں ہے...... آپ میوزک بند کر دیں۔'' شہزاد نے اُس کی طرف دیکھا۔ اور مسکرا دیا۔

''میری عادت بدل گئی ہے۔'' رابیل نے نگاہ بھر کر اُسے دیکھا۔ اُس کی اُداس آنکھوں کے کناروں کو 'مائع' نے چھوا تھا۔

''سب کچھ بدل جاتا ہے...... وقت کے ساتھ......'' اُس نے تلخی سے کہا۔

''پر...... تم نہیں بدلیں۔'' شہزاد نے کہا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''وہاب...... کے بارے میں کچھ ذکر نہیں کیا۔''

''میں اپنی پرسنلز آپ کے ساتھ شیئر کرنا نہیں چاہتی۔'' وہ روکھے پن سے بولی۔

''میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔'' اِس نے سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

''ایسا کوئی حق نہیں ہے آپ کے پاس۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''جانتا ہوں پر...... تمہاری آنکھوں کی اُداسی...... مجھے سکون لینے نہیں دیتی۔'' اس نے گاڑی کی اسپیڈ کم کر دی تھی۔

''مجھے گاڑی سے اترنا ہے۔'' اِس نے اپنا پرس پکڑا۔

''پلیز رابی......'' اور خود رابی کے اندر اک طوفان اٹھ رہا تھا۔

''آپ گاڑی روک دیں پلیز۔''

''رابی...... پلیز......'' وہ ضبط کے آخری مراحل میں پر تھا۔ یہ اچانک جو ہو رہا تھا۔ شہزاد نے اُس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ اِس طرح رابیل کے سامنے ٹوٹنے لگے گا۔ اس کو خواب میں بھی کبھی اندازہ نہیں تھا۔

''میں کشف کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں۔ مگر...... میرا دل کہتا ہے...... کہ تم...... وہاب کے ساتھ رہ کر بھی اُس کی نہیں ہو۔ تمہاری اُداسیوں نے میرا چین لوٹ لیا ہے۔'' وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

''آپ مجھ سے اِس قسم کی باتیں مت کریں پلیز......'' رابیل خود بکھر رہی تھی۔

''میں جاننا چاہتا ہوں۔ تم کس حال میں ہو...... کیسی گزری ہے تمہاری زندگی......؟'' اُس نے گاڑی روک دی۔ ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔

''جی تو چاہتا ہے کہ آپ کو بتاؤں...... مگر......'' وہ اک گہری اور شاید دکھ سے بھری آہ لے کر خاموش ہوگئی۔

''آپ گاڑی چلائیں، ورنہ میں یہیں اُتر جاؤں گی۔''

''نہیں...... تم نہیں جا سکتیں۔'' اُسے خود نہیں پتا کہ اُسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ تو اُس سے دامن بچاتا پھرتا تھا۔ اور اب کیسے وہ اِس کے ساتھ بحث پر اُتر آیا تھا۔ اور وہ بھی ماضی کو لے کر...... رابیل نے اِس کی طرف دیکھا۔ اور پھر جیسے شہزاد کی آنکھوں نے اُسے جکڑ لیا تھا۔ خود اُس کی آنکھیں پانیوں میں ڈوبتی جا رہی تھیں۔ شہزاد کی آنکھوں کے انداز بدل گئے۔ وہاں سوال تھے، اصرار تھے۔ اور...... شاید اظہار و اعتراف تھے۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ رابیل کے ساتھ تھا۔ اپنی رابی کے پاس...... جسے برسوں اِس نے چاہا تھا۔ اور آج...... جب اُس کے چہرے پر صرف دکھ اور اُداسی ہی نظر آ رہی تھی۔ وہ تڑپ اٹھا تھا۔ کشف سے کیے گئے عہد و پیماں فرار کی سب منزلیں خود

بخود کہیں اوجھل ہوگئی تھیں۔

''میں جانتا ہوں...... تم مجھ سے خفا رہی ہو۔ میں نے تمہارا دل دکھایا ہے۔ میری وجہ سے تم برسوں خالہ جان سے دور رہی ہو۔ پر...... میرا یقین کرو رابی...... میں کبھی مطمئن نہیں ہوسکا۔ تمہارے دل میں پلتا کرب ہمیشہ مجھے بے چین کیے رکھا ہے۔ اس کے اندر سے نکلنے والے جذبات میں کتنی سچائی تھی۔ خود اُسے احساس نہیں تھا۔ مگر سچ یہی تھا، کہ وہ رابیل کو کبھی دل سے نکال نہیں سکا اور نہ ہی اُس 'Guilt' جو رابی کے اس طرح جدا ہونے سے آج بھی تازہ تھا۔ ان سب باتوں کا وقت گزر چکا ہے شہزاد...... میں نے کیا کھویا...... اور کیا پایا...... اب اُس کا سوال نہیں اٹھتا۔'' وہ اپنے آنسو ضبط کررہی تھی۔

''رابی...... کیا تم یہ سوچ بھی سکتی ہو...... کہ وقت کے دیے گئے خسارے...... جن کی وجہ میں رہا ہوں...... وہ صرف تمہارے حصے میں آئیں۔''

''وقت سب کچھ کرسکتا ہے شہزاد...... اگر خسارے میرا ہی نصیب تھے تو پھر یہ آپ کے حصے میں کیسے آسکتے ہیں......'' وہ سنبھل کر بولی۔

''میں ان کا مداوا کرنا چاہتا ہوں۔ میں سمجھا تھا میں تمہیں بھول چکا ہوں۔ اپنی زندگی اپنی بیوی بچوں کے ساتھ گزار رہا ہوں مگر نہیں رابی...... تمہیں دیکھ کر...... میرا اندر میرا وجود بدل گیا ہے۔ میری دھڑکنیں تو آج بھی تمہاری سانسوں کے ساتھ چلتی ہیں۔'' وہ کن احساسات کے دباؤ میں تھا اُسے خود اندازہ نہیں تھا۔ رابیل نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔ اُس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا جارہا تھا۔

''بہت دیر کردی شہزاد۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''جانتا ہوں۔'' وہ ٹوٹے لہجے میں بولا۔

''مجھے قسمت سے بہت گلہ ہے۔ جو ہوا...... ہم اُس کے حقدار نہیں تھے۔'' شہزاد نے کہا۔

''میں شادی کو ایک معاشرتی ذمہ داری سمجھتا ہوں اور اُسے نبھا رہا ہوں جیسے تم......'' ''میں آپ کے معاشرے کا حصہ نہیں ہوں۔'' اس نے شہزاد کی بات کاٹی اور نہ ہی کسی ایسی ذمہ داری سے دوچار شہزاد نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ سمجھا نہیں۔

''ایک گناہ ہے...... جس کا بوجھ لے کر زندگی کے دن پورے کررہی ہوں۔'' وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ اُس کی نظریں ونڈ اسکرین پر گرتی بوندوں پر تھیں۔ اور واز کسی گہرائی سے آرہی تھی۔

''محبت کا گناہ...... آپ سے محبت کا گناہ اور اس گناہ میں آپ کی...... قربت کا گناہ...... اس کی پتھر ہوتی آنکھوں میں نمی سے جھلملائی تھی اور شہزاد کو دھوکا ہوا کہ اُس کی سماعت جو سن رہی ہے۔ وہ وہی کہہ رہی ہے وہ محبت میں گناہ...... قربت کا گناہ......'' اس کی سماعت میں یکے بعد دیگرے دھماکے ہوئے۔ جو اِس کے وجود کی عمارت کو ہلا کر رکھ گئے۔

رابیل نے اس کی طرف دیکھا۔

''میری زندگی میں کبھی کوئی وہاب تھا ہی نہیں۔'' ''میں تو آج تک اُس ایک رات کی سزا جھیل رہی ہوں۔ جو محبت کے نام پر دادی کے کمرے میں گزاری تھی آپ کے ساتھ......''

رابیل کیا کہہ رہی ہے۔ کوئی سیسہ تھا جو پگھلا کر اُس کے کانوں میں انڈیلا گیا تھا۔ وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ آذر اور ایک چیختی چلاتی

سچائی..... اس کے احساسات کو تہ و بالا کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

رابیل اُسے گاڑی میں چھوڑ کر خود چلی گئی تھی۔ باہر ہوتی بوندا باندی برستی آنکھوں کا ساتھ دے رہی تھیں۔ شہزاد میں اُسے روکنے کی سکت نہیں تھی۔ وہ تو خود ایسی اذیتوں سے دوچار تھا۔ جسے وہ اکیلا سہل نہیں پا رہا تھا۔

اُس کی دنیا سے ایک دم جیسے سب غائب ہوگیا۔ ایک کھلا میدان تھا۔ تیز برستی بارش اور وہ تنہا..... بارش کی ہر بوند جیسے پتھر بن کر برس رہے تھے۔ وہ ایک لمحہ..... اُس رات کا ایک لمحہ جب رابیل اس کے اتنے قریب تھی، اور وہ قربتیں..... اُسے اتنا دور لے گئیں۔ ان دوریوں کے بیچ کئی ماہ و سال جو پل پل اسے اپنی کھوئی ہوئی دنیا سے دور لے جاتے رہے ہیں۔ اچانک پھر وہیں لا پھینکا تھا۔ پر اِس بار وہ اکیلا تھا۔ اِس میدان میں برستے آسمان تلے وہ اکیلا کھڑا تھا۔ یہ بوندیں تھیں یا پتھر؟ پتھر تھے کہ یادیں؟ یادیں تھیں کہ خنجر..... پتا نہیں کیا تھا پر کسی قیامت سے کم نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

کہاں رہ گئے تھے آپ؟'' کشف کی آنکھیں روئی ہوئی تھیں۔ صبح کے تین بجنے والے تھے جب وہ کمرے میں داخل ہوا۔ شہزاد نے پتھرائی نظروں سے اُسے دیکھا۔ اور پھر بنا کچھ کہے شرٹ کے بٹن کھولنے لگا تھا۔

''میں آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں؟ آپ کو احساس ہے کہ ہر کوئی اتنا پریشان تھا آپ کے لیے..... فون بھی آف..... باہر موسم.....''

''زندہ لوٹ آیا ہوں..... کیا کافی نہیں؟''

وہ ایک دم اِس کی بات کاٹ کر دھاڑا تھا۔ وہ حیرانگی سے اُسے دیکھنے لگی۔

''میرے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں..... اگر کچھ ہونا ہوتا مجھے..... تو اب تک ہو چکا ہوتا..... پلیز لیو می الون اس کے لہجے میں نمی ڈوب ڈوب کر ابھرتی رہی۔

کشف نے چند ثانیے اُسے دیکھا اور پھر اس کے راستے سے ہٹ گئی۔ وہ اس کے قریب سے گزر کر بیڈ پر بیٹھا۔

''میری زندگی میں کوئی وہاب تھا ہی نہیں کبھی۔ میں تو اُس رات..... اُس ایک شخص کی ہوگئی تھی۔ جس نے محبت قیامت کر ڈالی اپنے آذر کی طرف کوئی انگلی نہ اٹھائے اس کے لیے اک نام اپنے نام سے جوڑ لیا..... اُس نام کا شخص..... وہ تو خود نہیں جانتا کہ وہ کسی کے لیے زندگی بنا رہا ہے؟'' آنسوؤں میں ڈوبی آنکھیں اور درد میں ڈوبے لفظوں سے بنی اُس کی آپ بیتی اُسے جھنجوڑ کر پوچھ رہی تھی۔

''محبت کیا ہے؟ یہ کیسی محبت ہے؟ کیا محبت ایسی ہوتی ہے؟ آذر اک تلخ سچائی تھی اور اُس سے بھی زیادہ تکلیف دہ یہ تھا کہ اُس کی رابیل اس کے بعد کسی کی نہیں ہوسکی..... نام نہاد شوہر وہاب..... جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اور اب..... اب جب وہ اپنی آزمائشوں سے ہار گئی اور موت اس کی طرف قدم بڑھانے لگی تھی تو وہ ایک چھپی ہوئی حقیقت کو عیاں کرنے پر مجبور ہوگئی۔ وہ زار و قطار رو رہا تھا۔

''شہزاد..... شہزاد.....'' اُسے ہوش تب آیا جب کشف اُسے جھنجوڑ رہی تھی۔

''کشف..... رابیل، میری رابیل.....'' وہ سسک رہا تھا۔ اور کشف کے دل پر کوئی گھونسہ آ لگا تھا۔

''میں نے بہت زیادتی کی اُس کے ساتھ۔
وہ درد سہتی رہی، تنہائیوں میں جیتی رہی...... اور میں...... میں یہاں اپنی دنیا آباد کیے ...... گم ہوگیا۔'' وہ بہت آہستگی سے بول رہا تھا۔ اردگرد سے بیگانہ کہ اُس کے الفاظ کشف کو کاٹ رہے ہیں۔ اُس کی شکستہ حالت، کشف کو اتھاہ گہرائی میں لے ڈوبی ہے۔

''میرے دیے ہوئے دکھ اُسے چاٹ گئے ہیں...... وہ مجھ سے ...... ہمیشہ کے لیے بچھڑنے والی ہے۔ شی از سفرنگ برین ٹیومر......'' کوئی کیسے آسمان سے پٹخ دیتا ہے کشف کو آج پتا چلا تھا۔ اُس کا محبوب شوہر ...... اپنی پہلی محبت کے لیے رو رہا تھا۔ کشف کو کچھ اور سننے ...... جاننے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ سامنے بلکتا ہوا شخص کس قدر اُس کا ہے اسے معلوم ہوگیا تھا۔ شہزاد نے اُس کی طرف سرخ ہوتی آنکھوں سے دیکھا۔

'' آئی ایم سوری کشف...... آئی ایم سوری...... احساسات کی یلغار بہت بھاری ہوتی ہے۔ وہ مضبوط اعصاب کا مرد...... بکھر بکھر سا گیا تھا۔ اس نے اک بہت ہی تھکا ہوا آنسو کشف کے گال پر پھسلتا دیکھا۔ تو اپنی آنکھیں موند لیں۔ اس کا سر جھک گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ ناشتہ کرنے کے لیے ڈائننگ ہال میں آیا...... میز بالکل خالی تھی۔ کشف نے بالکل سپاٹ چہرے اور متورم آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ شہزاد نے آنکھیں چرالیں۔ اُس کے پاس مزید کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ اور شاید کشف میں بھی ہمت نہیں تھی کچھ اور سن لینے کی۔

''ناشتہ......''

''نہیں...... مجھے کچھ نہیں کھانا۔'' شہزاد نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ...... تم ...... جو کچھ...... رات کو ہوا...... اُس کا ذکر رابی سے نہیں کروگی۔'' شہزاد کے اتنا کہنے پر کشف نے حیرانگی سے اُسے دیکھا۔

''میں اُسے اپنی جانب سے دکھ دینا نہیں چاہتا۔ اُسے...... تم......''

''شہزاد...... اچھا ہوگا اگر آپ مزید کچھ مت کہیں۔'' اُس کی آنکھیں یکلخت پانی سے بھر گئیں۔

''شہزاد...... شہزاد...... دیکھو رابی کو کیا ہوا؟'' خالہ کی بوکھلائی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ وہ تیزی سے پلٹا...... پاؤں پر ٹھوکر لگی، وہ گرتے گرتے سنبھلا اور بجلی سی تیزی سے رابیل کے کمرے کی جانب بھاگا۔ عجیب مقام تھا کشف میں قدم اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔ رابیل بستر پر بے ہوش حالت میں تھی اور آذر اُس کے پاس بیٹھا رو رہا تھا۔

''خالہ آپ آذر کو سنبھالیں۔ میں ایمبولینس کو کال کرتا ہوں۔'' شہزاد کے پسینے چھوٹ چکے تھے۔

''یا الٰہی میری رابیل کو کچھ نہ ہو۔'' اُس کے دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ دعا نکل رہی تھی۔

☆......☆......☆

''وہ شدید پریشانی میں مبتلا ہیں۔ جو اُن کے لیے بالکل اچھا نہیں۔ ایسے اسٹروکس انہیں تیزی سے زندگی سے دور لے جائیں گے۔'' ڈاکٹر احمر ایاز آئی سی یو سے باہر آ کر بتا رہے تھے۔

''اُن کے لیے یہ کہنا مناسب نہیں...... کہ وہ اب خطرے سے باہر ہیں۔ سرجری ممکن نہیں، وہ بہت کم عرصے کے لیے...... آپ کے ساتھ

ہیں۔'' ڈاکٹر احمر ایاز نے شہزاد کے پورے وجود کو جیسے آگ لگادی تھی۔

''اُن کا برین ٹیومر بہت پھیل چکا ہے۔'' شہزاد میں اور سننے کی سکت نہیں تھی۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے ڈاکٹر احمر کو روکا۔

''جتنا عرصہ وہ آپ کے ساتھ ہیں۔ اپنی مسز کو خوش رکھیں...... ''ڈاکٹر احمر نے کہا۔

''مسز!'' کچھ گھنٹوں بعد انہیں روم میں شفٹ کردیا جائے گا۔ آبزرویشن روم میں...... آپ انہیں دیکھ سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر احمر نے کہا اور اُس کا شانہ دبا کر آگے چل دیے۔

وہ سب باتیں انہوں نے بھی سن تھیں۔ کشف خالہ کا ہاتھ تھام کر اُس کے پاس آئی۔ وہ ضبط کے مراحل ہار چکا تھا۔ اور آنکھوں میں صاف آنسو محسوس ہو رہے تھے۔ کشف کو اندازہ نہیں ہوا کہ اِن آنسوؤں میں کس احساس کی آمیزش ہے۔ بے وفائی کا رونا...... جدائی کا رونا...... یا رابیل کی تنہائی کا رونا۔'' پھر بھی اُس نے شہزاد کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ جو اُس نے تھام لیا۔

''میں اُسے یوں مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا کشف۔'' وہ بے اختیار ہو کر رو دیا۔ کشف کی آنکھیں بھی آنسوؤں میں ڈوب گئیں۔ جس تکلیف سے وہ گزر رہی تھی شہزاد کو تو اُس کا احساس تک نہیں تھا وہ دلاسے کے لیے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔

''میری بچی......'' خالہ نے اِک سسکی لی۔ وہ غم سے نڈھال نظر رہی تھی۔

☆......☆......☆

خالہ کے گھر کی رینویشن کافی دن سے کمپلیٹ ہو چکی تھی۔ چھوٹا موٹا کام تھا جو شفٹ ہو کر بھی کیا جا سکتا تھا۔ خالہ نے اُسے رابیل کے کیئر ٹیکر کا اریج منٹ کرنے کا کہا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے گھر شفٹ ہونا چاہ رہی تھیں۔ اور شہزاد...... وہ یہ نہیں جانتا تھا کم از کم رابیل کی زندگی کے آخری لمحات وہ اِس کے پاس رہنا چاہتا تھا۔

کشف نے رانیہ سے سب کہہ دیا۔ وہ اتنی اذیت سہنے کی اہل نہیں تھی۔ شہزاد کا رابیل کی طرف بڑھتا ہوا جھکاؤ اُسے توڑ رہا تھا۔ رانیہ اُس کی باتیں سن کر پریشان ہوگئی۔ کشف کو دینے کے لیے تو تسلی کے الفاظ بھی نہیں تھے۔ شہزاد کو ملے بنا وہ جان سکتی تھی کہ شہزاد کس قدر جذباتی ہو رہا ہے۔ کشف کو تو یہ اُس کا رجحان چین نہیں لینے دے رہا تھا جبکہ رابیل بس کچھ دنوں کی ہی مہمان رہ گئی تھی۔ جو خدشہ رانیہ کے دل کو بے چین کر رہا تھا، اُسے کشف کی پریشانی بہت کم نظر آرہی تھی۔ اس سے زیادہ بھی کچھ ہوسکتا تھا۔ اور وہ شہزاد سے ایسی توقع کرسکتی تھی جس کا کشف نے ابھی تک تصور بھی نہیں ہوگا، پھر بھی کشف کے کہنے پر ایک بار وہ شہزاد نے اِس پر بجلیاں گرائیں وہ تو خود ساکت رہ گئی۔

''میں...... رابیل سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔'' اُسے ساری سچائی بتا کر اس نے آخر پر دھماکہ کیا۔

''شہزاد ے......'' رانیہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''تم اپنے لیے مسائل کھڑے کر رہے ہو۔'' رابیل اور کچھ دن ہمارے درمیان ہے، کشف کا ساتھ......''

''اور میں یہ کچھ دن اُسے صرف خوشیاں دینا چاہتا ہوں۔ میری خاطر اُس نے بڑے درد سہے ہیں۔'' شہزاد نے اُس کی بات کاٹی۔

''اور اس کے بعد...... اُس کے بعد کیا

ہوگا...... کیا، کشف آپ کے ساتھ رہے گی؟''
رانیہ نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔
وہ ایک لمحہ بھی نگاہ نہیں ملا پایا۔
''رانی...... اُسے سمجھنا چاہیے میں اس وقت کس قیامت سے گزر رہا ہوں؟'' وہ ٹوٹ چکا تھا۔
''تمہیں بھی سوچنا چاہیے بھائی، کشف بھابی کس قیامت سے گزر رہی ہیں۔ اور آپ اکیلے نہیں...... علی اور ایمان بھی ہیں۔''
''آذر بھی ہے۔'' شہزاد نے تیزی سے کہا۔
''مجھے آذر علی اور ایمان کی طرح ہی عزیز ہے۔''
''پلیز شہزاد بھائی، جذباتی مت ہوں۔'' کشف بھابی آپ کے اُسے فیصلے کو قبول نہیں کرے گی۔ اور...... اور اگر آذر کی حقیقت وہ جان گئی تو...... آپ کا گھر ٹوٹ جائے گا...... پلیز ...... ٹھنڈے دماغ سے سوچیں۔'' رانیہ نے اُسے سمجھایا۔
''رانی ...... اِس وقت تمہیں ...... مجھے نہیں، کشف کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔'' میں اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹنے والا...... میں رابیل سے نکاح بھی کروں گا، اور آذر کو اپنا نام بھی دوں گا۔ وہ میرا بیٹا ہے۔'' شہزاد کا انداز دوٹوک تھا۔
''آپ نے رابیل سے بات کرلی...... کیا وہ مان گئی؟'' رانیہ کو اچانک اس کا خیال آیا۔
''نہیں......'' شہزاد کے جواب نے رانیہ کو کسی حد تک مطمئن کردیا۔
''تو بہتر ہوگا...... آپ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے...... رابیل اور کشف سے بات کرلیں۔ اُن کی رضامندی جان لیں۔'' رانیہ نے کہا۔
''رانی...... تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔''

شہزاد نے اُس کی طرف لجاجت سے دیکھا۔
''بھائی...... آپ کے فیصلے ٹھیک نہیں ہیں۔''
''پلیز رانی...... رابیل سے نکاح...... اُسے چند دن کی خوشیاں دے سکتا ہے، وہ سکون سے جی نہیں سکی...... سکون سے مر تو سکے گی...... اور...... کشف اُسے تم سمجھا سکتی ہو...... پلیز۔'' شہزاد نے لجاجت سے بہن کو کہا۔ رانیہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔
''امپاسبل بھائی...... کشف بھابی کو سمجھانا مشکل ہے اور آذر کو اپنانے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔'' رانیہ نے کہا۔
''اور تم اچھی طرح جان لو...... میں یہ سب آذر کے لیے ہی کر رہا ہوں۔'' شہزاد بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ ہر سمجھ بوجھ سے جیسے انکاری ہوگیا تھا۔
رانیہ کو اِس سے بحث بے سود نظر آئی۔
''اور اگر رابیل ہی رضامند نہ ہوئی تو......''
رانیہ نے پوچھا اور اس بات کا جواب خود شہزاد کے پاس بھی نہیں تھا۔
''اگر'' کے بارے میں تو اُس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اکیلے ہی فیصلہ کرلیا۔ جیسے رشتے اُسی کے غلام ہوں۔
ابا جان، شہزاد کی بات سن کر یکدم سکتے میں آگئے۔ اور کچھ دیر تو بولنے کے قابل ہی نہ رہے۔
''پاگل ہوگئے ہو تم......'' بابا جان کی بات کا اِس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اور سر جھکائے کھڑا رہا۔
''مجھے اتنے جذباتی فیصلے کی توقع ہرگز نہیں تھی تم سے...... اور جو کچھ تم بتا رہے ہو، کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ وہ سچ کہہ رہی ہے؟''
''ابا...... مجھے اس کی کسی بات کو سچ ماننے

کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ قدرے ناراض سے بولا۔ اختلافات کی تو توقع تھی اُسے...... مگر ایسے سوالات کی امید نہیں تھی۔

'' تو کشف کی کیا حقیقت ہے تمہاری زندگی میں...... علی اور ایمان کیا ہیں تمہارے لیے۔'' ذرا ہمدردی کا بخار اترے تو سوچنا کہ تمہارا یہ ایک فیصلہ سب کی زندگی برباد کردے گا۔ یہ ہنستا بستا گھر...... خالی ہو جائے گا۔'' وہ ہلکان ہو جا رہے تھے۔

'' اگر میری دنیا خالی ہوگئی بابا......؟'' وہ ہارنے والا نہیں تھا۔ بابا نے تھک کر اُس کا چہرہ دیکھا۔

'' میں سمجھتا ہوں۔ تمہارے جذبات کو، لیکن بیٹا، رابیل اب چند دنوں کی مہمان ہے۔ عورت چاہے کتنی بھی بڑے دل کی ہو۔ سوتن برداشت نہیں کرتی۔

'' پر بابا...... چند دن...... رابی اگر صرف میری ہو جائے تو...... شاید میں اُس کے دکھوں کا مداوا کرسکوں۔'' وہ بابا کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

'' کیا...... اُس نے نکاح ہی تمہیں واحد حل نظر آتا ہے۔ اور اِن چند دنوں کے لیے رابی تمہاری ہو جائے...... اور کشف کھو جائے...... تو پھر......''

'' آذر کے خاطر تم...... علی اور ایمان سے دور ہو جاؤ تو پھر...... اِس نے متورم نگاہوں سے باپ کو دیکھا۔ اور پھر ایک دم رو پڑا۔ وہ اپنے آنسو قابو میں نہیں رکھ پایا۔ وہ باپ کی گود میں سر رکھ کر رو رہا تھا۔

☆......☆......☆

اور پھر وہ ہوا جس کا کسی کو گمان بھی نہیں تھا۔

رابیل سے شہزاد کے ساتھ نکاح کا پوچھا گیا اور اُس نے فوراً ہاں کر دی، اِس 'ہاں' کی کسی کو امید نہیں تھی۔ نہ خالو کو، نہ بابا کو...... اور نہ ہی رانیہ کو...... خود شہزاد کو بھی نہیں۔ اِس کے آنسو دیکھ کر بابا کا دل تو پسیج گیا اور انجام کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ نکاح کے لیے مان گئے۔ جبکہ پوری امید تھی کہ رابیل کبھی راضی نہیں ہوگی۔ رابیل کی 'ہاں' نے اُن کی پریشانی میں اضافہ کر دیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

اب اُسے نکاح سے زیادہ کشف پر بیتنے والی قیامت کی فکر تھی۔ خود تو اُس سے بات کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ مگر بابا نے کشف کو جب یہ بتایا تو وہ سکتے میں آ گئی۔ واقعی ہی وہ قیامت تھی جس سے وہ گزر رہی تھی۔ ایک دم جیسے آسمان سر پر آن گرا۔

'' میں تمہاری حالت جانتا ہوں کشف، لیکن......''

'' آپ سب لوگ میرے ساتھ ایسا کیسے کرسکتے ہیں۔'' وہ چلائی تھی۔

'' آپ سب جانتے ہیں...... میں نے اس گھر کو بنانے کے لیے دن رات اپنی محبتیں نچھاور کی ہیں۔ وہ شخص اگر میری کئی سال کی محبت ایک لمحے میں فراموش کرسکتا ہے۔ تو......'' تو رابیل سے وابستگی اُسے کیسے یاد رہ گئی بابا۔'' وہ چھم چھم برستی آنکھوں سے بول رہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ بابا کا دل پسیجنے لگا۔

'' اُسے رابیل سے نکاح کرنا ہے۔ تو میں اُس کے راستے میں نہیں آؤں گی۔ اُسے مجھے اپنی زندگی سے علی اور ایمان سمیت نکالنا ہوگا......'' اُس نے حتمی انداز میں کہا۔ بابا نے ششدر ہو کر اُسے دیکھا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو...... کشف، کشف اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ بابا کے کمرے میں داخل ہوتا شہزاد وہیں پر رک گیا۔

''مجھے...... طلاق دے کر وہ رابیل سے نکاح کر سکتا ہے۔'' اِس نے اپنی بات دہرائی۔

''پاگل ہوگئی ہو تم...... یہ کیا کہہ رہی ہو......''

شہزاد قدرے تڑپ کر کمرے میں داخل ہوگیا۔ کشف نے متوحش نگاہوں سے اُسے دیکھا اور پھر بابا کی طرف دیکھیں۔

''بابا...... میں جا رہی ہوں یہاں سے۔'' آنسوؤں کا طوفان تھا جو اُس نے اپنے اندر ہی روک لیا تھا۔ شہزاد اِس کے سامنے آ گیا۔

''تم میرا ساتھ یوں نہیں چھوڑ سکتی۔'' کشف نے اُس کی طرف دیکھا۔

''مجھے...... آپ سے...... کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ کہہ کر اُس کے سامنے سے نکل گئی۔ شہزاد نے تھک کر بابا کی طرف دیکھا۔ وہ خود بہت نڈھال سے نظر آ رہے تھے۔

''تم سے کہا تھا میں نے...... سب بکھر جائے گا۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے اور سہارا لے کر وہیں کرسی پر بیٹھ گئے۔

شہزاد اِس انتہائی فیصلے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ جو جانتا تھا کہ کشف آسانی سے نہیں مانے گی۔ مگر یوں طلاق کا فیصلہ کر لے گی اِس کے گماں میں بھی نہیں تھا۔ اپنا ہنستا بستا گھر مت اجاڑو شہزاد...... کشف نے محبت سے جس گھر کو جنت بنایا ہے۔ اُسے دوزخ مت کرو۔'' بابا بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ ایک آخری کوششیں سمجھ کر سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اِس نے بابا کی طرف دیکھا۔ اور پھر کمرے سے چلا گیا۔

کشف الماری کھولے کھڑی تھی۔ اُس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ یکدم خود کو بے بس سا محسوس کرنے لگا۔ آج پہلی بار اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اُس کے قدم اُس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ وہ خود کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔

کشف اس کے لہجے میں بہت درد تھا۔

کشف...... وہ اِس کی طرف چلا آیا۔ کشف نے پلٹ کر اُسے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ میرے قریب مت آیئے گا شہزاد۔ وہ وہیں پر ٹھہر گیا۔ کشف نے پہلو بدلتے ہوئے اپنے آنسو پونچھے۔

''میں جانتا ہوں...... میں نے تمہیں دکھ دیا ہے۔ لیکن میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔'' شہزاد وہیں کھڑے بولا۔ تو کشف کو اِس کی بات بہت بری محسوس ہوئی۔

''ایسا کیا سما گیا من میں شہزاد کہ بس پانا ہی پانا چاہتے ہو۔ کھونا کچھ نہیں۔'' یہ سوال سے زیادہ طنز تھا۔

''میرا ماضی...... تم سے چھپا ہوا نہیں ہے کشف۔''

''جھوٹ مت بولیے۔'' وہ چلائی تھی۔

''مجھے اندازہ ہے...... کہ آپ نے کئی سال رابیل سے محبت کی ہے۔ آج بھی کرتے ہو۔'' تھکن اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

''پر...... کیا آپ کو اندازہ ہے کہ میں نے کتنی محبت کی ہے آپ سے...... اِس گھر سے، اِن رشتوں سے...... حتیٰ کہ اُس عورت سے بھی جس کی خاطر آپ نے میرے اور اپنے رشتے کی دھجیاں بکھر کر رکھ دیں۔'' دل سلگ رہا ہو تو پورا وجود جلتا ہے اور کشف اِس وقت سر سے پاؤں تک جل رہی تھی۔

''میں سب جانتا ہوں کشف......'' وہ چند قدم آگے بڑھا۔

''پر تم مجھے ایک بار......صرف ایک بار کچھ کہنے کا موقع تو دو۔''

''مجھے تو حیرت اُس عورت پر بھی ہے۔ اور اُس محبت پر بھی...... جس نے صرف جلنے اور جلانے کے لیے جنم لیا۔ اِس کا اشارہ شہزاد اور رابیل کی طرف تھا۔ شہزاد اتنی تلخی سہنے کا عادی کب تھا اور بھی کشف کی طرف سے......جس کی چاہت ہمیشہ ابر باراں کی صورت برستی رہی تھی۔

''آپ کو...... اپنی بچھڑی ہوئی محبت مل رہی ہے۔ چند دنوں کے لیے ہی سہی تو آپ اُس محبت کا ہاتھ تھام لیں...... باقی زندگی اُس محبت کے سہارے گزاری جاسکتی ہے نا...... شہزاد۔'' اُس کی آنکھوں میں پھر گھٹا اُتری۔ شہزاد تڑپ رہا تھا۔ وہ جو اُس سمجھانا چاہ رہا تھا۔ وہ سننے کو تیار نہیں تھی۔ اور جو کچھ وہ اُسے بتانا چاہتا تھا اُس کو بیاں کرنے کے لیے اُس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ اِس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیوں کو دبایا۔ سر کو ہلکے سے جھٹکا دیا۔ اور پھر سر اُٹھا کر کشف کو دیکھا۔ وہ جو اِس کو سنتی نہیں، پڑھتی تھی۔ آج منہ موڑے کھڑی تھی۔ وہ جو رابیل اور اس کے رشتے کو لے کر بہت بڑے حوصلے کا مظاہرہ کرتی تھی۔ آج اِس کی ایک بات بھی سننے کو تیار نہیں۔ عورت کو سمجھنا کتنا مشکل ہے۔ کوئی اِس سے پوچھ کر دیکھے۔ اگر کوئی عورت اپنے حق کے لیے ڈٹ جائے تو کوئی طاقت اُسے ہلا نہیں سکتی۔ بظاہر موم سی گڑیا...... اندر سے کیسی چٹان بن جاتی ہے یہ تو وقت ہی دکھلاتا ہے۔

''میں...... صرف...... تم سے بے وفائی کے چند دن مانگ رہا ہوں کشف......'' وہ جب بولا تھا تو کشف کو لگا کسی نے کند چھری سے اِس پر وار کیا ہے۔ وہ بے یقینی سے اُس کی طرف دیکھی۔ کچھ پل وہ بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

''چند دن کیوں......؟'' آپ پوری زندگی لے سکتے ہیں بے وفائی کے لیے...... آغاز تو آپ کر ہی چکے ہیں۔ اِن فیکٹ میرے تو کبھی آپ تھے ہی نہیں۔'' وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

''تم سمجھ نہیں رہی کشف...... یار۔'' وہ موت کی طرف بڑھ رہی ہے۔

''آذر۔''

''آذر...... آپ کی محبت کا وہ گناہ...... جسے آپ ثواب میں بدلنا چاہتے ہیں۔'' اب بجلیاں گرانے کی باری کشف کی تھی۔ شہزاد نے چکرا کر اِس کی طرف دیکھا۔ اپنے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے کشف نے اُس کا چہرہ ٹٹولا۔

''مجھے اندھیرے میں رکھ کر ایک گناہ کو ثواب میں بدلنا چاہتے ہیں۔ اور آپ کو لگتا ہے کہ رابیل سے نکاح کر کے...... ایک ناجائز وجود، جائز ہو جائے گا۔ حرام...... حلال میں بدل جائے گا۔'' شہزاد کا دماغ بھک سے اڑ چکا تھا۔

''جب تک میں آپ کی زندگی میں نہیں تھی۔ آپ نے کیا گناہ کیے......اور کیا ثواب کمائے۔ اِس سے مجھے کوئی سروکار نہیں، آپ نے مجھے حقیقت نہیں بتائی۔ حالانکہ میں جانتی ہوں...... کہ اُس رات جب آپ غائب ہوئے تھے۔ وہی قیامت کی رات تھی جب رابیل نے آپ کو بتایا تھا کہ آذر کسی وہاب نامی نام نہاد شوہر کی اولاد نہیں...... بلکہ...... '' جب کوئی آپ کو پتھر مارے تو کیسا لگتا ہے۔ اُسے لگ رہا تھا کہ آج وہ کشف کے ہاتھوں سنگسار ہو رہا ہے۔ وہ لب ہلانے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔ اور یہ بات میں اُس دن سے

جانتی ہوں۔ جب رابیل کو یہاں آئے صرف چند دن گزرے تھے۔ بدقسمتی سے میں نے اُس کی اور خالہ کی باتیں نادانستہ طور پر سن لیں تھیں۔ وہ اِسے بتا رہی تھی اور شہزاد کو اپنا آپ بہت چھوٹا محسوس ہو رہا تھا۔

یہ عورت...... کس دل کی ہے۔ اِس نے کشف کی طرف دیکھا جس کا چہرہ مرجھایا ہوا۔ اور آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ میز پر رکھا اُس کا موبائل بیپ ہو رہا تھا۔ دونوں نے ایک ساتھ اِس پر بلنک ہوتا نام دیکھا تھا۔ اور پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر دونوں نے نگاہیں چرالیں۔ بیل مسلسل ہو رہی تھی۔

''میں...... آپ کے بیچ میں نہیں آؤں گی شہزاد، آپ فون اٹھا سکتے ہیں۔'' کشف کہہ کر اٹھی اور اپنے کپڑوں کا بیگ بیڈ سے نیچے رکھا۔ فون بند ہو چکا تھا۔ اور وہ وہیں سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''میں چاہتی ہوں کہ...... ہمارے اس فیصلے کا اثر...... علی اور ایمان پر نہ پڑے، آپ پلیز...... اُن سے رابطے میں رہیے گا۔'' کشف نے آنسو ضبط کیے۔

''میں بابا سے مل لوں...... ڈاکر بس آنے ہی والا ہوگا۔'' وہ اُس کے پاس سے گزر گئی۔

''صبح کے چار بج چکے تھے اُن دونوں کے درمیان ساری رات اِس ایک ایشو کو لے کر گزر گئی تھی۔ کشف اپنے فیصلے سے پیچھے سننے والی نہیں تھی تو شہزاد نے بھی رابیل کو اپنانے کے حوالے سے کوئی بات نہیں رکھی تھی۔ وہ کشف کو روکنا چاہتا تھا اور کشف ٹھہرنے پر راضی نہیں تھی۔

رابیل کا فون پھر آنے لگا تھا۔ پر اُس کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ فون اٹھائے۔ یہ وقت کچھ مناسب نہیں تھا۔ کوئی خاص بات ہو سکتی تھی مگر اِس وقت وہ خود ٹوٹنے اور ٹوٹ کر بکھر جانے کے عمل سے شدت سے گزر رہا تھا۔ کشف کا چھوٹتا ہوا ہاتھ اِس کی روح کو خالی کر رہا تھا۔

''بابا......'' اس نے کمرے میں جھانکا وہ نماز کے لیے اٹھے ہوئے تھے۔ کشف کو دیکھ کر تشویش سی ہوئی، دل تو پہلے ہی ساری رات لرزتا رہا تھا۔ وہ اندر آ گئی۔

''بابا...... میں...... میں جا رہی ہوں۔'' خود کو سمیٹنا کتنا مشکل تھا اور ٹوٹے وجود و جذبات کے ساتھ ایک یہ جملہ بولنا...... کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ بابا کا دل کسی نے جکڑ لیا ہو جیسے۔ کشف کو روکنے کا حق اس لیے نہیں تھا کہ اُن کا بیٹا زیادتی کر رہا تھا۔

''بابا...... مجھے معاف کر دینا...... لیکن اِس سے زیادہ آزمائش سے گزرنے کی طاقت نہیں تھی مجھ میں۔'' ایک تھکا ہوا آنسو گال پر لڑھکا۔ وہ بابا کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''میں آپ کو کبھی دکھ دینا نہیں چاہتی تھی بابا...... مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنے اس فیصلے سے آپ کا دل دُکھایا۔ مگر بابا...... یقین جانیے اور اِس کا کوئی حل نہیں تھا۔'' آنسو زار و قطار بہنے لگے۔ اِس نے بابا کے دونوں ہاتھوں کو تھاما...... وہ یخ ہو رہے تھے۔ اور خود بابا جان جیسے سکتے کے عالم میں بیٹھے تھے۔

''بابا...... پلیز...... کچھ...... بولیے......'' اُس نے بابا کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

''بیٹی...... تم مجھے معاف کر دینا...... میں تمہارا گھر نہیں بچا سکا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ انہوں نے اِس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''میں تمہیں اپنی بیٹی بنا کر لایا تھا۔ پر آج

تمہیں...... یوں اِس گھر سے جاتا دیکھنا، بہت تکلیف دہ ہے۔ اے کاش...... اس لمحے سے پہلے مجھے کچھ ہو جاتا۔'' وہ کرب سے بولے۔

''اللہ نہ کرے بابا......'' کشف تڑپ اٹھی۔

''آپا......'' ذاکر دروازے پر آ کر کھڑا تھا۔ کشف نے پلٹ کر دیکھا۔ اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بہت دُور کا سفر ہے بابا...... مجھے جانا ہے۔ اپنا خیال رکھیے گا۔'' اس نے بابا کے شانے کو چھوا اور پھر جھک کر پیار لینے لگی۔ بابا کے آنسو گالوں تک آ گئے اور اُن کی داڑھی بھگو رہے تھے۔ انہوں نے اُٹھ کر کشف کو گلے لگایا۔ علی اور ایمان بھی نیند سے جاگے دروازے تک آ گئے۔ بابا نے بچوں کی طرف بانہیں پھیلائیں وہ پیار لینے آ گئے۔ تو دیوانہ وار انہیں بھینچ کر چومنے لگے۔ دروازے کی اوٹ سے شہزاد کھڑا سب دیکھ رہا تھا۔ اِس سے کچھ فاصلے پر ذاکر سامان کا بیگ لیے کھڑا تھا۔ اُن دونوں کے درمیان کوئی بات چیت سلام سے زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ شہزاد نے کشف کو اپنے آنسو پونچھتے ہوئے دیکھا۔

''خدا حافظ۔'' وہ کہہ کر پلٹی

''رُک جاؤ کشف!'' شہزاد نے کمرے میں قدم رکھا۔ اُس کا چہرہ بالکل سپاٹ اور آنکھوں میں سرخی تھی۔ کمرے میں موجود سب نے اُسے شاکڈ ہو کر دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

ذاکر کو سامان واپس رکھنے کا کہہ کر اِس نے علی اور ایمان کو واپس کمرے میں جانے کو کہا۔ کشف بالکل خاموش تھی۔ اور بابا کا پورا وجود کسی سکون کے حصار میں تھا۔ انہوں نے کشف کو اشارہ کر کے بالکل چپ رہنے کو کہا۔

''میں...... رابی سے نکاح...... نہیں کروں گا۔ تم...... یہ گھر چھوڑ کر مت جاؤ......'' بس اتنا اِس نے کہا تھا۔ اور پھر وہاں سے چلا گیا کشف نے بابا کی طرف دیکھا۔ وہ شہزاد کے اچانک بدل جانے والے فیصلے کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ لیکن پھر بھی بابا کے آنکھوں سے کیے گیے اشارے نے اِس کو روک لیا تھا۔

وہ کمرے میں آئی۔ تو شہزاد کھڑکی کھولے سگریٹ پی رہا تھا۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ وہ بہت زیادہ فرسٹریشن میں سگریٹ پیتا تھا۔ لیکن کمرے میں پینے سے پھر بھی احتیاط ہی برتتا تھا۔ اکثر کشف کی لڑائی کے ڈر سے، اور اسی ڈر تے اسے سگریٹ سے دور ہی رکھا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو شہزاد نے ہلکے سے گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔ اور پھر باہر رات کا خمار ٹوٹتے باہر سے آنے والی تازہ ہوا...... اور تسبیح کرتے پرندوں کی چہچہاہٹ سنی آسمان پر مدہم ہوتے ستارے...... اِن کے ساتھ جیسے اُس کے ستارے بھی جڑ گیے تھے۔

اس نے سگریٹ مسل کر باہر پھینک دیا۔ کشف اندر آ کر بیڈ پر ٹک گئی تھی۔ کتنا دکھ دیتا ہے کبھی کبھار اپنی ہی دنیا میں...... اپنوں کے ساتھ اجنبی بن جانا، اِس کے ذرا سے فیصلے جو کہ شاید غلط ہی تھے۔ سب کو اپنی اپنی جگہ پر بہت دکھ دیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے...... جب کشف اُس کی زندگی سے جانے کے لیے نکل رہی تھی تو یہ کمرہ یکدم خالی ویران ہو گیا تھا۔

ہماری زندگی میں ساتھ رہنے والے...... ساتھ بسنے والے...... اور ساتھ جینے والوں کی کیا اہمیت ہوتی ہے اِس کا اندازہ 'ساتھ' رہ کر ہی لگایا جا سکتا ہے۔

وہ چند منٹ تھے جس نے اُس کی زندگی کا

تعین کر دیا تھا۔ وہ چند منٹ تھے جس نے اِسے صحیح اور غلط کی پہچان دی تھی۔ اور وہ چند منٹ ہی تھے۔ جو اِسے محبت اور احساسِ محبت کا فرق سمجھا گئے تھے۔ محبت اور احساس جرم کا سبق پڑھا گئے تھے۔ یہ جذبات اور بے لگام وقتی جذبات...... انسان کو انسان نہیں سمجھتے اپنے اختیار میں کر کے بے بس کر دیتے ہیں۔

یہ فیصلہ بے اختیاری سہی...... مگر وہ اِس وقت دکھ کی انتہاؤں پر تھا۔

☆......☆......☆

اُن کے بیچ دوبارہ کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ صبح آفس نہیں گیا تھا بلکہ بند کمرے میں سوتا رہا۔ پتہ نہیں سوتا رہا یا سوتے رہنے کی ایکٹنگ کرتا رہا جو بھی تھا اُسے فرار چاہیے تھی۔

شام کی چائے بابا کو دے کر وہ بچوں کو ہوم ورک کرانے بیٹھ گئی۔ اُس کی نظر کئی بار اپنے کمرے کے بند دروازے کی طرف اٹھی لیکن مایوس لوٹ آئی۔ صبح سے کئی بار خیال آیا کہ کہیں یہاں رُک کر اِس نے کوئی غلط فیصلہ تو نہیں لے لیا۔ کہیں شہزاد پچھتا تو نہیں رہا۔ عجیب ستم زدہ سے لمحات تھے کوئی بہت اپنا جو بہت اجنبی محسوس ہونے لگے۔

کچھ دیر پہلے جب بابا نے اِس سے شہزاد کے کھانے کا پوچھا تو نفی میں سر ہلاتے ہوئے آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ یہ امتحان بہت مشکل تھا۔ بچوں کو بھی وہ غائب دماغی سے ہی پڑھا رہی تھی۔ باہر دروازے پر بیل ہوئی اور پھر چند منٹ بعد...... رابیل اندر داخل ہوئی۔ کشف کا دل پہلی بار اُسے دیکھ کر بہت تیز دھڑ کا تھا۔ وہ سیاہ شیفون کی لانگ شرٹ ٹراؤزر کے ساتھ، سر پر حجاب لیے ہوئے تھی۔ آج وہ ہلکے سے میک اپ کے ساتھ نہیں تھی۔ کشف نے بغور اُسے دیکھا اور پھر بچوں کو کمرے میں جانے کا کہا۔ رابیل اُس کے قریب آ کر رک گئی۔

''کیسی ہو......!'' رابیل نے کشف سے پوچھا۔ اور کشف کو اُس کا حال پوچھنا بہت کھلا۔ ایک گہری نظر اِس پر ڈالتے ہوئے احساس ہوا کہ رابیل کے چہرے پر نقاہت کے ساتھ ساتھ سیاہ حلقے بھی واضح ہو رہے تھے۔

''آؤ...... بیٹھو...... میں بابا کو بلاتی ہوں۔''

''نہیں...... مجھے...... تم سے بات کرنی ہے۔'' رابیل نے اُسے روک دیا۔ تو کشف وہیں پر رک گئی۔

''شہزاد کہاں ہے؟'' رابیل کے ایک اور سوال نے اسے تپا دیا۔ پھر بھی وہ ضبط سے کھڑی رہی۔

''اپنے کمرے میں ہیں۔''

''میں...... کل سے فون کر رہی ہوں...... پر اب تو آف جا رہا تھا۔ اور تم نے بھی کال پک نہیں کی۔'' رابیل نے کہا۔ کشف کچھ نہیں بولی۔

''چائے پیو گی؟''

''نہیں......'' رابیل نے منع کر دیا۔

''تم بیٹھ جاؤ...... مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' رابیل کے کہنے پر وہ اِس کے پاس بیٹھ گئی۔ اتنی بے مروت وہ کبھی نہیں تھی۔ مگر جو آگ اُس کی دنیا میں لگی تھی۔ وہ اِس کی ذمہ داری سے نبھا نہیں پا رہی تھی۔ رابیل چند ثانیے اِسے دیکھتی رہی۔

''کشف...... تمہیں پتہ ہے...... بند مٹھی سے سرکتی ہوئی ریت کو سنبھالا نہیں جا سکتا؟'' اِس کے عجیب سوال کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

کشف نے ایک گہرا سانس لیا۔

''رابیل مجھے ایسی مشکل باتیں نہیں کرنی...... تمہیں جو کہنا ہے کھل کر کہو۔'' اس کے جواب پر رابی ہولے سے مسکرائی۔

''بہت درد ہوتا ہے...... جب کسی کی محبت...... چھن جائے ہے نا۔'' رابی نے کہا مگر کشف صرف اِسے دیکھ کر رہ گئی۔

''میں جانتی ہوں...... شہزاد کا مجھ سے نکاح کرنے کا فیصلہ تم کو بہت تکلیف دے رہا ہے۔ مگر یقین کرو...... میں تمہاری زندگی تمہاری دنیا میں بسنے کے لیے نہیں آئی......'' رابیل اُن واقعات اس قیامت سے لاعلم تھی۔ جو پچھلی رات گزرے تھے۔

''تم بسنے کے لیے نہیں آئی۔ میری دنیا میں آگ لگانے آئی تھی۔ سو وہ تم لگا چکی۔'' یہ بات صرف کشف سوچ سکی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

''کشف میں نے زندگی کو جیا ہے اور آج اپنے ہاتھوں سے اِسے نکلتے بھی دیکھ رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں ہمارا یہ فیصلہ تمہارے لیے تکلیف دہ ہے۔ لیکن تم سب جانتی ہو...... کہ اِس وجہ کیا ہے؟''

''ان باتوں کا کوئی...... فائدہ...... کوئی مطلب نہیں ہے رابیل......؟''

''میں جانتی ہوں...... پر میں شہزاد کو تم سے دور کرنا نہیں چاہتی کشف......'' کشف کے دل پر کوئی خنجر آ لگا۔ وہ اِسے بے عزت کرنا نہیں چاہتی تھی۔ صرف یہ سوچ کر کے...... کہ زندگی کے جو پل اُس کی سانسوں میں ہیں وہ کسی تکلیف سے نہ گزرے...... اور وہ تو اب بھی خود اِس کی زندگی سے نکل رہی تھی۔ اگر یہ جان جائے کہ شہزاد اس سے نکاح نہیں کرنا والا تو......''

''میں نے شہزاد سے نکاح کے لیے ہاں کی...... یہ ہاں ایک امتحان تھی کشف۔'' رابیل کی آنکھوں میں نمی ابھری۔ کشف کے پاس اِس کی کسی بات کا جواب نہیں تھا۔

''میں جانتی ہوں...... محبت کھو جانے کا درد...... بچھڑ جانے کی اذیت، جسے انسان اپنا سب کچھ سونپ دے۔ اپنا سب کچھ مان لے کسی اور کو دے دینے کی جان لیوا آزمائش اُس کر ہر لفظ میں درد تھا۔ کشف کو محسوس ہوا اُسے شکایت سی ہوئی کہ اگر وہ یہ سب جانتی تھی تو یہ درد یہ اذیت، یہ آزمائش اِس کے لیے کیوں تجویز کی......؟ اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھلتا دیکھا۔ شہزاد باہر نکلا وہ نہا کر فریش ہو کر باہر آیا تھا اور اس وقت سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ رابیل اور کشف کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ شاکڈ ہوا۔ پہلے کشف اور پھر رابیل کی نظر اس پر پڑی کشف اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

رابیل نے گہری نظروں سے شہزاد کو دیکھا۔ جیسے اُسے آنکھوں میں اُتار رہی ہو۔ وہ بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔ کشف وہاں سے جانے والی تھی۔ جب رابیل نے اُسے روکا۔

''کشف...... میں جس درد سے گزری ہوں وہ درد...... تمہیں...... نہیں دوں گی۔'' اپنے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے وہ بمشکل بولی۔ کشف کی آنکھوں میں حیرانگی وا ہوئی۔ جبکہ وہ جانتی تھی کہ یہ نکاح اب نہیں ہونے والا، اِس نے شہزاد کی طرف دیکھا۔ جو اِن کی طرف چلا آیا تھا۔ رابیل کی یہاں موجودگی نے اِسے کھٹکا دیا تھا۔ لیکن ابھی اُس کی بات وہ پوری طرح سن نہیں پایا۔ پھر بھی اُس کا اترا ہوا چہرہ اُسے پریشانی میں مبتلا کر رہا تھا۔ رابیل آنکھوں میں آنسو لیے مسکرائی۔

''شہزاد...... یہ جو کشف ہے نا...... تمہیں بہت چاہتی ہے مجھ سے بھی زیادہ۔'' رابیل اپنی جگہ سے اٹھی۔
''رابی...... تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔''
''نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔'' رابیل نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔
''محبت کرنے والوں کو دکھ نہیں دیا جاتا...... اِسے دکھ مت دینا۔ اِسے سنبھال کر رکھنا۔'' وہ اپنے آنسو نہیں روک پائی تھی۔
کشف اور شہزاد نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
''رابی...... میں......'' کشف نے شہزاد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے کچھ کہنے سے روک دیا۔ وہ جان گئی تھی کہ شہزاد اُسے کیا کہنے جارہا ہے، کیا بتانے جارہا ہے۔ رابیل مسکرائی۔
''کشف...... جب رات بھر اس نے فون نہیں اٹھایا نا...... تو میں جان گئی تھی۔
وہ مشکل میں ہے۔ اِس کی مسکراہٹ کم درد زیادہ تھا۔
''وہ مجھ سے نکاح کا کہہ کر مشکل میں پڑ گیا ہے۔ اور جب اُس نے فون نہیں اٹھایا۔ تم نے بھی تو نہیں اٹھایا تھا...... تب مجھے یاد آیا...... اللہ نے میری قسمت میں 'نکاح' تو لکھا ہی نہیں تھا۔ اِس کی بات پر شہزاد بھی تڑپ اٹھا تھا۔ اور کشف بھی ہل کر رہ گئی۔
''بہت بدقسمت ہوں میں...... اک وہاب تھا۔ جس نے مجھے سہارا دیا...... اپنے نام کا...... اک شہزاد تم ہو...... جس نے کنارا دیا...... آذر کی صورت...... اور اب جب منجدھار میں ڈوب رہی ہوں...... تو سوچتی ہوں اس کنارے کو کوئی تھام لیتا...... تو اچھا تھا۔ میری طرح بدقسمت نہ رہ جائے۔ وہ صوفے کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔ سر کے پچھلے حصے کا درد بڑھ رہا تھا۔ دونوں نے آگے بڑھ کر اِسے تھام لیا۔
''رابی...... پلیز ایسی باتیں مت کرو۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں...... چلو ہاسپٹل لے چلوں۔'' شہزاد نے اِس کا ہاتھ پکڑا جیسے برف کا ہاتھ ہو۔
''میں ٹھیک ہوں...... بس سکون سے مرنا چاہتی ہوں، شہزاد...... میرے بیٹے کو۔''
''وہ صرف تمہارا نہیں...... میرا بیٹا ہے رابی۔'' شہزاد جذباتی ہو کر بولا، رابی مسکرادی۔
''مما...... آرہی ہیں اُسے لے کر...... میں نے بتایا تھا انہیں...... کہ سانس رُکنے والی ہیں...... اک بار اور جدائی سہنے کا حوصلہ نہیں ہے نا...... وہ زخمی سا مسکرائی۔
''ایسی باتیں مت کرو...... رابی...... تم پلیز شہزاد کے ساتھ ہاسپٹل جاؤ...... میں آذر کو سنبھال لوں گی۔ پلیز......'' کشف نے رابی کے چہرے پر پیار و ہمدردی سے ہاتھ پھیرا۔
''ہاں...... بس یہ وعدہ کرو کشف...... تم میرے آذر کو سنبھال لوگی۔'' رابی نے اِس کا ہاتھ تھاما۔
صوفے کی پشت سے سر لگا کر وہ بہت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔
''رابی...... میں ہوں نا۔'' شہزاد نے اِس کا ہاتھ تھاما۔
''ہٹو...... مجھے تم سے کوئی وعدہ نہیں چاہیے۔'' یہ اُس کی شرارت تھی۔ جو اک مسکراہٹ کے ساتھ گلہ بن کر ادا ہوئی۔
''تمہیں کچھ نہیں ہوگا اور آذر میرا بیٹا ہے۔

میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں علی اور ایمان کی طرح ہی اسے سنبھالوں گی۔ یہ ظرف کہاں سے آیا...... پتہ نہیں۔ پر جو کہا وہ دل سے کہا۔ اور اتنی سچائی سے کہا کہ ایک بار تو جیسے وقت رُک گیا۔ شہزاد نے کشف کی طرف دیکھا۔ اُسے لگا جیسے اُس کی دھڑکنیں کشف کے دل میں دھڑک رہی ہوں۔ رابیل اُن دونوں سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اطمینان سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

اور اک گہرا سانس لیا۔

''میں کئی سالوں سے سکون کی نیند نہیں ہوئی۔'' رابی نے آنکھیں بند کر لیں۔ بابا جان نماز پڑھ کر گھر لوٹے تو ان تینوں کو بیٹھے دیکھ کر تھوڑا سا حیران ہوئے۔ پھر اِن کی طرف چلے آئے۔ کشف اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بابا...... رابی کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' شہزاد نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''ہاں...... آپ اسے لے جائیں...... ڈاکٹر کے پاس۔'' اِس نے رابیل کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے حواس چھوڑ رہی تھی۔ شہزاد نے آگے بڑھ کر اِسے سہارا دیا۔

☆......☆......☆

سب لوگ ہاسپٹل میں جمع تھے۔ خالہ آذر کو وہیں لے آئی تھیں۔ باہر گلاس ڈور سے وہ لوگ رابیل کو مشینوں میں جکڑا دیکھ سکتے تھے۔ مگر اندر جانے کی اجازت کسی کو نہیں تھی۔ خالہ جان زار و قطار رو رہی تھیں۔ خالو جان بھی دلبرداشتہ سے کھڑے تھے۔ بابا جان انہیں سہارا دے رہے تھے۔ کشف گھر میں بچوں کے پاس تھی جبکہ شہزاد کی جان یہاں اٹکی تھی۔

اتنے سالوں میں پہلی بار...... جب اپنے آنسو پینے کے لیے اِس نے اپنی آنکھیں موندیں

...... تو اِک شکوہ ایک گلہ اپنی تقدیر سے ضرور ہوا۔

''رابیل...... کبھی اُس کی قسمت میں تھی ہی نہیں...... تو پھر اُس کی زندگی میں کیوں تھی؟ وہ بار بار اُسے بھلا کر زندگی جینے کی کوششیں کرتا رہا...... پر جب وہ سامنے آتی تو خود سے ہار بیٹھا۔ اک بار پھر وہی...... محبت کی پہلی کلی خوشبو سے لیتی سانسوں میں اتری اور کتنے ماہ و سال گزر گئے۔ وہ کبھی اُس کی ہو ہی نا سکی...... یا پھر قدرت نے اُسے...... یوں ملایا کہ نہ مل پائے نہ بچھڑ پائے...... اور آج جب وہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہی ہے۔

تو اِس کے اندر سے کچھ اکھڑ رہا تھا۔ کچھ ٹوٹ رہا تھا جیسے جیسے رابیل کی سانسیں تھم رہی تھیں اِس کے اندر کا گھٹن بڑھ رہا تھا۔ جواب آنکھوں کے کونے گرم پانی سے تر ہونے لگے تھے۔

''شہزاد...... شہزاد...... رابیل تمہیں بلا رہی ہے۔'' خالہ نے اِسے تقریباً جھنجھوڑ دیا اور بدحواس سا ہو کر اِن کے پیچھے چل دیا۔ خالہ اُس کے ساتھ اندر جانے لگی مگر ڈاکٹر نے روک دیا اور صرف شہزاد کو اندر جانے کی اجازت دی۔ وہ آبزرویشن روم میں داخل ہوا تو کمرے کی یخ بستگی نے اِس کا خود منجمد کر دیا۔

یخ بستگی سے زیادہ وہ خوف تھا جس نے اِسے منجمد کر دیا تھا۔ رابیل چند گھنٹوں میں کیا سے کیا ہوگئی صرف آنکھوں کا زاویہ بدل کر اِس نے شہزاد کو دیکھا۔ وہ بے جان قدموں سے اس کی جانب چلا آیا۔

''رابی......'' وہ اپنے آنسو نہیں روک پایا۔

اب رابی مسکرائی اتنی اُداس مسکراہٹ...... اس کا دل چیر کر رکھ گئی۔

''شہزاد...... اِک بار وہ نظم پھر سے سناؤ'' وہ بہت آہستگی سے بولی۔ شہزاد نے اِس کا ہاتھ تھاما۔

''پلیز رابی...... مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ میں پھر سے جی نہیں سکوں گا۔'' وہ رو پڑا تھا۔

چلو...... پھر سے......

چلو پھر سے...... عہد وفا کرتے ہیں

کبھی ایک دوجے سے جدا ہم نہ ہوں

خدا سے سجدوں میں دعا کرتے ہیں

ہمیں جب چاہو آزما لو، لوگو

جفاؤں کے بدلے وفا کرتے ہیں

ملا دے ہمیں دو جہاں میں مالک

چلو، فرح...... اُن سے دعا کرتے ہیں

وہ چپ رہا...... ماضی بولتا رہا...... کوئی حسین یاد...... جب ایسے ہی ہاتھوں میں ہاتھ لیے وہ ایک دوسرے پر محبتوں کے پھول نچھاور کر رہیں ہوں گے...... تو اک لمحہ گزرا ہوگا...... کسی وعدے کا کسی وفا کا...... کسی دعا کا......

پر آج تو بس ایک جھلک تھی کچھ لوگ کبھی نا ملنے کے لیے ملتے ہیں۔ اور پھر...... یونہی ملے بنا بچھڑ جاتے ہیں۔ پر اِس نا ملنے اور بچھڑنے کی جو کہانی ہے نا......

وہ تحریر میں نہیں آئی...... وہ احساس کی کہانی، وہ جذبات کی کہانی......

وہ خواب کی کہانی...... اور بس 'دعا' کی کہانی...... دعا مقبول ہونا ہو......

اِس 'آس' کے ساتھ آخری سانسیں بھی خالق حقیقی کے سپرد کرنی پڑیں تو کر دی جاتی ہیں۔ اک انسان نہیں......

اک ہاتھ میں ہاتھ بہت ہے...... یہ شام سے اُداس لوگ...... اُس نے رابیل کے ہونٹوں کو ہلتے محسوس کیا۔

''لا الہ......'' وہ کلمہ پڑھ رہی تھی۔ اُس کی آواز بالکل دھیمی پڑ گئی۔ شہزاد اُس کا ہاتھ تھامے زار و قطار رو رہا تھا۔ اِس نے ڈاکٹرز کو آواز نہیں دی کیونکہ وہ جانتا تھا اب رابیل یہاں رُکنے والی نہیں...... اِس کی رابیل...... اِس کے پاس اپنا لمس چھوڑ گئی ہے۔''

☆......☆......☆

کچھ لوگوں کو محبت راس نہیں آتی...... وہ محبت کرتے ہیں اور بس کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ محبت میں جیتے ہیں بس محبت اُن کی نہیں ہوتی...... یہ اُداس کر دینے والی محبت جو فنا کرتی ہے۔

شہزاد...... رابیل کا ہاتھ تھامے رو رہا تھا۔ ڈاکٹرز نے باہر اطلاع کر دی تھی۔ سب لوگ اندر آ گئے تھے۔ کوئی گھٹ کر رو رہا تھا، کوئی بے اختیار......

رابیل کی اُداس محبت اِس کمرے کو سوگوار کر گئی تھی۔ کشف نے شہزاد کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اور نم آنکھوں سے اُسے دیکھا۔ اِس نے رابیل کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا اُسے لگا...... رابیل کی اُداس محبت...... شہزاد کو آنکھوں میں ہمیشہ کے لیے ٹھہر گئی ہے۔ محبت کا یہ روپ...... اِن شام سے اُداس لوگوں کو راس تھا۔

یہ شام سے اُداس لوگ

پوچھ اِن سے

محبت کا رنگ کیسا ہے؟

محبت آس ہے...... یا صرف پیاس ہے

پوچھو نا اِن سے

جنہیں صرف شام راس ہے

جن کی محبت اُداس ہے

☆☆☆☆

منی ناول

نسرین اختر نینا

سپنے سہانے

”یار تُو تو بہت خوش قسمت ہے۔ جو ایک خوشحال گھر کی اتنی خوبصورت لڑکی تمہیں اتنی آسانی سے مل گئی ہے۔ ساری زندگی عیش کرے گا پیارے۔“ اور اپنے دوستوں کے ایسے کمنٹس سن کر عالی خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ پھر اُس نے ایک دن دوبارہ اماں، ابا اور صباحت کو......

معاشرے کے اُتار چڑھاؤ سے جڑا ایک بہت خاص ناول **تیسرا حصہ**

”ماما آپ بتائیں میں کیسے پڑھائی کو گھرداری کو اور بچوں کی پیدائش کے سلسلے کو مینج کروں، آپ نے میری شادی کرنے سے پہلے کچھ سوچا تو ہوتا کہ آپ کی نازوں پلی بیٹی جو ابھی اٹھارہ سال کی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اتنی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کمزور کندھوں پر کیسے اٹھا سکے گی۔ آپ نے اُس شخص سے میری شادی کرنی ہی تھی تو اُسے کہا ہوتا کہ وہ پانچ سال مزید انتظار کرلے۔ پانچ سال میں وہ اور کتنا بڈھا ہو جاتا۔“ سامیہ نے سعدیہ بیگم کی گود میں سر رکھ کر روتے ہوئے کہا۔

”میری چندا! میری جان اپنی ماں کو کیوں ہر وقت شرمندہ کرتی رہتی ہو۔ جبکہ تم یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ میرا نہیں تمہارے پاپا کا فیصلہ ہے اور اُن کے فیصلے کے آگے کسی کی مجال نہیں کہ سر اٹھا سکے۔ اب جو کچھ ہوا بھول بھال جاؤ اور اپنی پڑھائی کی طرف دھیان دو گھر کی ذمہ داریاں تو ویسے بھی وہاب نے تمہارے اوپر نہیں ڈالیں۔ بچی کو بھی خالہ بی سنبھالتی ہیں پھر تم کیوں گھبراتی اور پریشان ہوتی ہو۔ ایسے شوہر تو خوش قسمت لڑکیوں کو ملتے ہیں۔“ سعدیہ بیگم نے پیار سے سامیہ کے ریشمی براؤن بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”آخاہ...... خوش قسمت، آپ کو کیا پتہ کہ میں کیسے اُسے گھٹیا ذہنیت کے شخص کے ساتھ وقت گزار رہی ہوں۔ ہر وقت روکتا ٹوکتا رہتا ہے یہ کرو، وہ نہ کرو، میری سہیلیوں پر اُسے اعتراض ہے۔ میرے گھومنے پھرنے اور شاپنگ کو ناپسند کرتا ہے۔ میری تو عمر کے یہ سب تقاضے ہیں اور وہ بڈھا کھوسٹ چاہتا ہے کہ میں جاہل عورتوں کی طرح اُس کے کھونٹے سے بندھی ہر وقت اُس کے آگے پیچھے پھرتی اور اُس کے چونچلے کرتی رہوں۔ ہوں مائی فٹ وہ اور اُس کے عیش و آرام، مجھ سے زیادہ تو بے فکری اور خوشی کی زندگی جھونپڑی میں رہنے والی لڑکیاں گزارتی ہیں۔ آپ میری بات تو سنتی ہیں نا میرے احساسات کو سمجھتی ہیں۔ میں آپ کے پاس اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے آتی ہوں۔ اور آپ الٹا مجھے سمجھانے بیٹھ جاتی ہیں۔ آخر میں کس سے کہوں کسے اپنی دکھی کہانی سناؤں۔“

”مائیں ہی بیٹیوں کی دوست، ہمدرد اور ہمراز ہوتی ہیں۔ آپ پتہ نہیں کیسی ماں ہیں بے حس اور خودغرض۔“

سامیہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی ہے اور سعدیہ چپ چاپ بیٹی کی باتیں سنتی رہیں وہ چاہتی تھیں کہ وہ اچھی طرح اپنے دل کی بھڑاس نکال لے۔ وہ گزشتہ تین دن سے اُن کے پاس رہنے کے لیے آئی ہوئی تھی۔ آخری مرتبہ وہاب کے ساتھ جھڑپ کے بعد سے اُن کی آپس میں ناراضگی چل رہی تھی۔ سامیہ ویسے بھی آج کل چڑچڑی سی ہو رہی تھی۔ ایک تو امتحان کی فکر سوار تھی۔ پھر چند ماہ بعد دوسرے بچے کی پیدائش متوقع تھی۔ اوپر سے وہاب کی جلی کٹی، اُس کی ذہنی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اسی لیے وہ خالہ بی سے پڑھائی کا بہانہ کرکے امی کی طرف آ گئی تھی۔

اور آج جب سعدیہ بیگم نے اُس سے استفسار کیا تھا کہ وہ اپنے گھر کب جائے گی۔ اُن کا اتنا پوچھنا غضب ہو گیا تھا۔ اور سامیہ ایک دم پھٹ پڑی تھی۔ جب سے اُس کی شادی ہوئی تھی۔ وہ ایسی ہی منہ پھٹ بدلحاظ اور خودسر ہو گئی تھی۔

سعدیہ بیگم سوائے جلنے کڑھنے اور پریشان ہونے اور بیٹی کو سمجھانے کے اور کر بھی کیا سکتی تھیں۔ بیٹوں کی مائیں بہت بے بس اور مجبور ہوتی ہیں۔ تبھی تو بیٹی کی پیدائش انہیں دکھی اور اپ سیٹ کر دیتی ہے۔ کیونکہ وہ بیٹی کے نصیب سے ڈرتی ہیں اور سعدیہ بیگم نے تو پے در پے پانچ بیٹیوں کو جنم دیا تھا۔

☆......☆......☆

سامیہ نے بھی تو ایک دلکش سپنا دیکھا تھا کہ وہ خوب محنت کرے گی ڈاکٹر بن کر کسی ہینڈسم سے ڈاکٹر سے شادی کرے گی۔ پھر دونوں نا صرف مل کر دکھی انسانیت کی خدمت کریں گے بلکہ خود بھی ایک شاندار زندگی بسر کریں گے۔ مگر اس خواب کی تعبیر وہاب جیسے بدشکل، خودغرض اور سفاک شخص کی صورت میں اُسے ملی تھی تو وہ بکھر کر رہ گئی تھی۔ البتہ اُسے ایک امید تھی کہ وہ ڈاکٹر بن رہی تھی۔ اور اُس کا یہ سپنا تو پورا ہونے جا رہا تھا۔ مگر پھر بھی آئے روز کی کسی نا کسی بات کی وجہ سے اُسے ذہنی اذیت ہوتی تھی۔ اور وہ خودترسی کا شکار ہو جاتی تھی۔ اور کئی روز تک جلنے کڑھنے اور رونے دھونے کے بعد وہ خود کو سمجھا بجھا کر پھر سے ہمت باندھ لیتی تھی۔

امی کی طرف ایک ہفتہ گزارنے کے بعد جب وہ نارمل ہو گئی تو وہ اپنے گھر واپس لوٹ آئی تھی۔ کیونکہ بظاہر تو وہ ناراض ہو کر نہیں گئی تھی۔ بلکہ پڑھائی کا بہانہ کر کے ہی گئی تھی۔ دو تین دن بعد وہاب نے بھی اُسے فون کر کے اُس کی پڑھائی کے بارے میں پوچھا تھا۔ اور یوں دونوں کے درمیان سیز فائر ہو گیا تھا۔ اور ایسا اکثر ہی ہوتا تھا دونوں ہی نے ایک دوسرے کے ساتھ ایک خاموش سا سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اور یونہی وقت کا پنچھی محو پرواز تھا کہ وقت کا کام تو گزرنا ہی ہوتا ہے۔ سو وہ گزرتا چلا جاتا ہے۔ خواہ اچھا ہو کہ برا......

☆......☆......☆

عفیرہ بیگم صباحت کے ساتھ دوبارہ رشتے والی عورت کے ساتھ اُس لڑکی کے گھر گئی تھیں جسے پہلے وہ دل ہی دل میں ریجیکٹ کر چکی تھیں کیونکہ عالی نے انہیں مجبور کیا تھا کہ جگہ جگہ رشتہ تلاش کرنے کی بجائے جو رشتہ آسانی سے مل رہا ہے۔ اُسے ہی غنیمت سمجھیں۔ لڑکی والے خوش ہو گئے تھے جب عفیرہ بیگم نے لڑکی کی تصویر مانگی تو انہوں نے بخوشی دے دی تھی۔ تصویر میں وہ لڑکی جس کا نام نورین تھا۔ خاصی خوش شکل نظر آ رہی تھی اپنی ماں اور ایک رشتے دار عورت کے درمیان بیٹھی کافی جاذب نظر لگ رہی تھی۔ چنانچہ جب عالی نے وہ تصویر دیکھی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اُس نے اپنے کئی دوستوں کو بھی وہ تصویر دکھا کر اُن سے مشورہ لیا تو انہوں نے اُسے یہی کہا۔

''یار تُو تو بہت خوش قسمت ہے۔ جو ایک خوشحال گھر کی اتنی خوبصورت لڑکی تمہیں اتنی آسانی سے مل گئی ہے۔ ساری زندگی عیش کرے گا پیارے۔'' اور اپنے دوستوں

کے ایسے کمنٹس سن کر عالی خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ پھر اُس نے ایک دن دوبارہ اماں، ابا اور صباحت کو لڑکی والوں کی طرف بھیجا۔ اُس کے دوست کا ڈرائیور انہیں وہاں لے گیا تھا۔ سدا کے سیدھے سادھے ابا تو لڑکی کے والد کے عہدے اور پوش ایریا میں سجے سجائے شاندار سے گھر کو دیکھ کر ہی مرعوب ہو گئے۔ اور پھر جب کھانے کی ٹیبل پر انواع واقسام کے کھانے سجا دیے گئے۔ تو ابا کو تو مانو کہ گویا قارون کی دولت مل گئی۔ کھانے کے فوراً بعد انہوں نے معمولی شکل کی پستہ قامت نورین کو اپنے پاس بلایا۔ پاس بٹھا کر پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور عالی کے دیے ہوئے دو ہزار روپے لڑکی کے ہاتھ پر رکھ دیے گویا اپنی طرف سے بات پکی کر دی۔

صباحت اور عفیرہ بیگم حیرت سے منہ کھولے بیٹھی رہیں۔ انہیں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نا ملا۔ اگلے دن نورین کے والد، والدہ اور دونوں بھائی ایک پرانی مگر بڑی سی گاڑی میں لدے پھندے آ گئے۔ وہ اپنے ساتھ عالی کے لیے سوٹ، مٹھائی اور دیگر تحائف لے کر آئے تھے۔

عالی کے تو مسرت کے مارے پاؤں ہی زمین پر نہیں پڑ رہے تھے اب اُسے کوئی احساس کمتری نہیں رہا تھا۔ اب وہ فخر سے اپنے دوستوں کو بتا سکتا تھا کہ وہ ڈی آئی جی پولیس کا ہونے والا اکلوتا داماد ہے۔ مختصر سی اُن کی فیملی تھی۔ دو بیٹے تھے اور ایک بیٹی، جس کی بدصورتی کی وجہ سے ابھی تک اُس کا کوئی بھی رشتہ طے نہیں ہو سکا تھا۔ باپ کے عہدے اور فضل ربی یعنی رشوت کے ڈھیروں ڈھیر پیسے کے باوجود جو لوگ بھی رشتے کے لیے آتے تھے۔ لڑکی کو دیکھ کر دوبارہ اِدھر کا رخ نہیں کرتے تھے۔

اب تو عالی کی صورت میں اُن کی بھی لاٹری نکل آئی تھی۔ ایک خوش شکل سول سرونٹ داماد اتنی سہولت کے ساتھ بیٹھے بٹھائے مل گیا تھا۔ جبکہ اُن کی بیٹی تو اُس سے بہت کم تر تھی۔ اور وہ لوگ خود بھی کوئی رئیس نا تھے۔ کس قدر کھاتے پیتے تھے اور اچھے علاقے میں گھر تھا۔ وہ بھی اپنا نہیں تھا۔ بلکہ حکومت نے کرائے پر لے کر انہیں دیا تھا۔ مگر معاشرے میں ایک باوقار مقام تھا۔ اعلیٰ سوسائٹی میں اٹھنا بیٹھنا تھا۔

اکیڈمی میں تربیت کے دوران جب امیر و کبیر گھرانوں کی چشم و چراغ بڑی بڑی گاڑیوں میں گھومتے تھے ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے تھے تو اسے عجیب سی بے کلی محسوس ہوتی تھی۔ اُس کے وہاں چند ایک عام اور معمولی گھروں کے لڑکوں کے علاوہ کوئی بھی خاص دوست نہیں بن سکا تھا۔ اُس کی کمتر مالی حیثیت کی وجہ سے زیادہ تر کورس فیلوز اُسے نظر انداز کرتے تھے۔

اکیڈمی میں جا کر ہی اُسے صحیح معنوں میں دولت اور اونچی حیثیت کی افادیت کا احساس ہوا تھا۔ اپنی محنت اور ذہانت کے بل پر وہ یہاں تک تو پہنچ چکا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ مزید ترقی کے زینے چڑھنے کے لیے اُسے کسی بڑے عہدے دار سے رشتہ استوار کرنا پڑے گا۔ اگرچہ اُس کے ہونے والے سسر پولیس میں ایک اونچے عہدے پر تھے۔ مگر روپے پیسے کے لحاظ سے وہ درمیانے طبقے کے فرد ہی تھے۔ سوائے تنخواہ کے اور کوئی جائیداد بھی نا تھی۔ اوپر کی آمدنی تو تھی، مگر وہ کھلم کھلا خرچ بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ اپنا جو گھر بنا رہے تھے اُسے بھی اپنی ایک بہن کے نام کیا ہوا تھا۔ باقی بینک بیلنس اور پلاٹ وغیرہ بھی رشتہ داروں کے نام پر تھے۔ تاکہ کوئی اُن پر انگلی اٹھا سکے مگر عالی کے لیے یہ بھی غنیمت تھا۔ کیونکہ اتنے سالوں کی کوشش کے بعد کہیں جا کر یہ رشتہ ملا تھا۔ جو اُس کے حسب منشا تھا۔

جلد ہی دھوم دھام سے منگنی کی رسم ادا ہو گئی اور ایک ماہ بعد شادی کی تاریخ بھی طے ہو گئی اور عفیرہ بیگم بیٹے کی خوشی کی خاطر اُس کی شادی کی تیاریاں کرنے لگیں۔

☆......☆......☆

''مس انیلہ آپ یہاں کیسے؟'' انیلہ چھٹی کے وقت آفس کے مین گیٹ سے باہر آئی تو اُسے کسی نے پکارا۔

اُس نے چونک کر دیکھا تو سامنے ہی پارکنگ میں سکندر اپنی بائیک اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر انیلہ کا دل بے طرح دھڑکنے لگا۔ جب سے وہ اُس کے گھر آیا تھا۔ اُس وقت ہی سے وہ اُس کی سوچوں کا محور بن گیا تھا۔ اور وہ عالی اور فواد کو بھول کر سکندر کے سپنے دیکھنے لگی تھی۔ اور آج خلاف توقع وہ اپنی شاندار شخصیت کے ساتھ اُس کے سامنے موجود تھا۔ وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی سکندر کی جانب بڑھی۔

''السلام علیکم! سکندر بھائی، کیسے ہیں آپ؟ اور فروا کیسی ہے؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں اور فروا بھی خوشی خوشی آج کل اپنی شادی کی تیاریوں میں مگن ہے۔ آپ یہاں کیسے آگئیں؟'' سکندر نے کھوجتی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

''میں یہاں جاب کرتی ہوں سکندر بھائی۔'' انیلہ نے جواب دیا۔

''اچھا...... میں تو اکثر ہی یہاں آتا ہوں۔ دراصل اس بلڈنگ کی اوپر والی منزل میں دبئی جانے سے پہلے میں کام کرتا تھا آج اپنے پرانے دوستوں سے ملنے آیا تھا۔ مجھے تو آپ نے نہیں بتایا تھا کہ آپ یہاں کام کرتی ہیں۔''

''دراصل اُس دن آپ لوگ تھوڑی دیر کے لیے تو آئے تھے۔ اس لیے زیادہ بات ہی نا ہو سکی تھی۔''

''ہاں یہ تو ہے۔ آیئے کہیں چل کر چائے پیتے ہیں۔'' سکندر نے آفر کی۔

''نہیں سکندر بھائی پہلے ہی بہت دیر ہوگئی ہے۔ میں اب گھر چلوں گی۔'' انیلہ نے نا چاہتے ہوئے بھی انکار کر دیا۔

''آپ گھر غالباً لوکل پر جاتی ہیں۔ بس ملنے اور گھر پہنچنے میں کم از کم آپ کو دو گھنٹے لگ جاتے ہوں گے اور میں آپ کو اس سے پہلے ہی گھر چھوڑ دوں گا۔''

''نن...... نہیں سکندر بھائی میں آپ کے ساتھ...... ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' انیلہ نے بوکھلا کر کہا۔

''ارے یار میں کون سا تمہیں گھر تک چھوڑنے جاؤں گا۔ تمہارے گھر کے قریب کہیں اتار دوں گا۔ وہاں سے چلی جانا۔'' سکندر نے ایک دم بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ سے تم تک کا سفر طے کر لیا۔

''مگر...... مگر......'' انیلہ ہچکچائی۔

''اوہ...... کم آن یار...... میں تمہاری دوست کا بھائی ہوں۔ شریف آدمی ہوں گھبراؤ نہیں۔ تمہیں اغواء نہیں کرنے جا رہا۔''

''لی...... لیکن...... سکندر بھائی۔'' انیلہ ہنوز گومگو کی کیفیت میں تھی۔

''ایک تو میں تمہاری یہ بھائی بھائی کی رٹ سے تنگ آ گیا ہوں۔ سیدھے سادے سکندر نہیں کہہ سکتیں تم، میں نہیں ہوں تمہارا بھائی وائی۔'' سکندر نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

''پھر...... پھر بھی...... ہی...... سکندر...... بھائی...... او میرا مطلب ہے سکندر اچھا نہیں لگتا اس طرح آپ کے ساتھ کہیں جانا۔ ک...... کوئی جاننے والا دیکھ لے گا۔ تو کیا کہے گا۔''

''عجیب گھامڑ لڑکی ہو یار تم بھی، پڑھی لکھی ہو دفتر میں مردوں کے ساتھ شام تک کام کرتی ہو۔ اور اَن پڑھ گھریلو لڑکیوں کی طرح گھبرا رہی ہو۔ آؤ چلو بھی اب یہاں بھی تو تمہیں میرے ساتھ یہاں کھڑے باتیں کرتے تمہارا کوئی آفس کا ساتھی دیکھ سکتا ہے۔ اور میں تمہیں ساتھ لیے بغیر جانے والا ہوں نہیں، یہیں کھڑا رہوں گا۔ اس لیے سیدھی طرح بیٹھو بائیک پر۔ پورے دس منٹ ضائع کر دیئے تم نے اس تکرار میں۔'' سکندر نے اپنی آستین کو ہٹا کر کلائی پر بندھی نئی چم چماتی راڈو گھڑی پر ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور پھر انیلہ دل و دماغ کی کشمکش سے نجات پا کر بالآخر دل کی بات مان گئی۔ اور جیسے ہی وہ سکندر کی بائیک

کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی۔ اُس نے بائیک اسٹارٹ کردی۔
انیلہ اس بات سے بے خبر تھی کہ تھوڑے فاصلے پر پارکنگ میں سفید مارگلہ میں کوئی شخص بیٹھا نا صرف اُس کی سکندر کے ساتھ ہونے والی بات چیت سن رہا تھا بلکہ اسے بائیک پر بیٹھتے ہوئے بھی دیکھ چکا تھا۔ اور پھر اُس کی نگاہیں اُس وقت تک سرخ ہنڈا سی ڈی 70 کا تعاقب کرتی رہیں جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگی۔

انیلہ ڈری سہمی چادر میں منہ کو چھپائے سکندر کے پیچھے بائیک پر سکڑی سمٹی بیٹھی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ کسی غیر شخص کی موٹر سائیکل پر بیٹھی تھی۔ اس لیے بہت زیادہ گھبرائی ہوئی تھی۔ اُسے یہ خوف تھا کہ کہیں کوئی واقف کار نا دیکھ لے۔ حالانکہ گھر سے اتنی دور مال روڈ پر بھلا اُس کے ابا کا یا کسی اور گھر والے کا واقف کار کہاں ہوسکتا تھا۔ مگر جب انسان پہلے پہل چوری یا غلط کام کرتا ہے تو وہ اسی طرح ڈرتا اور جھجکتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اُس کی جھجک دور ہوجاتی ہے۔

انیلہ تو کچھ زیادہ ہی آئیڈیل پرست اور اچھی زندگی کی دیوانی تھی۔ کچھ شکل وصورت اچھی تھی۔ تھوڑا بہت پڑھ لکھ گئی تھی۔ پھر آفس اور پارلر کی جاب کی وجہ سے آئے روز نت نئے لوگوں سے ملنا ہوتا تھا۔ تو وہ سوچتی تھی کہ اتنے اچھے اچھے لوگ ہیں دنیا میں اتنا پیسہ ہے لوگوں کے پاس پھر اُس کا خاندان ہی کیوں غربت وافلاس کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے لوگوں کے والدین اپنے بچوں کی اتنے پیار سے پرورش کرتے ہیں جبکہ ہمارے ماں باپ ہمیں پیدا کر کے ہی بھول گئے ہیں۔

ایسے گھرانوں کے بچے قدرے نفسیاتی مریض ہوجاتے ہیں انہیں اپنے گھر کے ماحول، گھر کے افراد سے نفرت ہوجاتی ہے اور وہ فرار کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں گھر سے باہر کوئی اُن سے ہنس کر بھی بات کرلے تو وہ اُسے ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیتے ہیں اور اُس کے اشاروں پر ناچنے لگتے ہیں۔ اس میں عشق ومحبت کا کوئی چکر نہیں ہوتا محض نجات حاصل کرنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ اور اپنے بل پر اپنی زندگی سوارنے کا تصور کارفرما ہوتا ہے۔ عالی اور فواد نے جب انیلہ کو ٹھکرا دیا تو پھر بھی اُس نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ سوچتی تھی کہ کوئی تو ہوگا جو اُس کا نجات دہندہ بن کر آئے گا۔ جو اُس سے ملازمت نہیں کروائے گا۔ اُس کے پیسے نہیں چھینے گا۔ اور گھر کی چار دیواری میں اُسے رانی بنا کر رکھے گا اب اُس نے اپنی تمام تمنائیں سکندر کے ساتھ وابستہ کرلی تھیں۔ جو عالی اور فواد کی بہ نسبت خوشحال تھا۔ اور دبئی میں شاہانہ زندگی بسر کرنے کا چانس بھی اُسے مل سکتا تھا۔ اسی لیے وہ تھوڑی سی جھجک کے بعد بڑے آرام سے اُس کے ساتھ بائیک پر بیٹھ گئی تھی۔

سکندر اُسے باغِ جناح میں لے آیا اور وہاں ایک ویران سا گوشہ منتخب کر کے اُسے وہاں بٹھا کر کول کارنر سے ٹھنڈی پیپسی کی دو بوتلیں اور برگر لے آیا اور دونوں برگر کھاتے ہوئے پیپسی اسٹرا سے پینے لگے۔ انیلہ کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اگرچہ شام کا دھندلکا گہرا ہو چکا تھا۔ پھر بھی باغ میں خاصی چہل پہل تھی۔ کچھ لوگ باغ کی سرخ پختہ روشوں پر گھوم رہے تھے۔ کچھ جاگنگ کررہے تھے۔ نوجوان لڑکوں کی ٹولیاں جگہ جگہ خوش گپیوں میں مصروف تھیں لوگ کھا پی رہے تھے۔ ہنس بول رہے تھے، زندگی کو انجوائے کررہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ لوگ ہر قسم کے تفکرات اور مسائل باغ جناح کے گیٹ کے باہر ہی چھوڑ آتے ہیں یوں بے فکری اور لاپرواہی سے سیر کررہے تھے جیسے انہیں اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہ ہو۔ بچوں کے لیے الگ جھولے اور دیگر تفریحات تھیں۔ وہ خوب شور مچا رہے تھے۔ اُن کے والدین اُن کے ساتھ خود بھی بچے بنے ہوئے تھے۔

انیلہ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اُسے آج سے پہلے کبھی کسی بھی باغ یا پارک یا تفریحی مقام پر

آنے کا موقع نہ ملا تھا۔ اگرچہ اسکول والے تفریحی ٹرپ پر بچوں کو لے جاتے تھے۔ مگر ابا نے اُسے کبھی بھی کہیں جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اُس کی زندگی پہلے اسکول سے گھر تک محدود تھی۔ پھر پارلر سے گھر تک اور گھر سے آفس تک تھی۔ لاہور جو زندہ دلوں کا شہر ہے جسے باغوں کا شہر کہتے ہیں مگر اس کے مکینوں کی بڑی تعداد ایسی تھی۔ جن کے مقدر میں صرف تنگ تاریک گلیوں میں واقع چھوٹے چھوٹے ڈربہ نما مکان ہی تھے۔ جنہیں روٹی روزی کے چکر اور دوسرے ہی مسائل سے فرصت نہ تھی کہ وہ اپنی ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے تفریحات کا سوچتے۔

''کیا سوچ رہی ہو انیلہ ڈیئر۔'' سکندر نے کوک کی بوتل ہاتھ میں پکڑے کھوئی کھوئی سی بیٹھی انیلہ کو پُرشوق نگاہوں سے تکتے ہوئے بے تکلفی سے استفسار کیا۔

''آں...... کک...... کچھ نہیں۔'' انیلہ نے چونک کر کہا اور پھر ہاتھ میں پکڑے برگر کے چھوٹے چھوٹے بائٹ لینے لگی۔

''تمہیں پتہ ہے انیلہ میں نے جب تمہیں پہلی مرتبہ اچھی طرح تمہارے گھر میں دیکھا تو پہلی نظر ہی میں تم مجھے اتنی اچھی لگیں کہ میں نے دل میں سوچ لیا کہ یہی لڑکی میرا آئیڈیل ہے۔ اتنی خوبصورت ہو تم کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اللہ نے تمہیں اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔''

سکندر نے انیلہ کے گلابی چھوٹے سے ہاتھ کو اپنے بڑے بڑے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لیتے ہوئے کہا تو انیلہ نے جلدی سے گھبرا کر اپنا ہاتھ اُس کی مضبوط گرفت سے چھڑا لیا۔ اگرچہ فواد بھی اُس سے لمبے چوڑے فلمی ڈائیلاگ بولتا تھا۔ مگر اُسے چھونے کی اُس نے کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی غیر مرد کے لمس کو محسوس کر کے اُس کے پورے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔

''پلیز سکندر بھائی نن...... نہیں سکندر صاحب مم...... میرا ہاتھ اس طرح مت پکڑو۔ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا میں ایک شریف لڑکی ہوں۔'' بالآخر انیلہ نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''میں نے یہ کب کہا کہ تم شریف لڑکی نہیں ہو؟'' سکندر نے لفظ شریف کو ایسے عجیب سے انداز میں ادا کیا کہ انیلہ حیرت سے اُس کی جانب دیکھنے لگی۔

''اِس طرح کیا دیکھ رہی ہو میری جانب، میں نے کچھ غلط کہہ دیا کیا؟''

''نہیں...... دیکھیں نا آج زندگی میں پہلی مرتبہ میں آپ کے ساتھ یہاں اس طرح آئی ہوں وہ بھی آپ نے مجبور کیا ورنہ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔ آفس میں مردوں کے ساتھ کام کرنے کے باوجود میں کبھی کسی سے بے تکلف نہیں ہوئی۔ اپنے کام سے کام رکھتی ہوں۔ اور بس...... آپ مجھے پتہ نہیں کیا سمجھ رہے ہیں۔'' وہ روہانسی سی ہوگئی۔

''ارے...... ارے! اس قدر سیریس کیوں ہو رہی ہو میں بھی کوئی ایسا ویسا لوفر شخص نہیں ہوں تم میری بہن کی دوست ہو۔ اس لیے میرے لیے قابل عزت ہو۔ تمہیں یہاں اس لیے لے کر آیا ہوں کہ کہیں اور دل کی بات کہنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ میں محض ایک ماہ کے لیے دبئی سے آیا ہوں۔ اور میری یہ خواہش ہے کہ فروا کی شادی کے فوراً بعد میں امی ابو سے تمہارے بارے میں بات کرلوں اور بات پکی کر کے ہی واپس جاؤں تاکہ اگلی چھٹی تک ہماری شادی ہوسکے۔'' سکندر نے بڑے پُرخلوص لہجے میں کہا تو انیلہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔

کافی دیر تک سکندر اُسے مستقبل کے سہانے خواب دکھاتا رہا۔ اور انیلہ دل ہی دل میں خوشی سے نہال ہوتی رہی۔ اور اپنے سپنوں کے شہزادے کو پا کر اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتی رہی۔

کافی دیر تک دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے

جس میں زیادہ تر مستقبل کے منصوبے ہی تھے کہ کیسے وہ دبئی میں رہیں گے۔ کہاں کہاں گھومیں پھریں گے پہلی ملاقات ہی میں سکندر نے تمام منصوبہ بندی کر لی تھی۔ اور انیلہ جیسی سیدھی سادھی خوابوں میں رہنے والی لڑکی خود کو بہت اونچی ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اگلے دن کی ملاقات کا وعدہ لے کر سکندر انیلہ کو اُس کے گھر کی گلی کے قریب چھوڑ کر چلا گیا اور وہ خوشی سے سرشار محبت کے نشے میں جھومتی ہوئی گھر کی طرف چل پڑی۔ جس سے اب نجات پانے میں تھوڑا ہی عرصہ تھا۔

☆......☆......☆

سامیہ کا آج فرسٹ پراف کا پہلا پیپر تھا۔ اس لیے وہ خاصی نروس سی تھی۔ صبح پریشانی میں اُس سے ناشتہ بھی نہیں کیا گیا۔ خالہ بی کے مجبور کرنے پر مشکل سے جوس کا ایک گلاس پیا اور باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی اور ڈرائیور نے گاڑی گیٹ سے باہر نکال لی۔ گاڑی تارکول کی چوڑی سڑک پر ٹریفک کے اژدھام میں فراٹے بھرنے کی تگ و دو کرنے لگی۔ جبکہ سامیہ ایک کتاب کھول کر پڑھنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ ساری رات جاگنے کی وجہ سے اُس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ کتاب کے حروف آنکھوں کے سامنے ناچتے محسوس ہو رہے تھے اور اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا پڑھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ رات کو سارا پڑھا ہوا اُسے اپنے ذہن سے مٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''یا اللہ میں پیپر میں کیسے لکھ پاؤں گی جب کہ مجھے تو اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔'' سامیہ نے اپنے چکراتے ہوئے سر کو تھام کر خود کلامی کی۔

''جی...... بی بی جی آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔'' ڈرائیور نے اسٹیئرنگ پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے پیچھے مڑ کر سامیہ سے استفسار کیا تو وہ گھبرا سی گئی۔

''نن...... نہیں غلام علی...... وہ...... وہ دراصل میں اپنی دوست سے سیل فون پر بات کر رہی تھی۔'' سامیہ نے جلدی سے بہانہ بنایا۔

وہ کالج پہنچی تو امتحان کے ہال کے سامنے ہی بنے لان میں اُس کا گروپ بینچوں پر بیٹھا بڑی محویت سے ہونے والے پیپر کی تیاری میں مصروف تھا۔

''ہائے سامی کیسی ہو؟ پیپر کی تیاری کیسی ہے؟'' سامیہ کو دیکھ کر صدف نے استفسار کیا۔

''کچھ نا پوچھو بہت برا حال ہے۔'' سامیہ نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

''کیوں کیا ہوا؟ کیا تم نے پیپر کی تیاری نہیں کی؟'' حرا نے بھی اپنی کتاب پر سے نگاہیں اُٹھا کر حیرت سے پوچھا۔

''بہت تیاری کی ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سر بہت بوجھل ہو رہا ہے۔ سب کچھ ذہن میں گڈمڈ سا ہو گیا ہے۔'' سامیہ نے پژمردگی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں جب پیپر سامنے آ جائے گا تو ذہن کلیئر ہو جائے گا یہ امتحان کے فوبیا کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔'' شہلا نے کہیں پڑھا ہوا فقرہ دہرایا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ میں تو فیل ہونا کسی طرح بھی افورڈ نہیں کر سکتی۔ اور آج تو ویسے بھی اناٹومی کا پیپر ہے۔ جو کہ بے حد اہم ہے۔ اگر یہ اچھا ہو گیا تو سارے پیپر اچھے ہو جائیں گے۔'' سامیہ نے مایوس کن لہجے میں کہا۔

''او کم آن یار تم ہم سب سے زیادہ ذہین اور محنتی ہو اتنی مایوسی ٹھیک نہیں۔ انشاء اللہ تمہارا پیپر بہت اچھا ہو گا۔ میرا مشورہ مانو تو جب تک امتحان چل رہا ہے۔ تم اپنی امی کے پاس شفٹ ہو جاؤ کیونکہ وہاں تمہیں کوئی ڈسٹربنس بھی نہیں ہو گی اور تم سکون اور یکسوئی سے اسٹڈی کر سکو گی۔'' حرا نے کہا۔

''اپنی ایسی قسمت کہاں۔ امی تو مجھے دو دن بھی اپنے گھر میں ٹکنے نہیں دیتیں۔ انہیں اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے

کہ کہیں اُن کا لاڈلا دولت مند داماد اُن کی بیٹی کو طلاق ہی نہ دے دے۔'' سامیہ نے سرد آہ بھری۔

''یار تم لوگ کن باتوں میں اُلجھ گئی ہو۔ پندرہ بیس منٹ بعد ہال میں بلا لیا جائے گا۔ جب تک کچھ پڑھ ہی لو۔'' سدا کی پڑھاکو اور کتابی کیڑا سفینہ نے اپنی کتاب پر سے نگاہیں اُٹھا کر کہا۔

''اب کہاں پڑھا جائے گا۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے پہلے کا پڑھا ہوا بھی ذہن سے غائب ہو چکا ہے۔'' شہلا نے اکتائے اکتائے سے انداز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد ہال کا دروازہ کھل گیا اور وہ لوگ اس طرف بڑھ گئیں۔ جیسے تیسے پیپر کر کے سامیہ ہال سے باہر آئی تو اگرچہ وہ کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھی۔ مگر اُس کا پیپر اتنا برا بھی نہیں ہوا تھا۔ جتنا وہ سوچے ہوئے تھی۔ کم از کم اُسے یہ ضرور یقین تھا کہ اگر بہت اچھے نہیں تو برے نمبرز بھی نہیں آئیں گے۔ اب اگلے تین دن تک چھٹی تھی۔ اس لیے وہ آرام سے دوسرے پیپر کی تیاری کر سکتی تھی۔

باقی گروپ کی لڑکیاں بھی باہر آئیں تو وہ لوگ کینٹین کی جانب بڑھ گئیں تاکہ چائے کے ساتھ ساتھ پیپر کو بھی ڈسکس کر سکیں۔

سامیہ گھر کے پورچ میں گاڑی سے اتری تو دو سالہ زرنین گلابی فراک پہنے بھاگی بھاگی اُس کی طرف آئی۔ وہ لان میں ملازمہ کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ اس لیے اُس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے گال گلابی گلابی سے ہو رہے تھے۔ بڑی بڑی براؤن آنکھیں ماں کو دیکھ کر خوشی سے جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔

''ماما...... آپ آ رہی ہیں۔'' اس نے اپنی توتلی زبان میں کہا۔

''کیا مصیبت ہے بھاگو یہاں سے جاؤ آیا کے ساتھ کھیلو۔'' سامیہ نے اُس کے ننھے ننھے بازو غصے سے جھٹکے جن سے وہ اُس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی تھی۔ ماں کے درشت لہجے سے گھبرا کر بچی رونے لگی۔ اس پر آیا نے اُسے اُٹھا کر چمکارنا شروع کر دیا۔ اور سامیہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

امتحانات کے دوران اُس نے اپنے اسٹڈی روم ہی کو اپنا بیڈ روم بنا لیا تھا۔ وہاں صوفہ کم بیڈ ڈال لیا تھا۔ اور وہ وہیں سوتی تھی۔ وہاب نے بھی اُس کی پڑھائی کے خیال سے اُسے آج کل روکنا ٹوکنا چھوڑ دیا تھا۔ اور اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ جانتا تھا کہ امتحان کی ٹینشن اور دوسرے بچے کی پیدائش کے دن قریب آنے کی وجہ سے وہ ویسے ہی چڑچڑی ہو رہی تھی۔ ایسے میں اگر اُسے کچھ کہا جاتا تو وہ آپے سے باہر ہو جاتی تھی۔ اُسے یوں بھی سکون سے پڑھنے کی عادت تھی۔ ذرا سی ڈسٹربنس بھی اُسے اَپ سیٹ کر دیتی تھی۔

اسٹڈی روم میں آ کر وہ بے سدھ ہو کر صوفہ کم بیڈ پر پڑ گئی۔ اور بے سدھ ہو کر سو گئی۔ اور یہ نیند اُس کے لیے بہت ضروری تھی۔ تبھی وہ فریش ہو سکتی تھی۔ اُسے کسی نے جگانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ اس لیے وہ شام تک سوتی رہی۔

مغرب کے بعد وہاب گھر آیا تو لباس تبدیل کر کے لاؤنج میں آ کر بیٹھ گیا۔ ملازمہ اُس کے لیے وہیں چائے لے آئی۔ زرنین ٹی وی پر کارٹون دیکھ رہی تھی۔ باپ کو دیکھا تو آ کر اُس کی گود میں بیٹھ گئی۔

''کیسی ہے ہماری شہزادی!'' وہاب نے اُسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

''پاپا، ماما دندی (گندی)۔'' زرنین نے باپ سے شکایت لگائی۔

''نہیں بیٹے ماما اچھی ہیں۔'' وہاب نے پیار سے کہا۔

''ناہیں (نہیں) پاپا ماما دندی (گندی)۔'' زرنین نے اصرار سے کہا۔

''کیوں کیا کیا ماما نے؟'' وہاب نے اُس کے

پھولے پھولے گلابی گالوں پر پیار کرتے ہوئے پوچھا۔ اب بچی کا ذخیرہ الفاظ اتنا نہیں تھا کہ وہ ماں کے رویے کے بارے میں وضاحت کرتی۔ اس لیے ونڈی ونڈی کی رٹ لگاتی ہوئی جا کر کونے میں پڑے اپنے کھلونوں سے کھیلنے لگی۔

وہاب ریموٹ سے چینل تبدیل کرتے ہوئے چائے کے سپ لینے لگا۔ وہ اس بات سے تو اچھی طرح آگاہ تھا کہ سامیہ نہ تو بچی کو پیار کرتی ہے اور نہ ہی اُسے اپنے قریب آنے دیتی ہے۔ اس لیے بچی بھی ماں کی بجائے خالہ بی! آیا اور باپ سے زیادہ اٹیچڈ تھی۔ اور اُس نے بھی ماں کے لیے کبھی کوئی خاص لگاؤ ظاہر نہیں کیا تھا۔ آج بھی آیا ہی کی غلطی تھی کہ اُس نے جب سامیہ کو گاڑی سے اترتے ہوئے دیکھا تو پتہ نہیں کیا سوچ کر اچھی خاصی بے فکری سے بال کے ساتھ کھیلتی ہوئی بچی سے کہا۔

''زرنین بے بی آپ کی ماما آئی ہیں جاؤ انہیں سلام کرو۔'' اور بچی بھی پتہ نہیں کس موڈ میں تھی کہ کھیل کو چھوڑ چھاڑ سامیہ کی جانب لپکی تھی۔

''اب وہاب نہ آیا سے کچھ پوچھ سکتا تھا۔ نہ ہی خالہ بی سے کہ سامیہ نے ایسا کیا کیا تھا بچی سے جو وہ یوں اُس کی شکایت لگا رہی تھی۔ اس لیے اُس نے سوچا کہ اگر سامیہ کا موڈ اچھا ہوا تو وہ اُس سے ہی پوچھے گا اس بارے میں۔ دراصل وہاب احمد کو ادھیڑ عمری میں اولاد کی خوشی نصیب ہوئی تھی۔ اس لیے، وہ بچی کو بے حد چاہتا تھا اور اُس کی پرورش اور تربیت کے بارے میں بہت محتاط تھا۔ وہ اُس کو ذرا بھی دکھی اور پریشان نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دنیا کی ہر خوشی اور ہر چیز اپنی لاڈلی بچی کے قدموں میں ڈھیر کر دے۔ اُس کے لیے مہنگے سے مہنگے کھلونے لاتا۔ اُسے جب بھی وقت ملتا گھمانے پھرانے لے جاتا۔ اُس کے لیے قیمتی کپڑے خریدتا۔ سامیہ کے ساتھ اگر اُس کا اختلاف رائے ہوتا تھا تو اسی وجہ سے کہ وہ بچی کو بری طرح نظر انداز کرتی تھی۔ آج تک نہ اُس نے اُسے گود میں لیا تھا۔ نہ ہی کبھی اُس کی کسی ضرورت کا خیال رکھا تھا۔ وہ اپنی ہی ذات کے خول میں بند تھی۔ اُس کی زندگی کا محور اُس کی کتابیں، کالج اور سہیلیاں ہی تھیں۔ باقی اُسے نہ شوہر سے غرض تھی۔ نہ گھر داری سے اور نہ ہی بچی سے۔ یہاں تک کہ ہونے والے بچے کے لیے بھی اُس نے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ اُس کے لیے سب کچھ اُس کی ماں اور خالہ بی ہی تیار کر رہی تھیں۔

سامیہ کی اس روش پر وہاب بہت کڑھتا تھا مگر بے بس تھا اُسے کچھ کہنے کا مطلب بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھا۔ اسی لیے وہ یہ سوچ کر خاموش رہتا کہ محض چند برسوں کی بات ہے جیسے ہی اُس کی تعلیم مکمل ہوگی۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی اور یہی وہاب احمد کی بھول تھی۔ جو لڑکی اُسے پسند ہی نہیں کرتی تھی۔ اُس نے اُس کو پہلے دن ہی سے دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ تو وہ کیسے اُس کے من پسند سانچے میں خود کو ڈھال سکتی تھی۔ وہ ایسا کرنا بھی چاہتی تو نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ اپنے ناپسندیدہ شوہر کو ذہنی اذیت میں مبتلا کر کے اُسے عجیب کمینی سی خوشی محسوس ہوتی تھی۔ شاید وہ جان بوجھ کر اُس سے اس بات کا انتقام لے رہی تھی۔ جو اُس نے اُسے زبردستی اپنا کر اُس کی آزادی اور نوعمری کے سنہرے دنوں سے لطف اندوز ہونے کی خواہش چھین لی تھی۔

خوب سو کر جب سامیہ تازہ دم ہوگئی تو پھر وہ اپنے اور وہاب کے مشترکہ بیڈروم میں گئی۔ سی گرین کلر کا لان کا کلیوں والا کرتا سفید تنگ پاجامہ وارڈ روب سے نکالا اور ہلکے ہلکے سروں میں گنگناتی ہوئی باتھ روم میں گھس گئی۔ دیر تک ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے غسل کر کے وہ خود کو بے حد فریش محسوس کر رہی تھی۔ باہر آ کر ڈرائر سے بال ڈرائی کیے اور ہلکا ہلکا میک اپ کر کے بیڈروم سے باہر آ گئی۔ دراصل آج اُن سب فرینڈز نے آؤٹنگ کا پروگرام بنایا تھا۔ تا کہ کچھ دیر گھوم پھر کر پیپر کی تھکان اُتار

سکیں۔ تاکہ اگلے پیپر کے لیے تازہ دم ہو کر تیاری کر سکیں۔ سامنے ہی لاؤنج میں وہاب کو بیٹھے دیکھ کر اُس کا موڈ بگڑ سا گیا۔

''یہ حضرت آج جلدی کیسے ٹپک پڑے۔'' اُس نے ہولے سے خود کلامی کی۔

''آؤ...... آؤ سامی کیا حال ہے؟ خوب آرام کیا آج، اچھا ہے اس طرح فریش ہوگئیں۔ پیپر کیسا ہوا ہے؟'' سامیہ کو دیکھ کر وہاب نے خوش خلقی سے کہا۔

''ٹھیک ہی ہوا ہے۔'' سامیہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کھردرے لہجے میں جواب دیا۔ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وہاب نے کہا۔

''یار یہ اپنی زری بے بی کا موڈ بڑا خراب ہے۔ کچھ روٹھی روٹھی سی ہے۔ بار بار کہہ رہی ہے ماما وندی ماما وندی۔'' وہاب نے ہلکے پھلکے انداز میں قدرے مسکرا کر سامیہ سے استفسار کیا تو اُس کے تو تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ بھڑک کر کہنے لگی۔

''یہ آپ اپنی لاڈلی ہی سے پوچھیے۔ جو اتنی بدتمیز ہے کہ ابھی سے ماں کی شکایتیں لگا رہی ہے۔ بڑی ہو کر پتہ نہیں کیا گل کھلائے گی۔ یہ سب آپ کے بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ ہے۔ جو میری بچی کو بھی میرے خلاف ورغلاتے رہتے ہیں۔''

''سامیہ بیگم تم نے بچی کو اُسے اپنی سمجھا ہی کب ہے۔ کبھی نظر بھر کر تو اُسے دیکھا نہیں۔ تو پھر تم ماں ہونے کا دعویٰ کس برتے پر کر رہی ہو۔ کبھی اُس کی کسی ضرورت کا خیال رکھا ہے تم نے، کبھی اُسے پیار کیا۔ اُسے گود میں اٹھایا۔ تم نے تو اُسے اپنا دودھ تک نہیں پلایا۔ تو پھر وہ تم سے کیسے لگاؤ محسوس کر سکتی ہے۔ بچے تو پیار کے ہوتے ہیں۔ انہیں دھتکارا جائے اُن سے نفرت کی جائے تو وہ جواب میں نفرت ہی دیں گے۔ کیونکہ وہ سیکھنے کی اسٹیج میں ہوتے ہیں۔ جو رویے اُن کے ساتھ اختیار کیے جائیں وہ جواب میں بھی ویسے ہی رویے کا اظہار کرتے ہیں۔

وہاب احمد نے رسان سے کہا۔

''او مائی فٹ، تین تین بندے تو ہیں اس محترمہ کی دیکھ بھال اور ناز برادریوں کے لیے تو پھر میری کیا ضرورت ہے؟ ویسے بھی میرے پاس بے بی سٹنگ کی فرصت نہیں ہے۔ او کے میں ذرا اگلے پیپر کے بارے میں اپنی فرینڈز کے ساتھ ڈسکشن کے لیے جا رہی ہوں۔ دیر سے آؤں گی کھانا بھی باہر ہی کھاؤں گی۔'' یہ کہہ کر وہ وہاب احمد کے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنی اونچی ہیل سے کھٹ کھٹ کرتی کمرے سے نکل گئی کیونکہ باہر عاصمہ اور دوسری فرینڈز گاڑی میں اُس کی منتظر تھیں اور کب سے اُس کے سیل پر مسڈ کالز کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

''امی وہ انکل فخر عالم صاحب کا فون آیا تھا کہ آج رات کا کھانا ہم سب اُن کے گھر کھائیں۔'' عالی نے آفس سے واپس آنے کے بعد کہا۔

''اِس کی بھلا کیا ضرورت تھی ابھی پچھلے ہفتے ہی تو انہوں نے 'ضیافت' میں ہائی ٹی پر بلایا تھا۔'' عفیرہ نے آہستگی سے کہا۔

''اِن بڑے لوگوں کو ایک ہی تو شوق ہوتا ہے دعوتیں کرنے کا، آخر اتنا پیسہ کہیں تو خرچ کرنا ہی ہے نا۔'' عالی نے لاپرواہی سے کہا۔

''یہ بھی خدا کی شان ہے کسی کو اتنا نواز دیتا ہے کہ وہ پیسہ خرچ کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے اور کوئی پیٹ بھر روٹی کو بھی ترستا ہے۔'' عفیرہ بیگم نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

''امی میں تھوڑی دیر ریسٹ کر لوں پھر آپ اور صباحت میرے ساتھ بازار چلیے گا تاکہ رات کی دعوت کے لیے مناسب ملبوسات لے لیں۔'' عالی نے اپنے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

''مگر بیٹا میرے پاس بھی کافی نئے اور اچھے سوٹ ہیں صباحت بھی کپڑے لیتی ہی رہتی ہے۔ پھر کیا

ضرورت ہے فضول خرچی کی۔‘‘عفیرہ بیگم نے رسان سے کہا۔

’’نہیں امی آپ نہیں جانتیں۔ اِن دعوتوں میں لوگ اپنی امارت کا اظہار کرنے ہی تو آتے ہیں ہمارے علاوہ دو تین اور فیملیز بھی مدعو ہیں اور فخر عالم صاحب نے بتایا تھا کہ اس دعوت کا مقصد ہمیں اُن کے ملنے جلنے والوں سے متعارف کروانا ہے۔ ابا کے لیے بھی نیا تھری پیس سوٹ لینا ہے۔ بلکہ آپ اور صباحت اچھی سی جدید فیشن کی جیولری بھی لے لیجیے گا۔‘‘

’’توبہ کرو بیٹا جیولری کیسے خریدیں گے۔ تم نہیں جانتے آج کل سونے کا ریٹ کہاں جا رہا ہے۔‘‘عفیرہ بیگم نے جواب دیا۔

’’ضروری نہیں کہ سونے کی جیولری ہی خریدی جائے آج کل آرٹیفیشل جیولری بھی مناسب ریٹس پر اچھی مل جاتی ہے اور کپڑوں کے ساتھ آرٹیفیشل میچنگ جیولری کا بہت فیشن ہے ہمارے آفس کی خواتین ملازمین اکثر پہنتی ہیں انہیں اچھی بھی لگتی ہے۔‘‘ یہ کہہ کر عالی اپنے کمرے میں گھس گیا۔ اور عفیرہ بیگم صباحت کے کمرے کی جانب چل پڑیں تاکہ اُسے رات کی دعوت کے بارے میں بتا سکیں۔

پارلر سے ہلکا ہلکا پارٹی میک اپ کروا کر نئے اور جدید فیشن کے بوتیک کے ملبوسات، میچنگ جیولری، جوتے اور ہینڈ بیگز کے ساتھ عفیرہ بیگم اور صباحت بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ عالی اور ابا بھی نئے تھری پیس سوٹوں میں بہت جچ رہے تھے۔ کیک اور خوبصورت پھولوں کا بوکے لے کر جب وہ لوگ عالی کے ہونے والے سسرال میں پہنچے تو کافی مہمان آ چکے تھے۔ چونکہ گرمی کا موسم تھا اس لیے بیٹھنے کا انتظام وسیع و عریض لش گرین لان میں ہی کیا گیا تھا۔ مہمان مختلف ٹولیوں میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ باوردی بیرے مہمانوں کو مشروبات سرو کر رہے تھے۔ فخر عالم صاحب اُن کی بیگم شبینہ اور لاڈلی بیٹی عینی نے بڑے تپاک سے عالی اور اُس کے گھر والوں کا استقبال کیا اور بڑے فخر سے انہیں اپنے مہمانوں سے ملوایا۔ عینی جدید تراش کے گلابی رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھی۔ گہرے میک اپ، قیمتی موتیوں کے زیور اور میچنگ ہائی ہیل کے شوز کے باوجود بھی ذرا بھی نہیں جچ رہی تھی۔ بلکہ اُس کی بدصورتی کچھ اور بھی نمایاں ہو رہی تھی۔ ایک تو اُس کا قد بھی خاصا چھوٹا تھا۔ پھر جسم بھی چوڑا چوڑا اور بھدا سا تھا۔ طباق جیسے چہرے پر بڑی آنکھیں ہی نمایاں تھیں۔ اُس کی موٹی بھدی آواز اور غیر تعلیم یافتہ انداز و اطوار اُسے مزید غیر پُرکشش بنا رہے تھے۔

صباحت اور عفیرہ بیگم کو تو وہ ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔ مگر بے چاری بیٹے کی خاطر خون کے گھونٹ پی کر چپ تھیں وہاں کوئی اُن کا جاننے والا تو تھا نہیں۔ اس لیے خاموشی سے ایک طرف بیٹھ رہیں۔ عینی بھی علیک سلیک کے بعد اپنی دو چار اپنے جیسی فرینڈز کے پاس جا کر بیٹھ رہی اور اُن کے ساتھ اونچی آواز میں قہقہے لگا لگا کر ہنسنے لگی۔ اُسے کوئی بھی تمیز نہیں تھی۔ کیونکہ کسی طرح معمولی نمبروں سے میٹرک میں پاس ہو کر کالج تک پہنچ تو گئی تھی، مگر حصولِ علم میں وہ کوری ہی تھی اور فرسٹ ایئر ہی میں فیل ہو کر کالج کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ البتہ باپ نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اُسے بی اے کی جعلی ڈگری دلوا دی تھی۔ ورنہ حقیقت میں تو اُس کا نالج اور مینرز اُسے پرائمری پاس بھی ظاہر نہیں کر رہے تھے۔

زندگی کا زیادہ تر حصہ اُس نے ایک چھوٹے سے پس ماندہ شہر میں گزارا تھا۔ باپ ملازمت کے سلسلے میں کبھی کسی شہر میں رہتا تھا۔ کبھی کسی شہر میں چونکہ اُسے اپنی غریب گھر کی کم پڑھی لکھی معمولی شکل کی بیوی اور بچوں سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ اس لیے وہ انہیں اپنے ساتھ نہیں رکھتا تھا۔ مگر پھر جب اُس کی لاہور میں ٹرانسفر ہو گئی اور اُسے بڑا گھر بھی مل گیا تو پھر مجبوراً بیوی بچوں کو

ساتھ رکھنا پڑا۔ پھر اُن کی پڑھائی کا بھی خیال رکھا۔
کیونکہ دونوں لڑکے میٹرک کے بعد آوارہ گردیوں میں پڑ چکے تھے۔ اس لیے اپنی بڑی بہن کے اصرار پر جو امریکہ میں مقیم تھی۔ اور اُس کا شوہر وہاں بزنس مین تھا۔ فخر عالم نے دونوں بیٹوں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ لاہور لا کر انہیں کالجوں میں داخل کروایا بیٹی کو بھی ایک اچھے کالج میں داخلہ دلوایا۔ مگر چونکہ اُن کی تعلیمی بنیاد مضبوط نہیں ہو سکی تھی۔ اس لیے تینوں بچوں نے پڑھ کر نہ دیا۔ تو پھر باپ نے دونوں بیٹوں کو پرائیویٹ یونیورسٹیوں سے بی سی ایس کی ڈگریاں لے دیں اور انہیں سفارش اور رشوت کے بل بوتے پر ملٹی نیشنل کمپنیوں میں ملازمتیں بھی دلوادیں، ایک تو رشوت کی کمائی بہت تھی۔ پھر بہن بھی باہر سے ڈالرز بھجوا رہی تھی۔
کیونکہ اُسے اپنی دونوں بیٹیوں کا مستقبل بنانا تھا۔ وہاں امریکہ میں تو اُن کے لیے مناسب رشتے مل نہیں سکتے تھے۔ اس لیے اُس نے اپنے بھائی کے بدشکل بگڑے ہوئے بیٹوں ہی کو غنیمت سمجھا۔ اُس کا اپنا بیٹا کوئی تھا نہیں اس نے یہی سوچا تھا کہ اپنی دونوں بیٹیوں کو اپنے بھتیجوں سے بیاہ کر انہیں امریکہ بلوالے گی۔ اور اس طرح وہ اُس کے میاں کے کاروبار میں بھی ہاتھ بٹائیں گے۔
ڈی آئی جی صاحب خود کو خوش قسمت سمجھتے تھے کہ بغیر کسی تگ و دو کے دونوں بیٹوں کے رشتے بھی طے ہو گئے تھے اور معمولی پڑھی لکھی کافی حد تک بدصورت اور عیب دار بیٹی کو ایک شریف گھرانے کے خوبرو انجینئر اور سی ایس پی لڑکے کا رشتہ مل گیا تھا۔ کیا ہوا اگر وہ لوگ غریب اور پسماندہ طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں لڑکے کے خاندان سے غرض نہیں تھی۔ انہیں تو لڑکے کے رینک اور پوزیشن ہی اہم لگی تھی۔ پھر اُن کا اپنا تعلق کونسا کسی دولت مند گھرانے سے تھا۔ وہ خود بھی تو ایک معمولی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کسی طرح تعلیم حاصل کر کے مقابلے کا امتحان پاس کر کے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہو گئے تھے۔
بہن کی شادی ایک محنتی دور پار کے رشتے دار نوجوان سے ہوگئی تھی۔ جو اپنے کچھ دوستوں کی وساطت سے امریکہ چلا گیا۔ کچھ عرصہ چھوٹی موٹی نوکریاں کرنے کے بعد اپنا اسٹور کھول لیا تھا۔ وقت کے ساتھ اُس کا کاروبار پھیل گیا تو بیوی بچوں کو بھی اپنے پاس بلوالیا تھا۔ اور اب وہ دولت میں کھیل رہے تھے۔
ڈی آئی جی صاحب عالی کو مرعوب کرنے کے لیے آئے روز اُس کو گھر والوں سمیت مختلف دعوتوں میں مدعو کرتے رہتے تھے۔ اصل مقصد اُن کا یہ تھا کہ عالی اور اُس کے گھر والے اُن کی بیٹی کی بدصورتی کو نظر انداز کر کے اُن کی دولت اور شان و شوکت کے سحر میں ہی گم ہو جائیں اور ایسا ہی ہوا تھا۔ خاص کر عالی تو بہت خوش تھا۔ اپنے کیریئر کے آغاز ہی میں اتنے بڑے افسر کی بیٹی سے رشتہ ہو جانا اور پھر سسر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز دوستوں سے ملنا وہ اپنے لیے اعزاز سمجھتا تھا۔
آج کی دعوت میں بھی فخر عالم صاحب نے عفیرہ بیگم، مبارک احمد اور صباحت کو رسمی علیک سلیک کے بعد نظر انداز کر دیا تھا اور وہ تینوں ایک طرف چپ چاپ بیٹھے بے تحاشا دولت کے مظاہرے دیکھ دیکھ کر احساس کمتری میں مبتلا ہو رہے تھے۔ جبکہ عالی کو ڈی آئی جی صاحب بڑے فخر سے ہر ایک سے متعارف کروا رہے تھے۔
دعوت میں انواع اقسام کے کھانے تھے۔ سب لوگ خوش گپیوں کے درمیان کھانے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جبکہ عفیرہ بیگم اور صباحت اپنی پلیٹوں میں کھانا لے کر ایک الگ تھلگ ٹیبل پر بیٹھ گئیں۔ مبارک احمد بھی اپنی پلیٹ میں کھانا لے کر اُن کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔
''رات کے دس بج رہے ہیں میرا خیال ہے کہ کھانا کھا کر نکلیں یہاں سے۔ یہ ہلا گلا تو جانے کب تک

رہے۔ ایک بیرا بتا رہا تھا کہ کھانے کے بعد موسیقی کا پروگرام ہے۔ جو رات دو تین بجے تک چلے گا۔ میں تو اتنی دیر تک نہیں ٹھہر سکتا۔ میں تو دیر سے سوؤں تو میرا بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا ہے۔'' مبارک احمد نے بریانی کا چمچ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

'' لیکن ابا جی عالی بھائی تو کسی صورت بھی اتنی جلدی نہیں جائیں گے۔ وہ تو ہر طرح سے اپنے سسرال والوں کو خوش رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' صباحت نے دور کھڑے عالی کو اپنے دونوں ہونے والے سالوں اور اُن کے دوستوں کے ساتھ خوش گپیاں کرتے دیکھ کر کہا۔

'' نہ جانے ویسے بھی جب سے اُسے دولت مند سسرال ملا ہے۔ وہ ہمیں تو کچھ گردانتا ہی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ بھی ہمارے پاس نہیں آیا۔'' عفیرہ بیگم نے ایک سرد آہ بھر کر دلگیر لہجے میں کہا۔

'' چھوڑو عفیرہ بیگم دل چھوٹا نہ کرو۔ رہے گا تو وہ ہمارا ہی بیٹا نہ۔ جتنی مرضی یہ لوگ اُس کی ناز برداریاں کرلیں۔ اُسے ہم سے چھین نہیں سکتے۔'' مبارک احمد نے بظاہر تو عفیرہ بیگم کا دل رکھنے کو کہا۔ مگر اپنے دل کی کیفیت وہ خود ہی جانتے تھے۔ پہلی مرتبہ انہیں انیلہ کو ٹھکرا کر اس جھوٹی شان بان والے لوگوں سے ناطہ جوڑنے کا افسوس ہو رہا تھا۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت......

کھانے سے فارغ ہو کر مبارک احمد نے عالی کے پاس جا کر کہا۔

'' عالی بیٹے تمہاری ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس لیے اب گھر چلو۔''

'' ابا میں اس بھری محفل کو چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں۔ اچھا میں انکل فخر عالم کے ڈرائیور سے کہتا ہوں کہ وہ آپ لوگوں کو گھر ڈراپ کر دیں آپ انکل اور آنٹی سے اجازت لے لیں۔ میں ڈرائیور کو بلواتا ہوں۔''

چنانچہ عفیرہ بیگم کی طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر مبارک احمد بیوی اور بیٹی کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ڈرائیور چونکہ کسی اور مہمان کو چھوڑنے گیا تھا۔ اس لیے ان لوگوں نے بہتر یہی سمجھا کہ مزید کسی کو زحمت دینے کی بجائے ٹیکسی یا رکشے میں چلے جائیں۔ چنانچہ عالی کے سسر اور ساس سے الوداعی سلام کر کے وہ گھر سے باہر نکل آئے اور کچھ آگے جا کر انہیں رکشہ مل گیا اور وہ یوں آرام سے گھر پہنچ گئے۔

عالی رات کو گھر نہیں آیا تھا۔ سسرال ہی میں رات کو رہ گیا تھا۔ دوسرے دن وہیں سے آفس چلا گیا اور پھر شام کو آفس سے واپسی ہی پر گھر آیا تھا۔ اور واپس آ کر بھی ماں سے رسمی سی سلام دعا کے بعد سیدھا اپنے کمرے میں گھس گیا تھا۔ اس کے بعد عالی نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ جب بھی اُس کے سسرال میں کوئی فنکشن یا پارٹی ہوتی تو وہ اکیلا ہی چلا جاتا تھا۔ ماں باپ اور بہن کو نہیں لے جاتا تھا۔ اُن لوگوں کو بھی جانے کی کوئی خاص خواہش نہ تھی۔ اپنی شادی کی تیاریاں بھی وہ عینی اور سسرال والوں کے مشورے ہی سے کر رہا تھا۔ اُن کی مرضی اور پسند سے کپڑے اور زیورات لے رہا تھا۔ ماں بہن کو جھوٹے منہ بھی شاپنگ کے لیے جانے کو نہ کہتا تھا۔

عفیرہ بیگم دبے لفظوں میں کچھ کہتیں تو صاف کہتا۔

'' امی آپ جانتی ہیں کہ عینی بڑے گھر کی لاڈلی بیٹی ہے۔ اُس کی پسند اور مرضی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں اُس نے ہی استعمال کرنی ہیں۔ آپ کو کیا پتہ کہ امیر طبقے کی لڑکیاں کیسے ملبوسات اور جیولری پسند کرتی ہیں۔'' جواب میں ماں بے چاری اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی۔ صباحت نے کالج میں کبھی اپنی فرینڈز سے ذکر نہیں کیا تھا کہ اُس کے بھائی کی شادی ہو رہی ہے۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اُس کے بھائی نے کب اُسے اپنی فرینڈز کو شادی پر مدعو کرنے کی اجازت دینی ہے۔ اُسے تو اب ہر بات میں اپنے گھر والوں میں پسماندگی اور جہالت ہی نظر آتی تھی۔ سسرال والوں کے

اسٹیٹس اور اعلیٰ سوسائٹی کے گن گاتے اُس کی زبان ہی نہ تھکتی تھی۔ اُسے نہ اپنی ہونے والی بیوی میں کوئی عیب نظر آتا تھا۔ نہ سالوں کی جہالت اور بدصورتی سے کوئی غرض تھی۔ اس کے نزدیک تو دنیا اُن لوگوں سے شروع ہوتی تھی اور اُن لوگوں ہی پر ختم ہو جاتی تھی۔ اپنے والدین اور بہن سے تو اُسے کوئی غرض ہی نہ رہی تھی۔ بھائی تو پہلے ہی دیارِ غیر میں تھا۔ اُسے تو کسی نے یہ بھی بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ اُس کے بھائی کی شادی ہونے جارہی ہے۔ وہ تو اسی بات پر خوش تھا کہ اُس کے بھائی نے اُسے کسی طرح باہر بھجوا دیا تھا۔ اس طرح کم از کم وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ اپنے والدین کی مدد کر سکے اور انہیں عالی کی محتاجی سے نجات دلا دے۔

یہ مسئلہ صرف عفیرہ بیگم ہی کا نہ تھا۔ زیادہ تر نچلے متوسط طبقے اور متوسط طبقے کے ہر اُن والدین کو ایسی ہی اذیت ناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو کسی طرح پیٹ پر پتھر باندھ کر اپنے ایک آدھ ذہن بیٹے کو اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں تو بیٹا کامیاب ہو کر بجائے اس کے اپنے خاندان کا سہارا بنے انہیں غربت افلاس کی چکی میں پسنے کی بجائے ایک آسودہ اور پُرسکون زندگی گزارنے کے موقع فراہم کرے۔ انہیں بیچ منجدھار میں چھوڑ کر کسی بھی قدرے دولت مند گھرانے کی معمولی سی اور بد دماغ بیٹی کو اپنا کر اپنی دنیا الگ بسا لیتا ہے اور اپنے غریب خاندان سے رسمی سا تعلق واسطہ بھی رکھنا گوارا نہیں کرتا۔

ایسی باتیں پہلے مبارک احمد اور عفیرہ بیگم دوسروں سے سنتے تھے۔ اور اب اُن کا اپنا لاڈلا بیٹا بھی اُسی راستے پر چل پڑا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں سے اپنی دنیا لٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ مگر بے بس اور مجبور تھے خود سر اور خود پرست اور روپے پیسے کے پجاری بیٹے کو کچھ کہنے سننے اور سمجھانے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ ابھی تو معمولی سا بھرم قائم تھا کہ اُس نے انہیں اپنے گھر میں رکھا ہوا تھا۔ اُن کی عزت کرتا تھا۔ اور جھوٹے منہ ہی سہی اُن سے تھوڑا بہت صلاح مشورہ کر لیتا تھا۔ اگر وہ یہ بھی نہ کرتا تو وہ اُس کا کیا بگاڑ لیتے۔ اس لیے چپ چاپ خاموش تماشائی بن کر رہ گئے تھے۔ یہی حال بے چاری بہن کا تھا۔ جسے اپنے بڑے بھائی کی شادی کے اتنے ارمان تھے۔ مگر بھائی تو اس سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا تھا۔ ہر وقت اُسے روک ٹوک کرتا اور اُس پر تنقید کرتا رہتا تھا کہ وہ غلط لہجے میں اُردو بولتی ہے۔ انگلش کے لفظوں کا اُس کا تلفظ صحیح نہیں۔ اُسے لباس پہننے اور اٹھنے بیٹھنے کی تمیز نہیں۔

عالی اپنی منگیتر عینی اور اُس کی الٹرا ماڈرن سہیلیوں کی مثالیں دیتا تھا۔ جو یوں انگلش بولتی تھیں جیسے کہ یہ اُن کی مادری زبان ہو، حالانکہ اُن میں سے کسی نے بھی ایف اے تک نہ کیا تھا۔ مگر گھروں کے ماحول اور لینگویج کورسز اور انگلش میڈیم اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے وہ انگریزی زبان پر عبور حاصل کر چکی تھیں۔ جدید فیشن سیکھ لیے تھے۔ بے باکی اور مغربی تہذیب کے رنگ میں پوری طرح رنگ چکی تھیں، عالی جیسے غریب طبقے میں پرورش پانے والے شخص کے لیے یہی بہت بڑی کامیابی تھی۔

وہ انجانے میں اُن سے دور ہوتا چلا جارہا تھا۔ یہ محض اُس کا احساس کمتری تھا اور اب وہ اپنے والدین اور دیگر عزیز رشتے داروں سے بےزار ہو کر ملتا۔ اپنا ناطہ سسرال والوں سے جوڑنے میں فخر محسوس کرنے لگا۔ وہ اپنے سب ملنے جلنے والوں کو اعتماد سے بتاتا تھا کہ اُس کے سسر اتنے بڑے عہدے دار ہیں۔

اُس نے سوچ لیا تھا کہ شادی کے بعد اپنے گھر والوں کو واپس پرانے محلے میں بھیج دے گا۔ اور خود اپنی نئی نویلی ماڈرن دلہن کے ہمراہ کراچی میں شفٹ ہو جائے گا۔ جہاں اُس کی کچھ عرصے بعد ٹرانسفر ہونے والی تھی۔

☆......☆......☆

''ایکسکیوزمی مس!'' انیلہ اپنے چھوٹے سے کیبن

میں بیٹھی ایک کال اٹینڈ کر رہی تھی کہ ایک بھاری مردانہ آواز اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ اُس نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہی پستہ قد شخص جسے اکثر اُس نے باس کے پاس آتے جاتے دیکھا تھا۔ اُسے اپنی چھوٹی چبھتی ہوئی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

''جی...... جج...... فرمایئے۔'' انیلہ نے کال منقطع کر کے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ مجھے آپ کے باس سے بات کرنی تھی۔''

''تو آپ ریسیپشن پر جایئے نا۔ یہاں تو صرف باہر والی کال ریسیو کی جاتی ہیں یا پھر کال کی جاسکتی ہیں۔ انٹر کام کی سہولت ریسیپشن پر ہے۔'' انیلہ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر کہا۔

''میں جانتا ہوں مگر آپ کے باس آج آفس نہیں آئے اُن کے سیل پر اُن سے رابطہ نہیں ہو رہا۔ شاید وہ گھر پر ہیں اور انہوں نے اپنا سیل فون آف کر رکھا ہے۔ آپ پلیز میری اُن سے گھر کے نمبر پر بات کروادیں۔ میرے پاس اُن کے گھر کا نمبر نہیں ہے۔'' اُس شخص نے اپنی گھمبیر آواز میں کہا۔

''وہ سر......'' اس سے پہلے کہ انیلہ اپنا جملہ مکمل کرتی وہ شخص جلدی سے بولا۔

''سر نہیں میرا نام حارث احمد ہے میں آپ کا باس نہیں ہوں۔ اس لیے مجھے سر کہنے کی ضرورت نہیں۔''

او کے سر آئی مین حارث صاحب! دراصل باس نے منع کر رکھا ہے کہ انہیں اُن کے گھر کے نمبر پر ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ اس لیے پلیز آپ اُن کا سیل نمبر دوبارہ ٹرائی کیجیے۔ ممکن ہے اب انہوں نے آن کر لیا ہو۔'' یہ کہہ کر انیلہ دوسری کال اٹینڈ کرنے لگی۔

''اُس دن آپ موٹر بائیک پر جس لڑکے کے ساتھ جارہی تھیں وہ آپ کا بھائی ہے کیا؟'' حارث احمد نے اپنی چھوٹی چھوٹی سیاہ آنکھوں سے انیلہ کو گھورتے ہوئے استفسار کیا۔

''آپ سے مطلب وہ جو کوئی بھی ہو یہ میرا پرسنل میٹر ہے۔'' انیلہ نے رکھائی سے کہا اور اپنا ہینڈ بیگ اُٹھا کر کیبن سے باہر نکل آئی۔ چونکہ چھٹی کا وقت ہو چکا تھا۔ ریسیپشنسٹ بھی جا چکی تھی۔ اس لیے وہ بھی باتھ روم میں جا کر اپنا میک اپ درست کر کے اور چادر کی بکل مار کر آفس سے باہر آگئی اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی بس اسٹاپ کی جانب چل پڑی۔ تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ سکندر نے اُس کے عین سامنے آکر بائیک روک دی اور وہ اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی بائیک پر سکندر کے پیچھے بیٹھ گئی۔

''کہاں چلیں آج؟'' سکندر نے بائیک کو اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''جہاں مرضی چلو...... مگر ایسی جگہ جانا جہاں میرے گھر والوں یا آفس کے کولیگز میں سے کوئی نا ہو۔'' انیلہ نے قدرے پژمردہ سے لہجے میں کہا۔

''کیا بات ہے، ڈیئر آج کچھ پریشان سی لگ رہی ہو؟'' سکندر نے پوچھا۔

''نا...... نن...... کچھ نہیں بس ذرا تھکان ہوگئی ہے۔ رات کو نیند بھی اچھی طرح نہیں آئی تھی۔'' انیلہ نے حارث احمد کے ساتھ ہونے والی تلخ کلامی کا ذکر سکندر سے کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے بہانہ بنالیا۔

سکندر اُسے فورٹرس اسٹیڈیم لے گیا۔ پارکنگ میں بائیک کھڑی کر کے وہ اُس کے ہمراہ ایک ریستوران کی بیسمنٹ میں بنے فیملی کیبن میں آگیا۔ باہر کی ٹھنڈ کے مقابلے میں کیبن کا ماحول بے حد گرم اور خوشگوار تھا۔ وہ آرام دہ صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گئی۔

''چادر اُتار دو۔ یہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں آئے گا۔'' سکندر نے آدھا چہرہ چادر میں لپیٹے سکڑی سمٹی سی انیلہ سے کہا۔

''نہیں میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ پلیز مجھے اس کے لیے مجبور نہ کرو۔ میں یہاں تک تمہارے ساتھ آگئی ہوں

تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں بالکل ہی الٹرا ماڈرن بن جاؤں۔'' انیلہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

''اوکے یار...... ناراض کیوں ہوتی ہو۔ لگتا ہے آج کچھ زیادہ ہی کام کیا ہے، اس لیے مرچیں چبا رہی ہو، چلو تمہارے لیے اچھی سی چائے منگواتا ہوں۔ ساتھ میرا خیال ہے پیٹیز اور فروٹ کیک اور پیسٹریاں ٹھیک رہیں گی۔ تم نے کچھ اور کھانا ہو تو وہ بھی بتا دو۔'' سکندر نے کیبن کا دروازہ کھول کر ایک بیرے کو بلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں جو تم مناسب سمجھو منگوا لو...... مجھے زیادہ بھوک نہیں۔ میں نے لنچ بریک میں آج فرینڈز کے ساتھ پیزا لیا تھا۔'' انیلہ نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد بیرا پہلے کولڈ ڈرنک لے آیا۔ اس دوران انیلہ نے چہرے پر سے چادر سرکا دی تھی۔ کولڈ ڈرنکس سرو کرتے ہوئے بیرے نے انیلہ کو چونک کر دیکھا۔

''ارے انیلہ باجی آپ؟'' سولہ سترہ سالہ لڑکے نے انیلہ کو پہچان کر کہا تو وہ بری طرح گھبرا گئی۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ کون اُس کا واقف نکل آیا ہے۔ پھر اُسے یاد آیا کہ یہ تو اُس کے بھائی کا دوست اسد ہے۔ جو بچپن میں اکثر اُن کے گھر آیا کرتا تھا۔

''اسد تم یہاں کیسے؟ کیا یہاں جاب کرتے ہو؟'' انیلہ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر پوچھا۔

''نہیں باجی جاب تو نہیں کرتا۔ ابھی تو میں پڑھ رہا ہوں دراصل میرا بڑا بھائی یہاں ویٹر ہے۔ میں کبھی کبھی اُس سے ملنے آ جاتا ہوں۔ تو وہ مصروف ہو تو مجھ سے چھوٹے موٹے کام لیتا رہتا ہے۔'' اسد نے تفصیل سے بتایا۔

''اچھا...... اچھا......'' انیلہ نے کہا اور پھر کچھ سوچ کر پرس کھول کر اُس میں سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اسد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''وہ دراصل آج میں آفس سے نکلی تو راستے میں میری دوست کے بھائی سکندر صاحب مل گئے۔ اور چونکہ انہوں نے مجھ سے فروا کی شادی کے سلسلے میں ضروری پیغام دینا تھا مجھے تو اس لیے ہم یہاں آ گئے اور کوئی بات نہیں ہے پلیز کسی سے ذکر نہ کرنا۔''

''ارے باجی! آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں میں جانتا ہوں اچھی طرح آپ کو، بچپن سے آپ کے گھر میں میرا آنا جانا ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ آپ ایسی ویسی لڑکی نہیں ہیں پھر آپ میرے دوست کی بہن ہیں تو میری بھی بہن ہیں آپ کی عزت مجھے بھی عزیز ہے۔ آپ پیسے رکھیں اپنے پاس، بے فکر ہو جائیں۔ میں کسی کو بھی کچھ نہیں بتاؤں گا۔'' اسد نے خلوص سے کہا۔

انیلہ نے ممنون نگاہوں سے اُس کی جانب دیکھا۔ اگرچہ اُسے یقین تھا کہ اسد بے ضرر سا معصوم سا لڑکا ہے اور وہ جو کہہ رہا ہے اُس پر عمل بھی کرے گا۔ مگر پھر بھی وہ گھبرا سی گئی۔ اس کے لیے کولڈ ڈرنک پینا ہی عذاب ہو رہا تھا۔ تو چائے اور دیگر لوازمات سے انصاف کرنا تو اُس کے لیے کوہ ہمالیہ سر کرنے کے مترادف ہو رہا تھا۔ بڑی مشکل سے زہر مار کرنے کے انداز میں وہ جلدی جلدی سب کچھ نگل رہی تھی تاکہ فوراً یہاں سے نکل جائے۔ اُسے ڈر تھا کہ کوئی اور واقف کار نہ مل جائے۔

''تم انتہائی بے وقوف اور گھامڑ لڑکی ہو۔ بھلا اتنا گھبرانے اور ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب وہ لڑکا کہہ رہا ہے کہ کسی کو نہیں بتائے گا تو اس پر یقین کرو۔ اور آرام سے چائے پیو۔ ابھی گھر جانے میں بہت وقت پڑا ہے۔'' سکندر نے جھنجلا کر کہا۔

''نہیں سکندر...... آپ نہیں جانتے میرے ابا کس قدر غصے والے ہیں اگر انہیں ذرا سی بھنک بھی پڑ گئی کہ میں یوں غیر مردوں کے ساتھ ہوٹلنگ کرتی پھرتی ہوں۔ تو وہ میرے ساتھ ساتھ میری غریب ماں کی بھی کھال اُدھیڑ دیں گے۔ اب بہت ہو گیا آئندہ میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی آپ پلیز مجھ سے فون پر بات

کرلیا کیجیے اور میرے آفس بھی نہیں آنا۔ آج باس کا ایک دوست بھی پوچھ رہا تھا آپ کے بارے میں۔ میری اس قسم کی سرگرمیوں کی اطلاع میرے گھر والوں کو ملی تو وہ میرا گھر سے نکلنا بند کردیں گے۔'' یہ کہہ کرانیلہ نے چادر کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا۔ چہرے کو چادر کے ساتھ لگے ہوئے نقاب سے ڈھانپا تھا اور تیز تیز قدموں سے ریسٹوران سے باہر آ گئی۔ سکندر بھی جلدی سے بل پے کرکے اُس کے پیچھے پیچھے نکل آیا پھر سارا راستہ اُس نے کوئی بات نہیں اور اُسے اُس کے گھر کے قریب ڈراپ کرکے پھولے ہوئے منہ کے ساتھ چلا گیا۔ اُس کی ناراضگی کے احساس سے انیلہ دل مسوس کر رہ گئی۔ مگر وہ مجبور تھی۔ وہ یوں اُس کے ساتھ سیر سپاٹے اور ہوٹلنگ نہیں کرسکتی تھی۔ اگر وہ اس طرح ناراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے مگر میں اپنی عزت داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ انیلہ نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

پھر کئی روز تک سکندر اُس کے آفس نہیں آیا اور انیلہ جو اُس سے روز روز ملنے کی وجہ سے اُس کی عادی سی ہوچکی تھی۔ اور وہ اُسے اچھا بھی لگنے لگا تھا۔ اور وہ سوچے بیٹھی تھی کہ شاید وہ اُس سے شادی کرکے اُس کو اس جنجال پورے سے نجات دلا دے گا۔ مگر اب وہ بھی ناراض ہوگیا۔ مگر جو وہ چاہتا تھا اُسے پورا کرنا بھی انیلہ کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ فون پر بھی بات نہیں کرتا تھا۔ اُس نے اپنا سیل فون بھی بند کررکھا تھا۔ چنانچہ انیلہ بھی اُس سے بات نہیں کرسکتی تھی۔

پھر فروا کی شادی کی تاریخ آ گئی۔ مہندی اور مایوں میں وہ اماں کے ساتھ شامل ہوئی تھی۔ فروا اُس کے آنے پر بہت خوش ہوئی تھی۔ انیلہ نے اپنی چچی کا پیلا مایوں والا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ جو اپنی خوبصورت کڑھائی کی وجہ سے اُس پر بہت جچ رہا تھا۔ ہلکے ہلکے میک اپ اور آرٹیفیشل جیولری نے اُس کے معصوم سے حسن کو اور بھی چار چاند لگا دیے تھے۔ سکندر اُس کو دیکھ کر اپنی تمام ناراضگی بھول گیا تھا اور بہانے بہانے سے اُس سے بات کررہا تھا۔ چونکہ فروا کی گہری دوست ہونے کے ناطے وہ ہر کام میں آگے آگے تھی۔ اس لیے سکندر کو اندر باہر آتے جاتے اُس سے بات کرنے کا موقع مل ہی جاتا تھا۔

''بڑی اچھی لگ رہی ہو۔ اتنا آج دھج کے کس پر بجلیاں گرانے کا ارادہ ہے۔'' سکندر نے انیلہ کو پھولوں کے گجرے پکڑاتے ہوئے جھک کر سرگوشی کی۔

''کوئی نہ کوئی دل والا مل ہی جائے گا۔'' انیلہ نے برجستگی سے شوخ لہجے میں کہا تو جواب میں سکندر نے اُسے کچھ کہنا چاہا مگر اُسی وقت فروا کی امی نے انیلہ کو پکارا۔

''انیلہ بیٹی جلدی سے گجرے لے کر آؤ۔ مہمان آگئے ہیں۔'' تو وہ گجرے اُٹھا کر گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ جہاں فروا کی سسرال کی خواتین اندر داخل ہورہی تھیں۔ لڑکیاں پیلے کپڑے پہنے دو قطاریں بنائے کھڑی تھیں اور انہوں نے ہاتھوں میں پلیٹیں اُٹھا رکھی تھیں۔ جن میں پھولوں کی پتیاں تھیں۔ انیلہ نے گجرے لے کر انیلہ کی امی کے پاس کھڑی ہوگئی۔

وہ ایک ایک گجرا لے کر مہمان خواتین کے گلوں میں ڈال رہی تھیں اور خواتین مسکراتی ہوئی اور قدرے لڑکے والی ہونے کی وجہ سے اتراتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔ جہاں پر قطاروں میں کھڑی لڑکیاں اُن پر گلاب کی مسحور کن خوشبو والے پھولوں کی پتیاں نچھاور کررہی تھیں۔ بڑا خوبصورت منظر تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے سرسوں کے خوش رنگ پھول لہرا لہرا کر موسم بہار کو خوش آمدید کہہ رہے ہوں۔ موسم بھی خاصا خوشگوار تھا۔ فروری کی آخری تاریخیں تھیں اور شدید ٹھنڈ کے بعد موسم بہار کی آمد آمد تھی۔ اُدھر کھیتوں میں بھی سرسوں پھول رہی تھی۔ اور یہاں فروا کی مایوں رسم میں بھی پیلے رنگ کی بہار اتری ہوئی تھی۔

مہمانوں کو لے جا کر چھت پر لگی ہوئی کرسیوں پر

بٹھا دیا گیا۔ چھت کے چاروں طرف پیلی قناتیں لگائی گئی تھیں چونکہ بہار کا موسم تھا۔ اس لیے فضا میں خنکی کے باوجود ایک خوشگواریت سی تھی۔ اس لیے اوپر سے قناتوں کو نہیں ڈھانپا گیا تھا۔ سامنے ہی اسٹیج بنایا گیا تھا اسٹیج پر پیلے اور سرخ رنگ کے پھولوں کی لڑیاں لٹکائی گئی تھیں۔ دلہن کے بیٹھنے کے لیے مسند بھی پیلے رنگ ہی کی بنائی گئی تھی۔ چونکہ یہ خالص خواتین کا فنکشن تھا۔ اس لیے یہاں بھی خواتین ہی تھیں۔ مہمانوں میں جو کچھ مرد حضرات آئے تھے۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا تھا۔

فروا کی نند نے انیلہ اور فروا کی بہنوں کو انیلہ کا مایوں کا سوٹ، چوڑیاں، پھولوں کے گجرے اور ابٹن کے ڈبے دیے۔ اس کے علاوہ مٹھائی کی ٹوکریاں بھی تھیں۔ جو پہلے ہی نیچے کچن میں رکھوا دی گئی تھیں۔

انیلہ اور فروا کی دونوں بہنیں حنا اور وفا جلدی سے فروا کے کمرے میں گئیں۔ اور اُسے تیار کیا۔ پیلے رنگ کے کھلے کلیوں والا کرتا جس پر سبز اور پیلے گوٹے سے پھول بنے ہوئے تھے دوپٹے پر بھی سبز اور پیلے گوٹے کے پھول ٹکے ہوئے تھے اور پیلا ہی چوڑی دار پاجامہ تھا۔ مایوں کا یہ لباس پہن کر فروا گیندے کا پھول ہی لگ رہی تھی۔ پیلا ہی کھسہ تھا۔ زیورات بھی پھولوں ہی کے بنے ہوئے تھے۔ جو کانوں اور گلے میں پہنائے گئے۔ سر پر چھوٹا سا پھولوں کا تاج بنا ہوا تھا۔ دونوں بازوؤں میں بھی کلائیوں کو بھر بھر کر گجرے پہنائے گئے۔

اس دوران فروا کی دو کزنز نوشی اور فریحہ دو پیالوں میں ابٹن لے آئیں اور پھر وہ فروا کو دوپٹہ اُوڑھا کر اوپر لے گئیں اور اسے اسٹیج پہ بٹھا دیا گیا۔ وہاں ایک ٹیبل پر مٹھائی بھی رکھی تھی۔

سب سے پہلے فروا کی ساس جہاں آرا بیگم نے فروا کو مٹھائی کھلائی پھر اُس کے چہرے پر تھوڑا سا انگلی سے ابٹن لگایا ساتھ ساتھ فروا کی سہیلیاں، کزنز اور بہنیں ڈھولک بھی بجا رہی تھیں۔ دو تین چھوٹی بچیاں لہرا لہرا کر ڈانس کر رہی تھیں اور اچھی آواز والی لڑکیاں مایوں کے مخصوص گیت گا رہی تھیں۔

بڑا خوبصورت سماں تھا۔ ہر کوئی خوش تھا۔ فروا کی سہیلیوں خواہش تھی کہ فروا اپنی مٹھائی کا جھوٹا ٹکڑا انہیں کھلائے تاکہ وہ بھی جلدی جلدی دلہن بن سکیں۔ اس عمر کی لڑکیوں کو دلہن بننے کا بہت شوق ہوتا ہے تاکہ اس طرح پذیرائی ملے ۔ ڈھیروں ڈھیر رنگ برنگے خوبصورت کپڑے، جوتے اور زیورات ملیں۔ اس عمر میں شادی کے بعد کے مسائل اور دیگر اُلجھنوں کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ نوعمر ذہن سب اچھا اچھا ہی سوچتے ہیں۔

جب فروا کی سسرالی خواتین باری باری دلہن کو مٹھائی کھلا چکیں اور اُس کے چہرے پر ابٹن لگا لیا۔ تو پھر کھانے کا اعلان کر دیا گیا۔ اور مہمان خواتین کو ساتھ والے گھر کی چھت پر لگائی گئی کھانے کی میزوں کی طرف لے جایا گیا۔ کھانے کے بعد مہمان رخصت ہو گئے۔ تو پھر فروا کی سہیلیوں نے دل کھول کر اپنے ارمان پورے کیے۔ ایک دوسرے کو ڈھیروں ڈھیر ابٹن لگایا گیا۔ فروا سے مٹھائی کے ٹکڑے جھوٹے کروا کر کھائے گئے۔ رات دیر تک گانا اور ڈانس ہوتا رہا۔ اور دن چڑھے سب بے سدھ ہو کر سو گئیں۔

انیلہ کی امی تو رسم کے فوراً بعد گھر چلی گئی تھیں۔ کیونکہ اُس کا بھائی ساتھ ہی آیا تھا۔ اور امی نے گھر جا کر اُس کے ابا کو کھانا بھی دینا تھا البتہ انیلہ کو فروا اور اُس کی امی نے روک لیا تھا۔ ویسے بھی انیلہ نے دفتر سے اگلے دن کی چھٹی لے لی تھی۔ اور فروا نے صغریٰ سے وعدہ کیا تھا کہ صبح وہ امی کے ساتھ انیلہ کو بھیج دے گی۔ صغریٰ بے چاری ڈر رہی تھی کہ صدیق انیلہ کو چھوڑ کر آنے پر اُس کو ذلیل کرے گا۔ مگر جب وہ گھر پہنچی تو اُس نے اطمینان کی سانس لی کہ وہ ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا۔

وہ فجر کی اذانوں کے بعد ہی گھر آیا تھا۔ اور پھر سارا دن سوتا رہا تھا۔ چنانچہ اُسے علم ہی نا ہوا کہ انیلہ رات کو گھر

نہیں آئی تھی۔ انیلہ بہت خوش تھی، اگر چہ سکندر سے اس کی زیادہ بات چیت تو نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ باہر مردوں میں مہمانوں کی مدارت میں مصروف تھا۔ مگر جب بھی گاہے بگاہے اُس سے سامنا ہوتا تو وہ اُس کی تعریف میں کوئی نا کوئی ستائشی جملہ کہہ دیتا۔ موقع ملنے پر شوخ سی جسارت بھی کر لیتا۔ کبھی اُس کے گجروں سے سجے ہوئے ہاتھوں کو ہونٹوں سے لگالیتا۔ تو انیلہ بری طرح لجا جاتی۔ سکندر کی والہانہ نگاہیں اور اُس کے شوخ و شریر جملے اُسے ایک نئی دنیا میں پہنچا دیتے۔

گھر آ کر بھی بظاہر تو وہ بستر پر سوتی بنی ہوئی تھی۔ مگر اُس کے ذہن اور تصورات میں سکندر ہی کے بارے میں فلم سی چل رہی تھی۔ اور وہ خود کو سکندر کی دلہن کے روپ میں دیکھ رہی تھی۔ سکندر اُس کی زندگی میں آنا والا پہلا مرد تھا۔ جسے اُس نے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا۔ عالی اور فواد سے اُسے کوئی جذباتی لگاؤ نہیں تھا۔

اگر چہ سکندر کا گھر بھی شہر کی ایک تنگ و تاریک گلی میں تھا۔ مگر فرق یہ تھا کہ یہ گھر اُس کے گھر کے مقابلے میں قدرے کشادہ تھا، پھر دو منزلہ تھا۔ اس گھر میں صرف سکندر اور اُس کے والدین اور بھائی بہن ہی رہتے تھے۔ انیلہ کی طرح پورا خاندان آباد نہیں تھا۔

سکندر ویسے بھی دبئی میں رہتا تھا۔ وہاں سے اُس کا ارادہ کینیڈا جا کر مستقل آباد ہونے کا تھا۔ اور اُس سے شادی کے بعد انیلہ نے بھی کینیڈا چلے جانا تھا۔ یوں اُس کا ایک ہینڈسم اور دولت مند جیون ساتھی کا سپنا پورا ہو جانا تھا۔ اس لیے تو وہ سکندر کی ہر بات بے چوں و چرا اس مان لیتی تھی۔ فروا اگر چہ اُس کی اچھی دوست تھی مگر اتنی گہری دوستی بھی نا تھی کہ وہ اُس کی شادی کے ہر فنکشن میں یوں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی یہ سب وہ محض سکندر کی خاطر کر رہی تھی۔

اب تو ویسے بھی اُن کی دائمی ملن کی گھڑیاں قریب آ رہی تھیں۔ کیونکہ سکندر نے اُسے کہا تھا کہ فروا کی شادی کے فوراً بعد اُس کے والدین اُس کی شادی کی تیاریاں شروع کر دیں گے۔

اس لیے تو وہ سکندر پر مر مٹی تھی۔ اور اُس کی ہر بات بلاچوں چرا اس مان لیتی تھی۔

مایوں کے تین دن بعد مہندی کا فنکشن بھی روایتی انداز میں منعقد ہوا تھا۔ فروا کے سسرال والے گاتے بجاتے مہندی لے کر آئے تھے۔ انیلہ اور فروا کی کزنز، بہنوں اور دوسری سہیلیوں نے سسرالی رشتے داروں کا استقبال کیا اس مرتبہ تقریب کا اہتمام گھر سے کچھ فاصلے پر ایک شادی ہال میں کیا گیا تھا۔ سبھی لڑکیوں اور خواتین نے سرخ اور سبز رنگ کے خوبصورت جھلملاتے ملبوسات پہن رکھے تھے۔ انیلہ کو سکندر نے سرخ اور سبز رنگ کے کمبی نیشن والا فراک اور چوڑی دار پاجامہ اور میچنگ جیولری اور سنہری کھسہ لے کر دیا تھا۔ ہلکے ہلکے میک اپ اور اس خوبصورت لباس میں وہ جنت سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی۔ اُس نے یہ ساری تیاری فروا کے گھر جا کر کی تھی۔ اُس کا بھائی موٹر بائیک پر اُسے چھوڑ گیا تھا۔

مہندی کے لیے خوبصورتی سے سجے اسٹیج پر زرنگار سجی ہوئی چوکی رکھی تھی۔ جس پر رسم کے لیے فروا کو لا کر بٹھا دیا گیا۔ اس نے سبز اور سرخ سوٹ پر سرخ گوٹے والا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ اُس کا سارا چہرہ دوپٹے میں چھپا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ پر ٹشو پیپر رکھ دیا گیا تھا پہلے سسرال کی سات سہاگنوں نے اُس کے ہاتھ پر تھوڑی سی مہندی لگائی۔ اُس کے سر پر روپے نچھاور کیے گئے۔ پھر باقی سب لڑکیوں اور سہیلیوں نے رسم ادا کی۔ پھر لڑکیوں میں ڈھولک پر گانوں کا مقابلہ شروع ہوا۔ کچھ لڑکیاں ڈانس کر رہی تھیں رات گئے تک یہ تقریب جاری رہی۔ کھانے کے بعد سسرالی رشتے دار رخصت ہو گئے تو پھر فروا کی سہیلیوں اور کزنز نے اپنا ہلا گلا شروع کر دیا۔ اور کہیں دن چڑھے جا کر بھی بے سدھ ہو کر جہاں جگہ ملی سو گئیں۔

☆.......☆.......☆

خدا خدا کر کے سامیہ کے پیپرز ختم ہوئے تو اُس نے سکھ کی سانس لی۔ مگر اب اُسے ایک اور امتحان درپیش تھا۔ اور وہ تھا بچے کی پیدائش جو کہ دو ماہ بعد متوقع تھی۔ امتحان کی تھکان اُتارنے اور بچے کی پیدائش تک آرام کرنے کی غرض سے وہ اپنے والدین کے ہاں منتقل ہوگئی تھی۔

چونکہ اُس کی بہنوں اور بھائی کو کالجوں اور اسکولوں سے چھٹیاں تھیں، اس لیے سامیہ اور ننھی زرنین کے آنے کے بعد اُن کی موج ہوگئی۔ وہ سارا وقت زرنین کے ساتھ کھیلتے رہتے وہ بھی یہاں آکر بہت خوش تھی۔

یہاں نانو تھیں نانا ابو تھے پھر ہانیہ خالہ، سمعیہ خالہ، بیلی خالہ اور چھوٹی سی پیاری سی نوین خالہ جو اُس سے محض آٹھ سال ہی بڑی تھی۔ اور شیراز ماموں تو اُسے صحیح طرح سے اُٹھا بھی نہیں سکتا تھا۔ دبلا پتلا سا آٹھ سالہ شیراز گول مٹول سی پھولے پھولے پنک گالوں والی ڈھائی سالہ بھانجی کو اٹھانے کی کوشش کرتا تو گر پڑتا پھر بھی کسی نا کسی طرح اٹھا ہی لیتا تھا۔ اتنے زیادہ بچے تھے گھر میں کہ زرنین کو کسی بھی لمحے تنہائی کا احساس نا ہوتا۔ وہاب احمد آفس سے واپسی پر ہر روز ہی کچھ گھنٹوں کے لیے آجاتا تھا۔ زرنین اور سامیہ کے چھوٹے بھائی اور بہنوں کو باہر لے جاتا۔ کبھی میک ڈونلڈ کبھی کسی پارک کبھی کے ایف سی اور کبھی چڑیا گھر...... واپسی پر انہیں ڈھیروں ڈھیر کھلونے لے کر دیتا سامیہ کی اُس سے بے رخی ہنوز قائم تھی۔ رسمی سلام دعا کے علاوہ اُن کی آپس میں بہت کم بات چیت ہوتی۔

اُس دن اتوار تھا اور وہاب احمد ہفتے کی رات کو یہاں ہی ٹھہر جاتا تھا۔ موسم خاصا خوشگوار تھا۔ کئی دنوں کی شدید گرمی اور لو کے جھکڑ چلنے کے بعد صبح سے ہی گھنے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ سامیہ فجر کی نماز سے فارغ ہوکر باہر برآمدے میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ دس مرلے کے گھر میں چھوٹا سا لان تھا جس میں خوبصورت سبز گھاس اُگی ہوئی تھی۔ کیاریوں میں پھول لگے تھے جو گرمی کی شدت سے مرجھا سے گئے تھے مگر آج بادلوں اور ٹھنڈی ٹھنڈی نرم ہوا کے جھونکوں سے وہ بھی خوشی سے سرشار ہو رہے تھے۔ گھر کی بیرونی دیوار کے باہر امرود اور جامن کے پیڑوں پر پرندے خوشی سے چہک رہے تھے۔ لیموں کے پودے پر پیلے پیلے لیموں بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ دیوار پر چڑھی عشق پیچاں کی بیل پر کاسنی پھول بھی مسکرا مسکرا کر خوبصورت موسم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ پوری فضا پر ہی عجیب سی ترنگ اور سرشاری کی کیفیت طاری تھی۔

ایسے حسین موسم میں سامیہ بھی لحاتی طور پر اپنی تمام محرومیوں اور دکھوں کو فراموش کر کے عجیب سی توانائی اور مسرت اپنے رگ و پے میں سرایت کرتی محسوس کر رہی تھی۔ وہ اپنے صبیح چہرے کو اپنی کہنی پر ٹکائے دور افق پر نگاہ جمائے انوکھے سپنوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ اچانک ایک کرخت آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اور اُسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے چڑیوں کی خوبصورت مترنم چہکار میں کسی کوئے نے اپنی بدصورت آواز سے زہر گھول دیا ہو۔ فضا کا سارا طلسم درہم برہم ہوگیا۔ جس طرح کسی خوفناک جن کی آمد سے جادو نگری کا سارا حسن بدصورتی اور عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس طرح صبح سویرے کے اس دلکش سمے میں وہاب احمد کی کھردری آواز اپنی ناگوار کرواہٹ سمیت سارا سکون غارت کر گئی۔

سامیہ نے پلکیں اُٹھا کر دیکھا۔ وہاب احمد براؤن گاؤن پہنے اپنی چھوٹی چھوٹی چمکیلی آنکھوں سے والہانہ انداز میں سامیہ کے خوشی سے گلنار گلابی چہرے کو تک رہا تھا۔ اس حسین سماں میں پہاڑی کوئے جیسے بدشکل وہاب احمد کو دیکھ کر سامیہ حقیقت کی دنیا میں لوٹی تو اُس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اور پھر جب اُس کی بھدی آواز اِس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''ہیلو بیگم صاحبہ! صبح صبح آج کیسے جاگ گئیں؟''
ایک تو سامیہ کو لفظ 'بیگم صاحبہ' سے شدید چڑ تھی۔ اُسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی ساٹھ ستر سال کی پختہ عمر کی بھاری بھر کم عورت ہو اوپر سے صبح صبح کے سہانے وقت میں وہاب احمد کی شکل دیکھ کر وہ اور بھی بھنا گئی۔ اس لیے اپنے لہجے میں دنیا بھر کی کڑواہٹ سمو کر بولی۔

''میں تو ہر روز ہی صبح سویرے بیدار ہوتی ہوں۔''
''ڈیر اس خوبصورت موسم میں تو اپنا موڈ ٹھیک کر لو کیا ہر وقت مرچیں چباتی رہتی ہو۔'' وہاب احمد نے چونچال لہجے میں کہا۔
''میں تو ایسی ہی ہوں، مجھ پر کسی موسم ووسم کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ تو شادی سے پہلے سوچنا تھا۔ خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ لے آئیں کوئی موسم کے ساتھ موڈ بدلنے والی، اس طرح آپ بھی خوش رہیں گے اور میری بھی جان چھوٹ جائے گی۔'' سامیہ نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔
''اب تو جیسی ہو اُسی کے ساتھ ہی گزارا کرنا پڑے گا اور تمہاری جان بھی کیسے چھوٹ جائے گی جبکہ ایک اور مہمان آنے والا ہے۔'' وہاب احمد نے مصنوعی سرد آہ بھر کر اُس کے سراپے پر گہری نگاہ ڈال کر کہا۔
''مجھے نئے پرانے مہمانوں کی آمد سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں جب چاہوں گی ان زنجیروں کو توڑ کر آزاد ہو جاؤں گی۔ اور اس سلسلے میں میری راہ میں جو بھی رکاوٹ آئی اُسے میں تہس نہس کر دوں گی۔'' سامیہ نے زہر آلود لہجے میں کہا اور پھر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اور وہاب احمد افسردہ سا سامیہ کی کرسی پر بیٹھ کر دور افق پر نگاہیں جما کر سوچوں کی وادیوں میں غوطہ زن ہو گیا۔
آج سب کا حرا کے گھر میں اکٹھا ہونے کا پروگرام تھا۔ چونکہ سامیہ صبح ناشتے کے بعد ہی گھر سے نکل آئی تھی اس لیے وہ کوئی ڈش بھی نہیں بنوا سکی تھی۔ اس لیے اُس نے سوچا کہ وہ کیک لے جائے گی۔ ویسے بھی آج حرا کی سالگرہ بھی تھی۔
سامیہ اور ہانیہ پارلر پہنچیں تو پارلر بند تھا۔ پہلے تو انیلہ آجاتی تھی اور پارلر کھول کر صفائی وغیرہ کروا لیتی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ دوسری لڑکیاں بھی آجاتی تھیں۔ مگر آج کل چونکہ انیلہ فروا کی شادی کے سلسلے میں مصروف تھی اس لیے وہ نہیں آسکی تھی۔
''انیلہ نہیں آئی آج۔'' سامیہ نے گاڑی سے نکل کر کہا۔
''ہاں وہ بتا رہی تھیں کہ اُن کی دوست کی شادی ہے۔ اس لیے وہ اس سنڈے کو نہیں آئیں گی۔'' ہانیہ نے پارلر کا لاک کھولتے ہوئے کہا۔ اندر آ کر انہوں نے پارلر کا اے سی اور پنکھا آن کیا۔ تھوڑی دیر بعد صفائی والی عورت آ گئی۔ اُس نے صفائی کی اسی دوران پارلر میں کام کرنے اور کام سیکھنے والی چار لڑکیاں آ گئیں۔ چونکہ آج گرمی کی شدت کم تھی۔ اس لیے دن کے وقت بھی کسٹمرز آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ہانیہ اُن لڑکیوں کے ساتھ مل کر کسٹمرز کی ڈیمانڈ پوری کرنے میں لگ گئی۔ جبکہ سامیہ کاؤنٹر کے پیچھے پڑی ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر ایک میگزین کا مطالعہ کرنے لگی۔
دوپہر کو جب کسٹمرز کی آمد رُک گئی تو پارلر کی کارکن لڑکیاں اپنے ساتھ لایا ہوا لنچ کرنے لگیں۔ ہانیہ نے بھی اپنا لنچ بکس کھولا۔ سعدیہ بیگم نے صبح ناشتے کے ساتھ ہی اُس کے لیے چکن برگر اور فرنچ فرائز بنا دیے تھے۔ جوس کے ٹن پارلر میں رکھے چھوٹے سے فریج میں پڑے تھے۔ ہانیہ نے ایک ٹن کھول کر سامیہ کو دیا اور دوسرا اپنے لیے کھول لیا اور دونوں بہنیں فرنچ فرائز کیچپ کے ساتھ کھاتے ہوئے جوس کے سپ لینے لگیں۔
''آپی آپ نے ویسے آج یہاں آ کر اچھا نہیں کیا۔ وہاب بھائی گھر میں تھے۔ وہ کیا سوچیں گے کہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

آپ انہیں وہاں چھوڑ کر آ گئی ہیں۔'' ہانیہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

''جہنم میں جاؤ تم اور تمہارے وہاب بھائی، میری مرضی، جو میں چاہے کروں میں کسی کی پابند نہیں ہوں میری اپنی بھی لائف ہے۔ آج ویسے بھی حرا کی برتھ ڈے ہے۔ تھوڑی دیر بعد شہلا اور صدف مجھے پک کر لیں گی۔'' سامیہ غصے سے پھٹ ہی تو پڑی۔ شکر ہے کہ کارکن لڑکیاں دوسرے کمرے میں تھیں۔

''پلیز آپی ایسے تو نا کہیں مریں آپ کے دشمن میں نے تو ایسے ہی بول دیا تھا۔ اگر آپ کو برا لگا ہے تو آئی ایم سوری۔'' بے چاری ہانیہ ایک دم ہی سے گھبرا گئی تھی۔

''اٹس آل رائٹ اوکے۔'' سامیہ نے بھی نرم لہجے میں کہا۔ اسی وقت پارلر کے دروازے پر ہلکی سی ٹک ٹک ہوئی۔ ہانیہ نے دروازہ کھولا تو سامنے ہی حرا گلابی لانگ شرٹ اور وائٹ ٹراؤزر اور وائٹ ہی دوپٹہ کندھوں پر ڈالے کھڑی تھی۔ اُس کے بوائے کٹ سنہری بال اُسے پر بہت جچ رہے تھے۔

''ہائے حرا آپی کیسی ہیں آپ؟'' ہانیہ نے حرا سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو، کتنی بڑی ہو گئی ہو۔ پورے دو سال بعد دیکھ رہی ہوں تمہیں۔'' حرا نے ہانیہ کے رخسار پر اپنے لپ اسٹک والے ہونٹ ثبت کرتے ہوئے کہا۔

''آنٹی سعدیہ نہیں آئیں آج۔'' حرا نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

''سنڈے کو اکثر اُن کا آف ہوتا ہے۔ اور اُن کی جگہ ہم لوگ آ جاتے ہیں۔ پھر ہماری ایک کزن انیلہ آ جاتی ہے۔

''چلیں پھر......'' حرا نے سامیہ نے کہا۔

''تمہارے ساتھ تو صدف نے بھی آنا تھا۔'' ہانیہ کو خدا حافظ کہہ کر وہ لوگ پارلر سے باہر نکلیں تو سامیہ نے حرا سے استفسار کیا۔

''وہ محترمہ ابھی تیار ہی نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے کہہ رہی تھی کہ پہلے میں تمہیں پک کرلوں۔'' حرا نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ سامیہ اُس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''سامیہ تمہیں اتنی جلدی جلدی بچے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہاری کون سی زیادہ عمر ہوگئی ہے۔ ابھی تمہاری بڑی بیٹی بمشکل ڈھائی سال کی ہے۔'' حرا نے سامنے نگاہیں مرکوز کر کے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔

''تم تو جانتی ہو کہ نا یہ شادی میری مرضی سے ہوئی ہے۔ نا ہی بچے پیدا کرنے میں میری مرضی کو کوئی دخل ہے۔ بس تقدیر کے لکھے کو بھگت رہی ہوں۔'' سامیہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور ہمت سے کام لو...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' حرا نے ٹشو سے سامیہ کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا اور پھر گاڑی صدف کے گھر کی جانب موڑ لی۔ صدف کا گھر لاہور کینٹ میں سرفراز رفیق روڈ پر تھا۔ اُس کے والد آرمی کے ریٹائرڈ میجر تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے کینٹ ہی میں گھر بنا لیا تھا۔ صدف گیٹ ہی پر کھڑی تھی۔ اُس نے سفید لان کا کڑھائی والا کلیوں والا کُرتا' سیاہ ٹراؤزر اور سیاہ اور سفید دھاریوں والا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ ہلکے ہلکے میک اپ میں اُس کا سانولا چہرہ کافی جاذب نظر لگ رہا تھا۔ سامیہ نے گاڑی سے اتر کر اُسے گلے لگایا تو صدف نے گلہ کیا۔

''یار سامی تمہاری تو صورت ہی دیکھنے کو ترس گئے ہیں نا خود ہم سے ملنے آتی ہو۔ نا ہمیں بلاتی ہو چلو سسرال میں نا سہی، کبھی کسی ویک اینڈ پر اپنی امی کے گھر ہی پر گیٹ ٹو گیدر کر لیا کرو۔

''بس کیا بتاؤں؟ چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ تم کیسی ہو؟ ماشاء اللہ بہت فریش ہو رہی ہو، راز کیا ہے؟'' سامیہ

نے صدف کے سراپے کا بھرپور نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا۔
''میں بتاتی ہوں اس چڑیل کی فریشنس کا راز، پہلے تم لوگ گاڑی میں تو بیٹھو۔'' حرا نے شوخی سے کہا۔
''ہاں تو بولو اب کیا ہے اس میڈم کی فریشنس کا راز؟'' سامیہ نے حرا کے برابر بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔ اس اثناء میں صدف جو پچھلی سیٹ پر براجمان ہو چکی تھی۔ اُس نے بیک ویو مرر میں حرا کو گھورا اور اُس کے کندھے پر اپنا بیگ ہولے سے مارا۔
''یار دوستوں سے کیا چھپانا؟ سامی کوئی غیر تو نہیں۔'' حرا نے شرارتی لہجے میں کہا۔
''وہ بس یونیورسٹی میں ہمارا ایک کلاس فیلو ہے۔ جہاں زیب اُس نے ایک دو مرتبہ لائبریری میں مجھ سے نوٹس مانگ لیے اور ایک امپورٹنٹ ٹاپک کیا ڈسکس کر لیا۔ اس حرا اور اُس کی چنڈال چوکڑی کو موقع مل گیا بے پرکی اُڑانے کی۔'' صدف نے ایک ہی سانس میں بات مکمل کر لی۔
''اچھا بس اتنی سی بات ہے اور وہ جو فون نمبرز کے تبادلے ہوئے اور ہر وقت ایس ایم ایس کیے جا رہے ہیں رات کو لیٹ نائٹ مفت کے پیکیج سے لمبی لمبی باتیں ہوتی ہیں۔ موصوف کے نیٹ ورک کی سم بھی لے لی گئی ہے۔ دوست بات کرنے کو ترس جاتی ہیں اور محترمہ سیم تبدیل کر کے اُن صاحب سے راز و نیاز میں مصروف ہوتی ہیں۔'' حرا نے ترکی بہ ترکی کہا۔
''حرا اگر دنوں ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہیں تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے نا کہ ہماری ایک اتنی پیاری دوست کو اپنا پسندیدہ جیون ساتھی مل جائے۔
''ارے یار مجھے اعتراض ان لوگوں کے ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہونے سے نہیں۔ چڑ مجھے اس محترمہ کے اس قدر رازداری برتنے پر ہے۔ بھئی کوئی بات ہے تو کم از کم مجھے تو بتائے تاکہ میں نیا کو پار لگانے میں اس کی مدد کر سکوں۔'' حرا نے قدرے غصے سے کہا۔
''ہاں صدف ڈیئر اگر کوئی ایسی بات ہے تو تمہیں اپنی قریبی فرینڈز کو اس سلسلے میں اعتماد میں لینا چاہیے۔'' سامیہ نے بھی رساں سے کہا۔
''یقین کرو سامی ایسی ابھی کوئی بھی بات نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہم دونوں اکثر ایک دوسرے سے فون پر بات کرتے رہتے ہیں ایس ایم ایس کا تبادلہ بھی ہوتا ہے۔ مگر ہماری بات چیت عام سے موضوعات پر ہوتی ہے۔ بس وہ ایک کلاس فیلو اور مخلص دوست ہے اور بس، ویسے بھی وہ اس قدر اونچا لمبا گورا چٹا کشمیری ہے اُس کے خاندان والے اُس کی شادی اُس جیسی خوبصورت امیر و کبیر کاروباری خاندان کی کشمیری لڑکی سے ہی کریں گے مجھ سانولی سلونی متوسط گھر کی لڑکی تو کبھی بھی اُن لوگوں کی نگاہِ انتخاب میں نہیں آ سکتی۔ اس لیے جھوٹے سپنے دیکھنے سے حاصل۔'' صدف نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔
''مگر کلو ڈیئر یہ تو تم جانتی ہو نا کہ عشق نا پوچھے ذات لیلیٰ بھی تو کالی تھی۔ تم تو پھر سانولی ہو، کلو تو میں تمہیں پیار سے کہتی ہوں۔'' حرا نے محبت سے کہا تو جواب میں صدف کا مکا اُس کی کمر پر پڑا۔
''کیا کر رہی ہو ڈرائیو کر رہی ہوں۔ شکر کرو سڑک سنسان ہے ورنہ گاڑی ٹکرا جاتی تھی کسی سے۔'' حرا نے بیک ویو مرر میں صدف کو گھورتے ہوئے کہا۔ اس قسم کی باتوں ہی میں راستہ تمام ہوا۔ سامیہ بہت اچھا محسوس کر رہی تھی۔ آج اتنے دنوں بعد وہ ریلیکس فیل کر رہی تھی۔
''اے میڈم اُترو گاڑی سے کیا سوچے جا رہی ہو۔'' اپنے گھر کے گیراج میں گاڑی پارک کر کے حرا نے سوچوں کی وادیوں میں بھٹکتی ہوئی سامیہ سے کہا تو وہ چونک پڑی۔ یہ تینوں لاؤنج میں اس طرح داخل ہوئیں

کہ آگے حرا تھی۔ اس کے پیچھے اپنے جسم کو دوپٹے میں لپیٹے سامیہ اور سامیہ کے پیچھے صدف، سامنے ہی لاؤنج میں صوفے پر ایک انتہائی ہینڈسم نوجوان بیٹھا ریموٹ ہاتھ میں پکڑے ٹی وی پر چینلز سرچ کر رہا تھا۔ ان تینوں کو اندر آتے دیکھ کر وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''ارے عدیل بھائی آپ کب آئے؟'' حرا نے اُس کے قریب جا کر پوچھا۔

''ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی ہے ایاز کہیں باہر نکلا ہوا ہے اُس کا انتظار کر رہا ہوں۔ آنٹی مجھے یہاں بٹھا کر خود کچن میں چلی گئی ہیں۔'' عدیل نے اپنی خوبصورت نیلی نگاہیں سامیہ کے حسین چہرے پر مرکوز کر کے کہا۔

''عدیل بھائی یہ میری فرینڈز سامیہ اور صدف ہیں۔ صدف میرے ساتھ ہی یونیورسٹی میں ایل ایل بی کر رہی ہے۔ جبکہ سامیہ آپ کی کولیگ بننے جا رہی ہے۔ میرا مطلب ہے میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہے اور فرینڈز یہ عدیل بھائی ہیں، ایاز بھائی کے بچپن کے دوست۔'' حرا نے تفصیلی تعارف کروایا۔ تو رسمی ہیلو ہائے کرنے کے بعد سامیہ اور صدف آنٹی سے ملنے کے لیے کچن میں چلی گئیں اور عدیل خان دوبارہ صوفے پر بیٹھ کر ریموٹ سے کھیلنے لگا۔ مگر اُس کی سوچوں کا مرکز کھوئی کھوئی سی گلابی گڑیا جیسی سامیہ ہی تھی۔

دوسری طرف سامیہ نے بھی عدیل خان کی نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کر کے ایک نظر اُس کے سرخ و سپید چہرے، چھ فٹ سے نکلتے ہوئے قد اور سنہری مائل براؤن بالوں پر ڈالی تو اُس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ایسا مرد ملا تھا۔ جس نے اُس پر ستائشی نگاہیں ڈالی تھیں۔ اور وہ پہلی نظر میں ہی اُس کی اسیر ہو گئی تھی۔ آنٹی سے ملنے کے بعد سامیہ اور صدف حرا کے کمرے میں آ گئیں۔ کمرے میں شہلا، ماریہ، سارہ، جویریہ اور حرا کی دو تین یونیورسٹی فرینڈز اور اُس کی دونوں بہنیں کارپٹ پر اور بیڈ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں۔ کمرے میں فل والیوم سے ڈیک چل رہا تھا۔ جس پر سالگرہ کے روایتی گانے چل رہے تھے۔ ساتھ ہی ساری لڑکیاں بھی اپنی بے سری آوازوں میں تانیں اُڑا رہی تھیں۔ ان لوگوں کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر سب اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ سبھی بڑے تپاک اور پیار سے سامیہ سے ملیں۔ سامیہ نے شہلا کو منگنی کی مبارکباد دی اور منگنی میں انوائٹ نا کرنے پر شکوہ بھی کیا۔ اس پر شہلا نے معذرت کی کہ اُس کے پاس اُس کا کانٹیکٹ نمبر مس ہو گیا تھا۔

''چلو کوئی بات نہیں اب شادی میں بلانا نا بھولنا۔'' سامیہ نے مسکرا کر شہلا سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں ضرور تم سب سے پہلے۔'' شہلا نے بھی مسکرا کر کہا۔

''ویسے ہیں کیسے وہ موصوف؟ کیا کرتے ہیں۔'' سامیہ نے بیڈ پر تکیوں کے سہارے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک ہی ہیں نا بہت ہینڈسم نا بہت معمولی صورت۔ ایاز بھائی کے ساتھ ہی ایم بی اے کیا ہے۔ اور آج کل امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس میں اپنے والد کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔'' شہلا نے سامیہ کے پاس بیٹھ کر کہا۔

''ارے ہاں وہ اپنی ذویا کی بھی منگنی ہو گئی ہے۔'' سامیہ نے کہا۔

''ہاں وہ صاحب حرا کے کزن ہیں۔ ٹیکسٹائل انجینئر ہیں اور اُن کی ٹیکسٹائل کی فیکٹری ہے۔'' شہلا نے جواب دیا۔

پھر وہ لوگ دیر تک آپس میں باتیں کرتی رہیں۔ تھوڑی دیر بعد کمرے ہی میں کھانا لگا دیا گیا۔ کھانا بہت مزے دار تھا۔ حرا کی امی نے کوکنگ کے کئی کورسز کر رکھے تھے۔ اور اُن کی نگرانی میں اُن کا پرانا کک رمضان بابا بہت مہارت سے ہر قسم کا کھانا بنا لیتا تھا۔ اس وقت بھی اُس نے کئی ڈشز تیار کی تھیں۔ کھانے کے بعد کئی قسم کی سویٹ ڈشز تھیں۔ سب لڑکیوں نے خوب سیر ہو کر

مزے مزے کی باتوں اور چھیڑ چھاڑ کے دوران کھانا کھایا کھانے کے بعد دیر تک باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔

شام میں کیک کاٹا جانا تھا، حرا ہلکے نیلے خوبصورت بریزہ کے سوٹ میں نازک سی گڑیا لگ رہی تھی۔ اُس نے اپنی سہیلیوں کے جلو میں کیک کاٹا۔ سب نے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو کورس کے انداز میں گاتا، سامیہ ایک طرف صوفے پر صدف کے ساتھ بیٹھی تھی۔ صدف اُس کے لیے کولڈ ڈرنک اور کیک لے کر آئی اور دونوں کیک کھاتے ہوئے باتیں کرنے لگیں۔ عدیل خاں کی نگاہ سامیہ پر پڑی تو وہ بھی اپنی پلیٹ پکڑے اُن کے پاس ہی آ کر بیٹھ گیا۔ ایک بیرے نے اُسے کولڈ ڈرنک سرو کی۔ تو اُس نے شکریہ کہہ کر گلاس اُٹھالیا۔

''آپ میڈیکل کے کس ایئر میں ہیں؟'' عدیل خاں نے سامیہ سے استفسار کیا۔

''جی فرسٹ پروف کا ایگزام ابھی دیا ہے۔'' سامیہ نے نگاہیں جھکا کر جواب دیا۔

''اسپیشلائزیشن کس فیلڈ میں کرنے کا ارادہ ہے؟'' عدیل خان نے پوچھا۔

''ابھی تو اس سلسلے میں کچھ نہیں سوچا۔'' سامیہ نے جواب دیا۔

''ہوں......'' عدیل خان نے ہنکارا بھرا۔

''آپ میڈیکل اسپیشلسٹ بننے کے بعد یہیں پریکٹس کریں گے یا پھر بیرون ملک مزید تعلیم حاصل کریں گے۔'' سامیہ نے عدیل خان سے پوچھا۔

''ارادہ تو ہے کہ امریکہ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے جاؤں بس گھر والوں کو رضامند کرنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ تو کہہ رہے ہیں کہ بس بہت ہو گیا یہ پڑھائی بس اب اپنے علاقے میں واپس آ کر وہاں پر ہی اپنا ہاسپٹل کھولوں۔''

''آپ کا تعلق کس علاقے سے ہے؟''

''وانا سے۔''

''یہ غالباً قبائلی علاقہ ہے؟'' صدف نے پوچھا۔

''بالکل۔'' عدیل خان نے جواب دیا۔

''وہاں کی رسوم اور رواج تو بہت سخت قسم کے ہیں۔'' صدف نے کہا۔

''ہاں وہ تو ہے مگر مجھے اُن کا زیادہ سامنا نہیں کرنا پڑا کہ میں بچپن ہی سے اپنے علاقے سے باہر رہا ہوں۔ اسی وقت اُسے ایاز خان حرا کے بڑے بھائی نے پکارا تو وہ اُس کی طرف اُٹھ کر چلا گیا۔ اور سامیہ بڑی حسرت سے اس کے کسرتی جسم کو دیکھنے لگی۔

''یہ ہیرو ٹائپ شخص جانے کس خوش نصیب لڑکی کا نصیب ہوگا۔'' اُس کے جانے کے بعد سامیہ نے دلگرفتہ لہجے میں صدف سے کہا۔

''یہ تمہارا بھی نصیب ہوسکتا تھا۔ اگر تمہاری پہلے سے بکنگ نا ہو چکی ہوتی۔ ویسے جس وارفتگی سے وہ تمہیں دیکھ رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ تمہارے آگے اپنا دل ہار چکا ہے۔ بے چارے کو علم ہی نہیں کہ محترمہ نا صرف شادی شدہ ہے۔ بلکہ دوسرے بچے کو جنم دینے جا رہی ہے۔'' صدف نے مزاحیہ لہجے میں کہا تو سامیہ بھی مسکرا دی۔

کیک کاٹنے کی رسم ادا کرنے کے بعد سارے مہمان خوبصورت لش گرین لان میں آ گئے۔ جہاں اسٹیج بنایا گیا تھا اور مہمانوں کے لیے ٹیبل اور کرسیاں لگائی گئی تھیں۔ ایاز خان کے دوستوں کے گروپ پر مشتمل میوزک بینڈ نے موسیقی کا پروگرام ترتیب دیا ہوا تھا۔ مہمانوں کے اپنی اپنی سیٹوں پر براجمان ہوتے ہی فضاؤں میں موسیقی کے سُر بکھرنے لگے۔ سامیہ اور اُس کی فرینڈز اگلی نشستوں پر بیٹھی ہوئی میوزک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ اگرچہ سامیہ کو خاصی تھکان محسوس ہو رہی تھی۔ مگر پروگرام اس قدر شاندار تھا کہ وہ اپنے اوپر ضبط کیے بیٹھی رہی۔

رات گئے یہ خوبصورت محفل اختتام پذیر ہوئی تو سامیہ ایک خوشگوار دن کی یادیں دل میں بسائے سب

دوستوں اور حرا کے گھر والوں کو الوداع کہہ کر گھر لوٹ آئی۔ حرا اور اس کا بھائی اُسے گھر چھوڑ گئے تھے۔

سامیہ گھر پہنچی تو ایک اور قیامت اُس کی منتظر تھی۔ امی نے اُسے سخت الفاظ میں سرزنش کی کہ اُس نے وہاب احمد کے ساتھ صبح صبح بدتمیزی کی تھی۔ جس پر وہ شدید ناراض ہوکر بغیر ناشتہ کیے زرنین کو لے کر چلا گیا اور جاتے جاتے کہہ گیا کہ اب وہ نا سامیہ کو لینے آئے گا۔ نا ہی اُسے منائے گا۔ اُس کی مرضی آنا چاہیے تو آجائے اُس کے گھر کے دروازے اُس کے لیے کھلے ہیں۔

''ہوں جہنم میں جائے گھٹیا آدمی...... مجھے کوئی پرواہ نہیں اچھا ہے۔ روز روز کی چخ چخ سے جان چھوٹے۔ اور مجھے کوئی شوق نہیں ہے کہ وہ مجھے لینے آئے یا مجھے منائے، میں لعنت بھیجتی ہوں اُس پر۔'' سامیہ نے چیخ کر کہا۔

''کس طرح بات کر رہی ہو۔ تم وہ تمہارا شوہر ہے۔ تمہارے بچوں کا باپ ہے۔ تم اُس کی بیوی ہو۔ زندگی تو تم نے اُس کے ساتھ ہی گزارنی ہے۔'' سعدیہ بیگم نے سامیہ کو سمجھانا چاہا۔

''آپ بھی نا امی...... آپ ہی نے مجھے پاپا کے ساتھ مل کر اُس دوزخ میں دھکیلا تھا۔ اور آپ ہی بار بار مجھے مجبور کر کے اُس شخص کے گھر میں زبردستی بھیج دیتی ہیں، حالانکہ میں اُس بدماغ آدمی کے ساتھ ایک پل بھی رہنا گوارا نہیں کرتی...... مگر میری اپنی ماں ہی کو میرا خیال نہیں تو اور میں کس سے گلہ کروں...... میں......'' اور پھر اُس کی آواز لڑکھڑا سی گئی اور پاس پڑے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

''ہائے...... امی...... امی...... میری طبیعت...... بگڑ رہی ہے۔ ہائے امی پلیز کچھ کریں۔ ہاسپٹل...... ہاسپٹل ہاں مجھے ہاسپٹل لے کے چلیں۔'' سامیہ نے لرزتی آواز میں یہ الفاظ ادا کیے اور پھر وہ صوفے پر بے ہوش ہوکر لڑھک گئی۔

سعدیہ بیگم کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

اعظم صاحب نے جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کی۔ سعدیہ بیگم اور ہانیہ سامیہ کو سہارا دے کر باہر لے کر آئیں۔ اور اُسے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ راستے میں انہوں نے وہاب احمد کو بھی فون کر دیا۔ اور اُسے ہاسپٹل میں پہنچنے کو کہا۔

ساری رات زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد صبح آپریشن کے ذریعے جڑواں بیٹوں کو جنم دیا۔ دونوں بچے چونکہ ست ماہی پیدا ہوئے تھے اس لیے انتہائی کمزور تھے۔ بچوں کو انکوبیٹر میں رکھا گیا۔ ساری رات اعظم صاحب، وہاب احمد' سعدیہ بیگم اور ہانیہ ہاسپٹل میں رہے۔ پھر جب سامیہ کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی اور وہ سکون سے سوگئی تو سعدیہ بیگم ہانیہ کو لے کر گھر چلی گئیں۔ اور بچوں کو ناشتہ کروا کر ہانیہ سے چھوٹی بیٹی کو ہاسپٹل لے آئیں، وہاب احمد نے بھی خالہ بی اور اپنی بڑی بہن کو بلوالیا تھا تاکہ سامیہ کی دیکھ بھال کرسکیں۔

☆......☆......☆

''عالی بیٹا ابھی تو تم سارے دن کے تھکے ہارے آفس سے آئے تھے۔ اب کہاں جارہے ہو۔'' عالی اپنے کمرے میں سے تیار ہوکر نکلا تو عفیرہ بیگم نے پوچھا۔

''وہ امی انکل فخر عالم صاحب کا فون آیا تھا۔ انہوں نے شادی کے لیے مجھے کچھ شاپنگ کروانی ہے۔ اس لیے وہاں جارہا ہوں۔'' عالی نے ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

اچھا امی خدا حافظ، کھانے پر میرا انتظار نا کیجیے گا آپ لوگ۔ میرا دیر سے آنے کا پروگرام ہے ہوسکتا ہے میں رات کو نا آسکوں۔ کچھ دوستوں کے ساتھ کارڈز کھیلنے کا پروگرام ہے۔ سب عارض کے گھر میں جمع ہورہے ہیں۔''

''ایک تو بیٹا تم نے یہ کارڈز کھیلنے کی لت پتہ نہیں کہاں سے لگالی ہے۔ یہ نا کھیلا کرو یہ منحوس ہوتے ہیں۔'' عفیرہ بیگم نے کہا۔

''امی، ہم محض شغل میلے کے لیے کارڈز کھیلتے ہیں اُن

پر شرطیں نہیں لگاتے۔ آپ فکر نہ کریں آپ کا بیٹا کبھی کوئی غلط کام نہیں کرے گا۔ آپ کی تربیت کو کوئی آنچ نیں آئے گی۔''

''وہ تو میں جانتی ہوں بیٹا۔ مگر آج کل کا ماحول ایسا ہے نا لوگوں میں ایسی بری بری عادتیں ہیں میرا تو دل ہولتا رہتا ہے۔'' عفیرہ بیگم نے پریشان لہجے میں کہا۔

''امی آپ خوامخواہ ہی پریشان ہو کر اپنی صحت خراب کرتی رہتی ہیں۔ پچھلے ہفتے بھی آپ کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ میں کوئی بچہ تو ہوں نہیں اپنا برا بھلا سمجھتا ہوں۔'' عالی نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

''اچھا میں جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر عالی تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

عالی ماڈل ٹاؤن میں فخر عالم صاحب کی عالیشان رہائش گاہ کے باہر پہنچا تو باوردی اور چاک و چوبند گارڈز نے اُسے سلیوٹ کیے اور بڑے احترام سے اُس کے لیے گیٹ کھولا۔ عالی گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا سیدھا وسیع و عریض پورچ میں چلا گیا۔ جیسے ہی وہ گاڑی سے اُترا۔ ایک باوردی چوکیدار نے مؤدب لہجے میں کہا۔

''سر آپ اندر تشریف لے جائیں۔ چابی مجھے دے دیجیے میں گاڑی کو مناسب جگہ پارک کر دوں گا۔'' عالی نے گاڑی کی چابی چوکیدار کے حوالے کی۔ تو اِسے وہاں پارک کی گئی شاندار ہونڈا سوک، لینڈ کروزر، نئے ماڈل کی ٹیوٹا کرولا اور مرسڈیز گاڑیاں دیکھ کر احساسِ کمتری سا محسوس ہوا۔ اُس کی سیکنڈ ہینڈ مہران تو اُن گاڑیوں کے سامنے کھلونا لگ رہی تھی۔ پھر وہ اسی احساس کمتری کے زیر اثر برآمدے سے ہو کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا کیونکہ چوکیدار نے اُسے بتایا تھا کہ صاحب ڈرائنگ روم میں ہیں۔

''آؤ بیٹا صحیح وقت پر آئے۔ میرے آج بے حد عزیز دوست آئے ہوئے ہیں جس سے تمہیں متعارف کروانے کا میں کئی دنوں سے سوچ رہا تھا۔'' فخر عالم صاحب نے کھڑے ہو کر بڑے تپاک سے عالی کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''عالی بیٹا یہ میرے بے حد پیارے اور گہرے دوست کیپٹن شہریار چوہدری ہیں۔ یہ قصور کے ڈپٹی کمشنر ہیں۔ یہ صاحب جو دوست کم اور بھائی زیادہ ہیں اعزاز بلوچ بریگیڈیئر ہیں سجاد بٹ میرے کالج اور یونیورسٹی کے دوست ہیں ہائی کورٹ میں ایڈووکیٹ ہیں جبکہ یہ صاحب اس لحاظ سے مہمان خصوصی ہیں کہ خیر سے وزیر قانون ہیں۔ مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ وزیراعظم صاحب کو موصوف میں کیا خوبی نظر آئی جو انہیں وزیر قانون بنا دیا۔'' فخر عالم صاحب نے اپنی بات مکمل کی تو سب نے زوردار قہقہہ بلند کیا۔

''یار بچے کے سامنے اتنی تو بے عزتی نا کرو۔'' وزیر صاحب نے مصنوعی غصے سے کہا۔

''اچھا ہی ہے نا یار کہ اسے شروع ہی میں اپنے ہونے والے سرالیوں کی اوقات پتہ چل جائے۔'' ڈپٹی کمشنر شہریار چوہدری نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

''کافی دیر تک ان بے تکلف دوستوں کی محفل جاری رہی۔ ساتھ ساتھ چائے' مشروبات اور دیگر لوازمات سے بھی انصاف کیا جاتا رہا۔

دوستوں کے رخصت ہونے کے بعد فخر عالم صاحب عالی اور بیٹی کے ساتھ شاپنگ پر نکل گئے۔ بڑے سے ڈیپارٹمنٹل اسٹور پر نہایت قیمتی اور امپورٹڈ برانڈڈ تھری پیس سوٹ' پینٹس' شرٹس' ٹائیاں، کفس لنکس اور جوتے خریدے۔ زیادہ تر ڈی آئی جی صاحب اور نورین عرف پنکی صاحبہ ہی اپنی پسند کے کلرز اور ڈیزائن سلیکٹ کر رہے تھے۔ عالی سے صرف تکلفاً ہی مشورہ لیا جا رہا تھا۔ اور وہ بے چارہ تو ویسے ہی احساس کمتری کے مارے چپ تھا۔ اتنی مہنگی خریداری کا تو وہ خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ دل ہی دل میں وہ اپنی خوش قسمتی پر ناز کر رہا تھا۔

(جاری ہے)

افسانہ

سید عبادت کاظمی

گگن کے پار

حسن حسن...... بیٹا سیدزادی کو کمرے تک پہنچاو..وہ چلائیں تو حسن کو بھی احساس ہوا کہ وہ اس طرح کھڑا ہے۔موراں کو کمرے تک پہنچایا گیا جلال شاہ کو خبر کر دی گئی،ڈاکٹر آ گیا تو حاجرہ بی نے حسن کو واپس گھر بجھوادیا۔وہ نہیں چاہتی تھی شاہ صاحب......

چاند کی چاندنی چکور کے لیے عید جیسی ہوتی ہے وہ ناچتا ہے جھومتا ہے اور جب چاند کی چاندنی مدہم ہوتی ہے تو اس کے ارمانوں پر بھی اوس پڑ جاتی ہے،اس کے ارمان سرد پڑ جاتے ہیں۔

سیداں پور کی موراں بھی چاند کی دیوانی تھی ۔اس بھری دنیا میں اس کا واحد غمگسار دوست یہ چاند تھا۔وہ چاندنی رات میں کھڑکی میں کھڑی ہو کر چاند کے ساتھ باتیں کرتی ،ہنستی اور پھر ہنستی چلی جاتی پھر ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی آ جاتا وہ حیرت سے اس پانی کو دیکھتی سر جھٹک کر دوپٹے سے صاف کرتی پھر جس دن چاند غیر حاضر ہوتا اس کی حالت بن پانی کے مچھلی کی ہوتی۔

جلال شاہ سیداں پور کا حکمران تھا وہ صرف نام ہی کا جلال نہیں تھا بلکہ اسم با مسمی تھا۔شادی کے چند ہفتوں بعد اس نے اپنی بیوی سے صاف کہا۔بتول ہم سید ہیں مجھے بیٹا چاہیے۔

خدا نے انکے غرور کو پسند نہ کیا اور موراں کی سادات گھرانے میں آنکھ کھلی بیٹی کو جنم دینے کے چار گھنٹے بعد بتول بی بی دم توڑ گئی۔ایک تو بیوی کی وفات سے جلال شاہ ڈھے گیا اور دوسرا اسے بیٹے کی خواہش تھی لہذا موراں کا بچپن باپ کی شفقت سے محروم حاجرہ کے سائے میں گزرا حاجرہ انکی ملازم تھی۔حویلی میں کسی جوان لڑکے کو آنے کی اجازت نہ تھی موراں کے سارے اختیارات حاجرہ کے پاس تھے دسویں تک اسے استانی گھر آ کر پڑھاتی رہی۔

موراں کی اداس ویران زندگی میں پہلا پتھر حسن کی صورت میں پڑا چاند کی چودھویں رات تھی حسب معمول چاند کے ساتھ اس کے شکوے جاری تھے اچانک موراں کو ایک سایہ تیزی سے حویلی کے مین گیٹ کی طرف بھاگتا دکھائی دیا یہ حسن تھا حاجرہ کا بیٹا جو شہر میں پڑھتا تھا اور ویک اینڈ پر گھر آیا ہوا تھا چھوٹی بہن کی طبیعت کچھ بگڑی تو ماں کو بلانے آ گیا اسے نہیں پتہ تھا کب حسن حاجرہ بی کو لے کے گیا وہ بس حسن کو دیکھتی رہی

اور اس کی نظروں کے سامنے حسن کی صورت بس گھومتی رہی۔

اگلا پورا دن گزر گیا نہ حاجرہ بی آئی نہ ان کی کوئی خبر موراں اپنی کفیت خود نہیں سمجھ رہی تھی پورے وجود میں بے چینی پھیلی تھی ابھی تو شام ہونے میں بہت دیر تھی ورنہ چاند سے حال دل کہتی..

آخر اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا ..کیا کروں میں اس نے سوچا بابا سے کہتی ہو مجھے ان کے گھر لے جائیں لیکن بابا مجھے جانے نہیں دیں گے.. بابا کے پاس کیسے جاؤں اور کیا کہوں گی ان سے ..لیکن اور کوئی چارہ بھی تو نہیں ڈرتے ڈرتے وہ جلال الدین کے کمرے کی طرف بڑھی وہ اس

ٹائم لائبریری میں ہوتے تھے وہاں تک جاتے جاتے اس کی ہمت جواب دے گئی اور الٹے قدموں لوٹ آئی آنسو اس کی آنکھوں سے گرنے لگے شام کا کھانا سب ساتھ میں کھاتے تھے ملازمہ اسے بلانے آئی مگر اس نے انکار کر دیا۔ شام تک موراں کی حالت ایسے ہو گئی تھی جیسے پھول میں خوشبو نہ رہے ویسے موراں حسن کو دیکھنا چاہتی تھی ۔

آخر اس کا دوست اسے اداس نہ دیکھ سکا اور بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا چاند کے نکلنے کی دیر تھی موراں کو جیسے نئی زندگی مل گئی ۔ اپنے دوست کو دیکھ کے اس کی آنکھیں رم جھم برسنے لگیں۔

اس کے چاند سے چہرے پر آنسوؤں کے نشاں

ایسے لگ رہے تھے جیسے چاند پر داغ پڑے ہوں۔ آج وہ آنسوؤں کو صاف کرنا بھول گئی۔ آج وہ چاند کے ہم پلہ تھی کوئی فرق نہیں تھا دونوں میں دونوں کا دکھ ایک جیسا تھا۔

تم اتنی دیر سے آئے آج تم بھی میرے ساتھ ناانصافی کر گئے ناں۔۔؟

تم جانتے ہو ناں تمہارے علاوہ کوئی نہیں جس سے میں اپنی کیفیت شیئر کرسکوں۔ وہ اپنے دوست سے شکوے کرنے لگی۔

رات کے اس سکوت میں سب سوئے ہوئے تھے اس کی سسکیاں رات کی خاموشی کو اور اداس بنا رہی تھی وہاں اس کی سسکیوں کو سننے ولا کوئی نہ تھا چاند بھی اداس ہونے لگا موراں کا دکھ اسے بھی غمزدہ کر رہا تھا یا موراں کی سسکیاں عرش پر پہنچ گئی تھی تھوڑی ہی دیر میں آسمان نے اس کے دکھ کو محسوس کرلیا بادلوں کی گرج چمک کے ساتھ بارش نے زمیں کی طرف سفر کرنا شروع کیا بارش کی ٹپ ٹپ کرتی بوندیں کھڑکی پر گرنے لگی اور موراں کی اٹھارویں سن کی وہ پہلی بارش تھی جب بے ساختہ اس کے دل نے بھیگنے کی خواہش کی۔ اس وقت اس کی حالت ایسی تھی جیسے صدیوں سے پیاسے کسی کو صحرا میں بھی کنواں نظر آجائے۔ اس کے قدم باہر کی طرف اٹھنے لگے کتنی دیر تک وہ بارش میں بھیگتی رہی شاید گھنٹے تک ٹائم گزرنے لگا تھا اب بارش مدہم ہونے لگی تھی اچانک اس کا سر چکرانے لگا تھا اتنے میں حویلی کے گیٹ پر بائیک رکنے کی آواز آئی موراں کی نگاہیں گیٹ کی طرف اٹھیں اور واپس پلٹنا بھول گئیں۔ اس کے من کا دیوتا حاجرہ بی کو اتار رہا تھا موراں کی آنکھوں کے سامنے اندھیرہ چھانے لگا بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے حاجرہ بی اور حسن کو اپنی طرف بھاگتے پایا ایک آسودہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آکر دم توڑ گئی۔ اس کے بعد اسے ہوش نہ رہا۔

اسے گرتے دیکھ کے حاجرہ بی دوڑتی آئیں۔

نی موراں بیٹی کو کیا ہو گیا مجھ نمانی کو اپنے مسلوں میں ان کا ہوش نہ رہا حسن بیٹا میری بوڑھی ہڈیوں میں اتنی طاقت نہیں تم ہی اٹھالو۔ اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔

حسن نے جھک کے موراں کو اٹھایا اسے ایسا لگا جیسے کوئی تنکا ہو اس کے بھیگے چہرے پر اداسی نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا ایسے لگتا تھا جیسے صحرا کے بیچ میں کوئی کنول کا پھول اداس تنہا کھڑا ہو شاید یہ وہ لمحہ تھا جسے لوگ محبت کہتے ہیں اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی فقیر کو خزانہ مل جائے۔ اور اسے محبت کی دولت مل گی تھی حسن نے اتنا سوگوار اور مکمل حسن زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا تھا کتنی ساعتیں گزر گئی وہ ایک ہی پوزیشن میں کھڑا تھا۔ حاجرہ بی چند قدم چلی جیسے انھیں محسوس ہوا وہ اکیلی ہیں پیچھے مڑ کر دیکھا تو دھک سے رہ گئیں۔ حسن اسی حالت میں موراں کو تکے جا رہا تھا۔ ان کو احساس ہوا جوان بیٹا ہے اس کے بھی جذبات ہو سکتے ہیں ہائے میرے اللہ شاہ صاحب نے انھیں اس طرح دیکھا تو مجھے مار ہی ڈالیں گے۔ اس کا دل خشک پتے کی طرح لرزنے لگا۔

حسن حسن...... بیٹا سید زادی کو کمرے تک پہنچاو.. وہ چلائیں تو حسن کو بھی احساس ہوا کہ وہ اس طرح کھڑا ہے۔

موراں کو کمرے تک پہنچایا گیا جلال شاہ کو خبر کر دی گئی، ڈاکٹر آگیا تو حاجرہ بی نے حسن کو واپس گھر بھجوا دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی شاہ صاحب دیکھتے اس رات موراں بخار میں تپتی رہی حسن رات کو کروٹیں بدلتا رہا اور موراں کے بنا اس کا چاند اداس کھڑا رات بیتنے کا انتظار کرتا رہا رات

آہستہ آہستہ ڈھلنے لگی صبح کاذب نمودار ہونے میں کچھ وقت باقی تھا انجانے احساس کے تحت اس کی آنکھ کھلی چاند اب جانے والا تھا اس کی نظر چاند پر پڑی۔ وہ اٹھنے لگی۔

چاند نے بے ساختہ شکوہ کیا دیکھ موراں آج ساری رات میں تیرا انتظار کرتا رہا تو سوئی رہی آج پتہ چلا انتظار بہت مشکل ہے۔

مگر آج اسے چاند سے باتیں کرنے کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ اب تو اس کا محور و مرکز کوئی اور بن گیا تھا۔

وہ چاند کو اس کے متعلق بتانے ہی لگی تھی کہ سورج نمودار ہو گیا اور چاند ڈر کر چھپ گیا۔

اب میں کس سے باتیں کروں گی؟ اس نے سوچا.. کیا وہ پھر نظر آئے گا؟ اب تو چاند بنا رہ لوں گی اس کو دیکھے بنا نہیں.. کاش میں پرندہ ہوتی اڑ کے ملنے چلی جاتی۔

☆......☆......☆

حسن کے سامنے بار بار اس کا چہرہ آرہا تھا حاجرہ بی کافی گھبرائی ہوئی تھیں۔ سمجھدار عورت تھیں خوب سمجھتی تھی بیٹا کن خیالوں میں گم ہے۔ بیٹا تم کل صبح شہر روانہ ہو جاو۔ ان کا انداز تحکمانہ تھا۔

پر اماں...... ابھی ایک ہفتہ ہے میری چھٹی ہے۔ ابھی سے کیوں۔ اس نے احتجاج کیا۔

امی کچھ دنوں تک جاوں گا ناں۔ انہیں خاموش دیکھ کر وہ التجائیہ انداز میں پھر بولا۔

وہ اس بار بھی خاموش رہی تھیں۔ ہاں ان کی آنکھیں بول رہی تھیں۔ حسن کو ان کی آنکھوں میں لرزتے اندیشے صاف نظر آرہے تھے۔ مگر محبت کرنے والے ایسے اندیشوں کو کہاں خاطر میں لاتے ہیں۔ وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

☆......☆......☆

موراں کا دل جیسے کسی نئی لے پر دھڑک رہا تھا وجود اداسی میں ڈوبا تھا شام ہوئی چاند نکلا مگر وہ یونہی گم صم رہی آج چاند بھی حیران تھا موراں آج مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہی اس نے خاموش شکوہ کیا موراں نے اداس نظریں چاند کی طرف کی وہ تڑپ گیا اتنی اداسی کیوں؟ چاند نے سوال کیا۔

وہ نظر نہیں آیا تم میرے دوست ہو ناں اسے بلاو..

ہاں موراں دوستی کا حق تو بنتا ہے اگر ادھر موراں اداس تھی ادھر حسن بے چین تھا۔ بار بار اس کا چہرہ سامنے آجاتا بارش میں بھیگتا جیسے کوئی چاند... سوچوں میں ڈوبا وہ چارپائی پر لیٹا تھا۔

چاند کی چاندنی اس کے چہرے پر پڑی۔ وہ اٹھا تو اسے جیسے چاند کی روشنی حویلی تک سفر کرتی نظر آئی۔ وہ بے خود سا اسی سمت چلتا گیا۔ موراں نے اسے دور سے دیکھ لیا چاند نے دوستی کا حق ادا کر دیا تھا موراں کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر چاند خوش ہوا اور چاند کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔

حسن کو سمجھ نہیں آرہی تھی وہ یہاں کیسے پہنچا شاید کوئی انجانی کشش اسے یہاں کھینچ لائی تھی اس کشش کو عشق کہتے ہیں دونوں ایک دوسرے کی طرف تکے جارہے تھے حسن اس کی آنکھوں کی تپش کی تاب نہ لا سکا گھبرا کر نظریں جھکائی مجھے نہیں پتہ تم کون ہو۔ پر ایسا لگتا ہے۔ تم سے خاص رشتہ ہے ایسا لگتا ہے تم میری ضرورت ہو۔ وہ بول رہا تھا۔ موراں سرشاری سے سن رہی تھی اچانک حویلی کی طرف کسی گاڑی کی روشنی آتی دکھائی دی خوف جیسے اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے چھلکنے لگا تم جاو میرے بابا آرہے ہیں۔

پھر کب ملوگی؟ حسن نے آس سے پوچھا۔

کل اسی وقت اپنے دوست کے ساتھ حویلی کے پچھواڑے باغ میں.. وہ جلدی سے بولی تھی۔

کہتے ہیں جو عشق کرتا ہے اسے پتہ ہوتا ہے کہ یہ کیسا روگ ہے۔ جس میں راتوں کی نیندیں اڑ جاتی ہیں اک اک پل صدیوں برابر لگتا ہے اور کچی عمر کا عشق ذہن پر انوٹ نقش چھوڑ جاتا ہے موراں اور حسن دونوں اس عشق روگ کے سفر میں تھے رات الوداع ہونے کو تھی مگر دونوں وصل کے لمحے چرا رہے تھے۔

جلال شاہ اب خاموش رہنے لگے تھے یا انھیں احساس ہونے لگا تھا کہ سفر حیات اب ختم ہونے کو ہے اٹھارہ سال بعد انھیں اس بیٹی کا خیال آیا جسے ان اٹھارہ سالوں میں چند بار دیکھا یا بات کی تھی موراں کی شادی کرنی چاہیے بیٹی بدنامی کا طوق ہے یہ ان کی سوچ تھی پتہ نہیں انسان کو غرور کس چیز کا ہوتا ہے۔

اب موراں کے لبوں پر مسکان نے ڈیرہ جما لیا تھا وہ مرجھائی کلی سے کھلتا گلاب بن گئی تھی اور وقت دھیرے دھیرے بیت رہا تھا وقت کا پنچھی موراں اور حسن دونوں پر بھاری پڑ رہا تھا یہ گرمیوں کی لمبی دوپہریں تھی۔ پیاسے پرندوں کی غول نہروں نالوں کا رخ کر رہے تھے۔ گاؤں کے بوڑھے بچے پیپل کی چھاؤں میں بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔

جلال شاہ اوطاق میں گاؤں کے ہاریوں کے ساتھ فصلوں کی بوائی کٹائی پر تبادلہ خیال میں مصروف تھے ان سب سے بے نیاز موراں پلنگ پر بیٹھی بیٹھے سر کے ساتھ گنگنا رہی تھی۔ ملازماؤں نے آپس میں اشارے اور کھسر پھسر کی۔ لگتا ہے سیدزادی پر جن چڑھ گیا ہے یہ کہنے والی نسرین تھی۔ چپ کر بدبخت اوئیں اناب شناب نہ بکا کر۔ مدتاں بعد موراں بیٹی کو ایسے دیکھا ہے۔

بالکل چودھویں کا چاند لگ رہی ہے حاجرہ بی کے لہجے میں حلاوت تھی پہلے تو وہ اکثر رات حویلی میں رُکتی تھی پر جب سے حسن آیا تھا وہ ادھر ہی تھی انھیں موراں کے دل کی خبر نہ ہوئی دوپہر سے عصر پھر شام ہوگئی۔ چاند پھر سے نکل آیا لیکن آج موراں کو چاند اچھا نہیں لگ رہا تھا کیونکہ محبوب کو دیکھے جانے کا خوف تھا حاجرہ بی کے سوتے ہی اس نے باہر نکلنے کی ٹھانی۔ شاید موراں کو آنے میں دیر تھی وہ درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا موراں کھڑکی سے کمند ڈال کر اس کی پاس پہنچی محبوب کے کاندھے پر سر رکھ کر جیسے صدیوں کی ریاضت پائی موراں تم ایک سیدزادی ہو ہماری مرشد زادی کاش تم سے پیار نہ ہوتا۔ اگر تمہارے بابا کو پتہ چلا تو..

نہ جھلے آ وہ تڑپ اٹھی میں تیری داسی تو میرا سائیں تو نے مجھے جینے کی آس لگائی۔

پھر بھی موراں یہ سماج ہمیں ایک نہیں ہونے دیگا۔ تمہارے بابا ہمیں زندہ گاڑ دیں گے۔ اس کی آنکھوں میں مایوسی لہرائی۔

تم ڈرتے ہو؟ وہ حیرت سے بولی۔

موراں تیرے عشق نے سب خوف دل سے نکال دیئے اپنی نہیں تمہاری فکر ہے۔

کچھ نہیں ہوتا۔ اس نے اپنا سر اس کے کندھے پہ رکھ دیا۔ ملن کی ان ساعتوں پر چاند نے شرمانا شروع کر دیا۔

دن گزرنے کے ساتھ انتظار بڑھتا گیا کہتے ہیں عشق چھپتا نہیں اور ان کے عشق کی گہرائی زمیں میں دفن دفینے کی طرح تھی معمول کی طرح حسن ماں کے سونے کا انتظار تھا کل اسے شہر جانا تھا اور اج الوادعی ملاقات تھی حسن جانے لگا۔ وہ گھر سے نکلا ہی تھا کہ اچانک گھر میں بیٹھا میاں مٹھو چلا اٹھا اس پر بلی نے حملہ کیا تھا۔ حاجرہ بی کی آنکھ کھل گئی۔ بلی کو بھگا کے پلٹی تو حسن بستر پر نہیں تھا ان دل دھک سے رہ گیا۔

ماں تھی فوراً جان گئی۔ کہاں گیا ہوگا۔ اس کے دل میں اندیشے پلنے لگے۔

وہ دونوں چاند کے ساتھ اپنے محبت کے سائے میں بیٹھے تھے۔ حسن کہہ رہا تھا۔ موراں کل میں واپس شہر جا رہا ہوں پتہ نہیں کب آؤں گا اور تم بن رہوں گا کیسے۔

موراں نے اک ٹھنڈی آہ بھری اور کہا تم چلے جاؤ گے تو پھر سے تنہائیاں میرا مقدر ہوں گی میں پھر سے اکیلی ہو جاؤں گی۔ حسن میں وہ گڑیا ہوں جو شوکیس میں سجی رہتی ہے لیکن اسے باہر کوئی نہیں نکالتا۔ وہ اداسی سے بولی۔

میں ہوں ناں حسن نے دلاسا دیا۔

چاند اپنے جوبن پر تھا حاجراں بی ان سے کچھ فاصلے پر تھی آواز نہیں دے سکتی تھی اپنے جوان بیٹے کا خیال تھا یہ وہی لمحہ تھا جب جلال شاہ کی گاڑی حویلی کی طرف آرکی اور روشنی میں انھیں ایک عورت حویلی کے ساتھ دوسری طرف جاتی نظر آئی وہ چونک گئے۔ ڈرائیور کو رکنے کا کہا اور اپنے ملازم خدا بخش کے ساتھ ان کا پیچھا شروع کیا..

حسن موراں سے کہہ رہا تھا اب چلتے ہیں چلو چاند چکور سے الوداعی ملاقات کریں۔

ہاں چکور کا چاند تو اس کے ساتھ ہے مگر میرا چاند جا رہا ہے۔ ہم پھر ملیں گے ناں؟

تم وہم نہ کرو۔ دونوں نے ساتھ قدم بڑھائے اور پھر حاجراں بی نے دیکھا دونوں کسی دوسری دنیا کے باسی لگ رہے تھے.. دونوں کے چہروں پر الوہی چمک تھی جیسے منزل کو پالیا ہو لیکن عشق تو کسی منزل پر نہیں جاتا دور کسی گیدڑ کے چیخنے کی آواز آئی۔

حسن نے اس کا ہاتھ پکڑا چاند نے دوستی کا حق نبھانا چاہا۔ بادلوں کی اوٹ میں چاند نے چھپنا شروع کیا۔ لازوال عشق کا وہ لمحہ آیا جب حاجراں بی کی نظروں نے دونوں کو دیکھا اور جلال شاہ نے زندگی کا ناقابل یقین منظر دیکھا ان کی عزت سید خاندان کی شان ایک ہاری کے ساتھ۔۔۔ غصے جیسا انگ انگ میں بھر گیا پھر وہ ہوا جو ہر عشق کرنے والے کے ساتھ ہوتا بیٹی کی محبت پر غیرت غالب آگئی۔ چاند نے چپکے سے دیکھا اور فضا میں ٹائیں ٹائیں کی آواز گونجی شاید دونوں کا اتنا عشق تھا۔ بارود کی گولیاں دونوں کو اکھٹی لگی عشق کا سفر تمام ہوا۔ تارے ڈر کے چھپنے لگے موراں کا ہاتھ حسن کے ہاتھ میں تھا اک لمحہ دونوں کی نظر ملی پرندے شور مچا رہے تھے اور عشق ابدی نیند سو رہا تھا۔ حاجراں بی ساکت کھڑی تھی بیٹے کی خون میں نہائی لاش حواس چھین گئی۔ لوگوں نے جلال شاہ کو شاباش دی غیرت مند باپ کو ایسا کرنا چاہیے تھا۔

لوگوں کو گاوں میں اک پاگل بوڑھی عورت دکھائی دیتی ہے اور پیپل کے چھاوں تلے مٹی کی قبروں میں دو پریمی چین کی نیند سو رہے ہیں۔ دور کہیں چرواہے کی آواز گونجتی ہے۔

اوکھے پینڈے لمبیاں نی رواں عشق دیاں
درد جگر تے سخت سزاواں عشق دیاں

تب ان قبروں پر پتے گرنے لگتے ہیں ہوا کی سرسراہٹ ہوتی ہے آنے والے مسافر اس جگہ کو عقیدت سے دیکھتے ہیں اور چاند رات کو نکلتا ہے چاند کی روشنی وہاں پڑتی ہے۔ تب موراں اور حسن کی قبریں جگمگا اٹھتی ہیں۔ بھولے سے رات کو کوئی یہ منظر دیکھ کر عشق کی لازوال داستاں کو سلام کرتا ہے۔

تب چاند چپکے سے مسکرا دیتا ہے اور دنیا سے الگ دو باسیوں کی عشق داستان مکمل ہو جاتی ہے۔

☆☆......☆☆

ناول

زمر نعیم

ابھی امکان باقی ہے

اُن کرداروں کی کہانی، جو ہر معاشرے میں بکھرے پڑے ہیں مگر
جب یہ کردار امر ہو جائیں تو مزید کا بھی امکان باقی رہتا ہے

قسط نمبر 3

وہ خاموشی سے اٹھا اور 'اللہ حافظ' کہتا لاؤنج سے کاریڈور کی طرف مڑ گیا۔ اُس کے جاتے ہی شرتح خان بھی کھڑے ہو گئے۔

''یہ باتیں تم اُسے بعد میں بھی سمجھا سکتی تھیں۔'' وہ بھی اپنی نشست سے کھڑی ہو گئیں۔

''یہ باتیں ابھی سمجھانے والی تھیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری کسی ایک بہو کو بھی احساس کمتری کا احساس ہو۔ اروی...... جن حالات کو سہہ کر یہاں تک آئی ہے وہ تو احسان مندی و کمتری میں دبی رہے گی اور کیا پتہ کہ ثمن اور سبرینہ میں سے کوئی اُسے مزید دبانے کی کوشش کرے۔ اگر آج ہی اصم نے اُسے اپنا اعتماد نہ بخشا تو گھر کے حالات کیا ہوں گے آپ نہیں جانتے۔'' بی بی جان کی دور اندیشی سے شرتح خان متفق نہیں ہوئے۔

''افوہ تم کوئی اُلٹی سیدھی فکر مت پالو...... ماشاء اللہ ہماری دونوں بہویں بہت نیک، اور اچھی سیرت کی مالک ہیں۔''

''مجھے اُن کی اچھائی سے انکار نہیں ہے مگر عورت کی فطرت کب بدل جائے۔ کچھ کہہ نہیں سکتے۔ خیر آپ نہیں سمجھیں گے، یہ گھریلو معاملات ہیں ان سے مجھے ہی نمٹنے دیں۔ آپ چلیں اب آرام کریں چل کر......''

☆......☆......☆

''انعم ابھی سونے کے لیے لیٹی تھی کہ اُس کا سیل فون بج اٹھا۔ سبرینہ بھابی کا نام اسکرین پر جگمگاتا دیکھ کر وہ حیرت سے سوچنے لگی۔ شام ہی تو اُن سے بات ہوئی تھی۔

''فون ریسیو کیوں نہیں کر رہی ہو۔''

اُس کے شوہر فائق نے لیپ ٹاپ سے نگاہ اٹھا کر اُسے مخاطب کیا۔ وہ اس وقت کوئی ضروری میل

کر رہا تھا۔ انعم نے جلدی سے فون ریسیو کیا۔

''خیریت ہے نا بھابی......'' انعم نے دانستہ آواز دھیمی رکھی۔

''خیریت ہی خیریت ہے۔ بلکہ خوشخبری سنو......'' سبرینہ کی آواز میں کھنک وشوخی تھی۔

''خوش......خبری......کیسی......کیا آپ کا پرائز بانڈ نکل آیا ہے۔'' جواباً انعم نے بھی چھیڑا۔

''پرائز بانڈ میرا تو نہیں البتہ اصم کی لاٹری لگ گئی ہے۔''

''بھائی تو ان چیزوں میں کبھی بھی انٹرسٹڈ نہیں رہے۔''

''پھر بھی قسمت اُس پر مہربان ہوگئی ہے۔ تم آجاؤ اور دیکھ لو۔'' سبرینہ کی بات انعم کے پلّے نہیں پڑی۔

''کیا......دیکھ لوں بھابی......؟ پلیز سسپنس مت بڑھائیں۔ جلدی بتائیں کیا بات ہے۔ آپ میری کنڈیشن جانتی ہیں، میں اس طرح کا سسپنس برداشت نہیں کرسکتی۔''

''اچھا! پھر سنو! اصم کی شادی ہوگئی ہے۔''

''کہ......کیا......آپ مذاق کررہی ہیں نا؟'' انعم کو بے یقینی تھی۔

''میں بالکل بھی مذاق نہیں کررہی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بابا جان اور اصم ہماری دیورانی اور تمہاری بھابی کو لے کر آئے ہیں۔ بس تم آجاؤ۔ پھر مل کر اصم کو گھیریں گے۔'' دوسری طرف سے یقین دلایا گیا۔

''مجھے یقین نہیں آرہا......اس طرح کیسے؟''

''یقین کرلو مائی ڈیئر......'' سبرینہ بھابی نے مختصر بتایا انعم کو بھی کھلبلی مچ گئی۔ بھائی کی شادی ہوگئی تھی اور وہ بے خبر تھی۔ فون بند کرکے اُس نے مصروف شوہر کو دیکھا۔

''فا......ئق......اصم بھائی کی شادی ہوگئی ہے۔''

''یہ تو ہونا ہی تھا......'' بیوی کی اطلاع پر پہلے وہ زیرِ لب بڑبڑایا پھر جیسے چونک کر پوچھنے لگا۔

''کیا کہا؟ اصم کی شادی......کہ......ب، کیسے؟''

''یہ ہی تو مجھے نہیں پتہ کب اور کیسے......پلیز مجھے بابا جان کے گھر لے چلیں نا۔''

''اس وقت......؟'' فائق کی نظریں وال کلاک پر گئیں رات کے پونے بارہ بج رہے تھے۔

''وقت کو کیا ہوا......ابھی پونے بارہ ہی تو بجے ہیں۔'' انعم نے لاڈ و ناز سے کہا تو فائق نے اُسے نظر اُٹھا کر دیکھا۔

''ڈیئر وائف یاد کرو رات گیارہ بجے بیت الجنت کا مین گیٹ بند ہوجاتا ہے۔ پھر وہاں سے کسی کو آنے جانے کی پرمیشن نہیں ہوتی۔ سوجاؤ صبح لے جاؤں گا۔''

''صبح......فائق......اصم بھائی کی شادی ہوگئی ہے۔ پتہ نہیں کیسے......وہاں شام تک ایسا امکان بھی نہیں تھا۔ وہاں سب جاگ رہے ہوں گے اور......مجھے تو جاکر سبھی سے لڑنا ہے۔ کسی نے......مجھے بتایا بھی نہیں......کہ......'' انعم نے کچھ زچ ہوکر کہا۔

''تمہارے بھائی کا کسی کے ساتھ کوئی چکر چل رہا تھا؟ تم نے کبھی بتایا نہیں؟'' فائق نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے کچھ چبھتے لہجے میں پوچھا تو انعم حیران ہوتے ہوئے قدرے چمک کر بولی۔

''ایسی کوئی بات ہوتی تو میں نہ جانتی۔''
''چند گھنٹوں میں تمہارا بھائی کسی کو شادی کر کے لے آیا ہے۔ بنا کسی افیئر کے تو اس طرح کوئی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔''
''پتہ نہیں کیا معاملہ ہے۔ آپ بس مجھے لے جائیں ورنہ پھر میں خود چلی جاتی ہوں۔''
''کہہ رہا ہوں نا...... صبح لے جاؤں گا۔ تم مجھے جلدی اُٹھا دینا...... ویسے بھی وہاں بھی سو چکے ہوں گے۔ اور امی، ابو بھی سو رہے ہیں۔ انہیں بتائے بنا میں اس وقت کہیں نہیں جا سکتا۔'' فائق نے بات ختم کر دی۔
انعم نے خفگی سے شوہر کو دیکھا۔ دل میں کبیدگی بھی بڑھ گئی۔ بی بی جان کی تربیت کے برعکس وہ شوہر سے رخ موڑ کر لیٹ گئی۔ ویسے بھی وہ ماں بننے کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ ان دنوں میں اُس کے مزاج میں چڑچڑاپن بڑھتا جا رہا تھا۔ فائق بلال نے اُسے ایک نظر دیکھا اور تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گیا۔ اس وقت اُس کا بھی منانے کا موڈ نہیں تھا۔

☆......☆......☆

بی بی جان کی باتیں وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ اُسے کیا باور کرانا چاہتی تھیں۔ بی بی جان کی نصیحتیں اُسے سیڑھیاں چڑھتے اور دروازے تک آتے بھی کانوں میں گونجتی محسوس ہوئی تھیں۔ وہ اب جیسی بھی تھی اُس کا نصیب تھی۔ بھابیوں کی چھیڑ چھاڑ سے اُسے کچھ اندیشے بھی لاحق ہو گئے تھے مگر اُس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اُسے عزت و مان ضرور دے گا۔ خواہ اُس کا دل مائل ہو نہ ہو۔
وہ بے دھیانی میں اندر داخل ہوا تو نیلم کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔
''آپ کہاں چلے آ رہے ہیں اصم بھائی، فی الحال یہاں آپ کی انٹری نہیں ہو سکتی...... آپ آج اپنا ٹھکانہ کہیں اور کریں۔'' نیلم کی شوخی گھونگھٹ میں چھپی اروی کو بھی گدگدا گئی تھی۔ اُسی نے آہٹ پر اروی کا لمبا گھونگھٹ نکال دیا تھا تا کہ اصم اُسے نہ دیکھ سکے۔
''یہ کس کا مشورہ ہے؟'' اصم اطمینان سے مسکراتا چند قدم بڑھ آیا۔
''مشورہ نہیں یہ آپ کی سزا ہے۔'' ''آپ جب تک باقاعدہ دولہا نہیں بنیں گے اور ہمیں ہمارا نیگ نہیں ملے گا ہم آپ کو بھابی کی صورت بھی نہیں دیکھنے دیں گے۔''
''نیگ تو تمہیں مل جائے گا، بابا جان نے دو تین دن کی مہلت دی ہے مجھے...... کیش چاہیے تو ابھی لے لو۔''
''اتنے سستے میں جان نہیں چھٹے گی آپ کی...... ضیغم لالہ نے اپنی شادی پر ہمیں سیٹ بنوا کر دیا تھا۔ آپ سے مجھے جڑاؤ بریسلیٹ چاہیے۔''
''تو لے لینا...... گڑیا...... میں کب انکار کر رہا ہوں۔'' اصم چلتا ہوا کاؤچ پر بیٹھ گیا۔ نیلم کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ملازمہ شادو اپنی بیٹی کے ساتھ اُن کا کھانا لیے آ گئی۔ ساتھ ہی اُس نے نیلم کو پیغام دیا۔
''نیلم بی بی...... بی بی صیب کہہ رہی ہیں آ کر سو جائیں۔'' بی بی جان کا پیغام نیلم کے منصوبے پر پانی پھیر گیا۔ کھانا میز پر رکھتے ہوئے شادو بی نے کن اکھیوں سے دلہن کی جانب بھی دیکھا۔ وہ گھونگھٹ میں

تھی۔ اروی کی حسرت لیے وہ جانے کو مڑی...... اصم نے جاتے ہوئے اُسے آواز دی۔
''شادو بی آدھے گھنٹے بعد چائے بھی بھجوا دینا۔''
''جی چھوٹے خان......'' شادو بی کے جاتے ہی نیلم بھی بستر سے اُتری۔
''تم کہاں جا رہی ہو...... میری سزا کا کیا ہوا؟'' اصم نے بہن کو شرارت سے چھیڑا۔
''بی بی جان کا حکم ہے ورنہ...... خیر یاد رکھیے گا انعم آپی آ جائیں پھر ہم دونوں آپ سے نمٹیں گے۔ ابھی آپ کھانا کھایئے، ٹھنڈا ہو رہا ہے اوکے اروی بھابی...... صبح ملتی ہوں آپ سے، پریشان مت ہویئے گا۔ میں ہوں ناں۔'' نیلم کی بات پر اروی گھونگھٹ میں اور اصم بیٹھا بیٹھا مسکرا دیا۔

اروی گھونگھٹ میں تھی مگر اُس کی حسیات بالکل چوکنی تھیں۔ اصم ایکدم اپنی جگہ سے اُٹھ کر بیڈ تک آیا تھا۔

''تمہیں بھی یقیناً اس وقت کسی بھی بات سے پہلے کھانا اچھا لگے گا، صرف دو منٹ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔ بی ایزی۔'' اروی نے اپنائیت بھرے لہجے پر نظر اُٹھا کر دیکھنا چاہا تھا۔ مگر شرم سے بوجھل پلکیں اُٹھ سکی تھیں اور نہ ہی ہاتھوں نے گھونگھٹ کی آڑ کو ہٹایا تھا۔ اُس کے دل میں پھیلی بے چینی البتہ کچھ قرار پا گئی تھی۔ اُسے اردگرد ہزاروں پھولوں کی مہک محسوس ہوئی تھی۔ اصم واقعی دو منٹ میں تولیے سے بال خشک کرتا سفید کرتا شلوار پہنے آ گیا۔ تولیہ ایک طرف کرسی پر لاپروائی سے پھینکتے ہوئے اُسے پھر مخاطب کیا۔

''تمہیں اگر گھونٹ کے اندر ہی کھانا کھانا ہے تو نیور مائنڈ...... میں سرو کر دیتا ہوں۔'' اصم کی سنجیدگی میں بھی شوخی تھی۔ اروی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ اُسے اُسی طرح بیٹھے دیکھ کر وہ پھر بولا۔

''اگر میری موجودگی میں نہیں کھانا چاہتیں تو یہاں سے چلا جاتا ہوں۔'' اُس کی بات پر اروی بوکھلا اٹھی۔ فوراً گھونگھٹ سرکایا۔

''نہ نہیں...... پل...... پلیز...... آپ......'' اُس کی سریلی آواز اصم نے پہلی بار سنی اور نگاہ نے پہلی بار ایسی صورت دیکھی تھی۔ وہ تو جیسے ہوش ہی کھو بیٹھا۔ کاؤچ پر اٹھنے اور بیٹھنے کی درمیان پوزیشن وہ جیسے ساکت ہو گیا تھا۔ نگاہوں کے سامنے اُس کے تصور سے زیادہ حسین چہرا، حسن کا مکمل شاہکار دعوتِ نظارہ پیش کر رہا تھا۔ اُسے اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

بھابیوں کی کی گئی شرارت اُسے اب سمجھ آئی۔ اپنے ایثار کا اُسے ایسا بہترین صلہ ملے گا اُس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

اروی بیڈ سے اُتر کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اُس کی پازیب کی چھنک اور چوڑیوں کی کھنک نے اصم کو چونکا دیا۔ حیرتِ شوق اُس کی آنکھوں میں بسی تھی اور رعبِ حسن سے وہ ابھی تک گنگ تھا۔ اروی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی کاؤچ پر بیٹھ گئی تھی۔

''آ...... پ پلیز بیٹھے نا۔'' اروی نے اُس کی جانب دیکھ کر کہا۔ وہ پُر شوق نظروں سے اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اُس کے کہنے پر خفت سے مسکراتا بیٹھ گیا۔ اروی کو اُس وقت پیاس کی شدت نے تنگ کر رکھا تھا۔ سامنے پانی دیکھ کر اُس نے ہاتھ پانی کے جگ کی طرف بڑھایا تو اصم نے پانی گلاس میں ڈال کر اُس کی طرف بڑھایا۔

''کتنی حیران کن اور عجیب بات ہے نا کہ...... آج شام تک ہم ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں تھے اور......اب......ہم ایک کمرے میں موجود ہیں۔'' اصم کی بات پر وہ تائیداً مسکرادی۔ اُس کے دائیں گال کا ڈمپل تو اصم کو مزید لوٹ کر لے گیا۔ اُس کے وجود میں یکدم رو پہلو ے جذبے انگڑائی لے کر بیدار ہو گئے تھے۔

کسی انجان لڑکی کے لیے اچانک محبت اُمڈ پڑنا اُسے حیران کر رہی تھی۔ وہ خود اُس کے لیے پلیٹ میں کھانا نکال کر پیش کر رہا تھا۔ وہ بہت جھجکی ہوئی شرمندہ شرمندہ سی اُس سے پلیٹ تھام رہی تھی۔ اُس کے احساسات وجذبات بھی اصم سے مختلف نہ تھے۔ کوئی انجان شخص پہلی بار ہی اُس کے دل میں سما گیا تھا۔ اُس کی اپنائیت اروی کو اپنا گرویدہ کر گئی تھی۔

''سنو! تمہارا اپنا گھر ہے۔ آرام سے بنا تکلف کے کھانا کھاؤ۔'' اروی نے بس سر ہلایا۔ وہ بار بار اصرار کرتا رہا۔ کھانا ختم کر کے اُس کی طرف ٹشو پیپر بڑھاتے ہوئے خوشدلی سے ہنستے ہوئے بولا۔

''مجھے کہنا تو پہلے ہی چاہیے تھا کہ تم بھی ایزی ہو جاؤ مگر اپنی بھوک کی وجہ سے...... او کے اب اٹھو ایزی ہو جاؤ، تمہارا سا...... ما...... ن۔'' اصم نے کہتے کہتے نگاہ کمرے میں دوڑائی۔

''ہا...... ں وہ رہا۔'' اُس کا سوٹ کیس اُس کی نگاہوں کی زد میں تھا۔ اصم خود واش روم میں ہاتھ دھونے چلا گیا۔

اروی اُٹھ کر اپنے سامان کے پاس آ گئی۔ سوٹ کیس کہیں کھول کر چمکتے دمکتے کپڑوں میں سے اُس نے اپنے لیے ایک سادہ کاٹن کا گلابی سوٹ نکالا۔ جس پر گہرے گلابی رنگ کے دھاگے سے بڑی خوبصورت کڑھائی اُس نے خود کی تھی۔ وہ کپڑے لے کر کھڑی ہوئی تھی کہ شادو بی اپنی بیٹی شمو کے ساتھ دستک دے کر اندر چلی آئی۔

اُسے گھونگھٹ کے بغیر دیکھ کر وہ بھی مبہوت رہ گئی۔ شمو نے بھی چائے کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اُسے پُرشوق انداز میں دیکھا۔

''ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ...... بسم اللہ...... چشمِ بددور...... بی بی صیب مقدر والی ہیں۔ اک سے بڑھ کر اک سوہنی بہوٹی ہے بی بی صیب کو۔'' شادو بی نے بڑھ کر چٹ چٹ اُس کی بلائیں لیں۔ شادو بی کی محبت پر وہ جھینپ کر کھڑی تھی جبکہ اصم بھی مسکراتا باہر آیا تھا۔

''یہ شادو بی ہیں، ان کے بغیر ہمارے گھر کا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔'' اصم نے تعارف کرایا۔ شادو بی کی مسکراہٹ اور واضح ہوگئی۔ گہرے رنگ کے لباس میں سانولی سی شادو بی کا رنگ مزید گہرا ہو گیا تھا۔

''چھوٹے خان جی...... آپ کو بہت مبارک ہو۔ اللہ جوڑی سلامت رکھے، خوشیاں نصیب کرے۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں دعائیں دے رہی تھی۔ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ شمو بھی خوشی سے چہک کر کہنے لگی۔

''اماں...... یہ بی بی بڑی سوہنی ہے نا۔ چھوٹے خان آپ کی قسمت میں یہ لکھی ہوئی تھیں۔ اسی واسطے بی بی صیب کو کوئی پسند نہیں آتی تھی۔'' شمو کی بات پر اصم نے اُسے ٹوکا۔

''بس اب یہ سمیٹ کر جاؤ...... باقی باتیں صبح کر لینا۔''

اصم اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اپنا والٹ نکال کر لایا۔ ہزار کا نوٹ نکال کر شمو کی طرف بڑھایا۔
''نہیں جی...... مجھے نہیں چاہیے...... میں تو چاندی کے کڑے لوں گی جی......'' اروی کھڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔
''لے لینا بھئی......ابھی یہ رکھ لو...... میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں......اور سنو...... چائے کے برتن ابھی مت لینے آنا...... جاؤ......'' شادو بی اور شمو خوشی سے سر ہلا کر برتن سمیٹ کر چلی گئیں۔
''زبدہ تم اس وقت الماریاں کیوں کھنگال رہی ہو۔ کیا گم ہوگیا ہے۔ سو جاؤ بھئی رات بہت ہوگئی ہے۔'' زبدہ خان اپنی الماری سے جیولری بکس نکال کر بیڈ پر آگئیں۔
''اصم کی دلہن کے لیے کچھ زیورات بنوا کر رکھے ہوئے تھے۔ وہی نکال رہی تھی۔ صبح دلہن کو دوں گی۔ کچھ چیزیں بنوانی بھی تھیں۔ اب سوچ رہی ہوں وہ اپنی پسند سے ہی بنوا لے گی، ٹھیک ہے نا۔''
''تم جو سوچ رہی ہو ٹھیک ہی ہے بلکہ اروی بیٹی کے لیے صبح بازار جا کر کچھ کپڑے وغیرہ بھی خرید لینا۔''
''جی...... وہ تو میں نے پہلے ہی سوچا ہے۔ بلکہ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ اصم اور اروی کے ولیمے کی دعوت آپ کب منعقد کریں گے۔ آخر بھی خاندان والوں کو اس شادی کے بارے میں بتانا بھی تو ہے۔''
''ہاں...... بتانا تو ہے۔ صبح بچوں سے مشورہ کر لیتے ہیں کل تو ممکن نہیں ہے، پرسوں کسی ہوٹل میں ارینجمنٹ کروا لیتے ہیں۔ اور کل ہی سب کو فون کر کے انوائٹ بھی کر لیتے ہیں۔'' شریح خان نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔
''اروی کے گھر والوں کو بھی فون پر اطلاع دی جائے گی؟''
بی بی جان نے اروی کے لیے سیٹ ڈبوں میں سیٹ کرتے ہوئے استفسار کیا۔
''کل دونوں بچوں کو وہاں بھیجیں گے۔ اروی بھی والدین سے مل لے گی۔ میں بھی احمد حسن کو فون کردوں گا۔'' شریح خان اپنی جگہ پر نیم دراز ہو کر بولے۔
''ولیمے کے بعد دونوں چلے جائیں گے۔ کل بھیجنا اتنا ضروری نہیں ہے۔ کل اروی کے لیے ولیمے کا ڈریس بھی خریدنا ہوگا اور جوتے وغیرہ بھی اروی کے بغیر نہیں خریدے جاسکتے۔'' بی بی جان نے سارا سامان سمیٹ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔
''ٹھیک ہے بھئی تم جیسا مناسب سمجھو...... میں احمد حسن سے خود ہی بات کرلوں گا۔'' شریح خان نے اُن سے متفق ہو کر بات ختم کردی۔

☆......☆......☆

اروی کے لیے یہ گھر بلکہ صرف اپنا کمرہ ہی کسی خواب نگر جیسا ہی تھا۔ ابھی اُس نے گھر دیکھا ہی کہاں تھا۔ اپنے کمرے سے ڈریسنگ روم تک کا فاصلہ ہی اُسے نئے جہاں کی سیر کرا گیا۔ چھت تک بنی لکڑی کی منقش الماریاں اُس نے پہلے کہاں دیکھی تھیں۔
دیوار گیر آبنوسی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اُسے اپنا آپ آج بے حد معتبر محسوس ہوا تھا۔

اُس نے کبھی خواہش نہیں پالی تھیں نہ ہی اپنی غربت و سفید پوشی کا شکوہ وہ کبھی دل میں لائی تھی بلکہ اکثر ہی امی جی یا وردہ کسی شے کی کمیابی پر شکوہ کرتیں۔ یا غصہ دکھاتیں تو وہ مسکرا کر انہیں سمجھانے لگتی۔

''امی جی...... ہمیں تو پھر بھی اتنا کچھ میسر ہے۔ اُن لوگوں کے بارے میں سوچیں جن کو اکثر بھوکا سونا پڑ جاتا ہے۔ یا پھر جن کو موسم کی شدتوں کو ناچار سہنا پڑ جاتا ہے۔ ہمیں تو سر پر چھت بھی میسر ہے اور والدین کا سایہ بھی سلامت ہے۔ آپ پریشان نہ ہوا کریں۔ اللہ کا شکر ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ عطا کیا ہے اور جو ہمارے نصیب میں ہے ہمیں مل جائے گا۔''

یقیناً اُس کی اسی قناعت پسندی اور صبر و حوصلے کی وجہ سے اس طرح نوازا گیا تھا۔ وہ لباس بدل کر کمرے میں آئی تو اصم سیل فون پر مصروف تھا۔ اُس کے چہرے پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔ اُسے دیکھ کر مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی تھی۔ سیل فون اُس نے فوراً بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اُس کے چہرے پر اپنی روشن آنکھیں مرکوز کر دی تھی۔

اروی کی آنکھیں شکر گزاری کے احساس سے بھیگنے لگی تھیں۔ گزر جانے والا دن اُس کی زندگی سے ساری تکلیفیں، اندیشے، خدشے سبھی کچھ ساتھ لے گیا تھا۔ زندگی کی نئی ابتداء اُسے آئندہ زندگی کی آسانیوں کی جھلک دکھا رہی تھی۔ اصم کی پذیرائی نے اُس کے دل میں پھیلے اندھیروں کو جگمگا دیا تھا۔ محبت سچے تعلق سے نمو پاتی ہے ہر بات ایقان بن کر اُس کے دل میں اتر گئی تھی۔ اصم کے لیے محبت اُس کے دل میں موجزن تھی۔

''وہاٹس دیٹ......؟'' اصم نے اُس کی آنکھوں کی نمی دیکھ کر بے چینی سے نہ صرف پوچھا بلکہ اُٹھ کر اُس کے قریب بھی آ گیا۔ پھر اُسے تھام کر بستر پر بٹھایا۔ نیا انجانا لطیف سا لمس اُس کے وجود میں جلترنگ بجا گیا۔

''پریشان ہو اب تک۔'' اُس کی خاموشی پر پھر سے استفسار کیا۔

''آئی نو، بہت مشکل ہو رہا ہوگا تمہارے لیے زندگی کے نئے سفر کو قبول کرنا۔ کل تک تمہارے ذہن میں زندگی بہت سی خواہشوں، امنگوں، امیدوں سے عبارت ہوگی اور آج تم بہت سے اندیشوں اور خدشوں کو ذہن میں بسائے ہوئے ہو۔''

اصم نے اُس کا ہاتھ تھام کر نئے جذبے اُس میں منتقل کیے۔ اروی کے احساسات پگھل کر آنسوؤں کی صورت قطرہ قطرہ ٹپکنے لگے۔

''سب اندیشے ذہن و دل سے نکال دو۔ زندگی سے وابستہ تمہاری ساری خواہشیں، ساری امیدیں انشاءاللہ یہاں...... اِس گھر میں پوری ہوں گی۔''

''مج...... مجھے...... کوئی اند...... یشہ نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ نے میرے لیے بہترین زندگی گزارنے کا وسیلہ اس صورت میں پیدا کیا ہے۔ میں تو آپ کی احسان مند ہوں کہ آپ نے مجھے ایک تلخ اور ناقابلِ برداشت زندگی جینے سے بچالیا۔ ورنہ میں اور میرے گھر والے جیتے جی مر جاتے۔ یہ دنیا......'' وہ یکدم سسکنے لگی تھی۔

اصم نے اُسے فہمائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے اروئی...... یہ فیصلہ اللہ ہی نے کروایا تھا۔ کیونکہ اُسی کے حکم پر ہم اپنی زندگی کا ہر لمحہ گزارتے ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے ملا دیتا ہے۔ تمہارا میری ہمسفر بننا لکھا تھا بھی تو تقسیم بھائی کے بجائے بابا جان کے ساتھ میں چلا گیا تھا۔ ویل یہ اسٹوری تو تمہیں پتہ لگ ہی جائے گی۔ اب تم اگر اپنی گھٹا برستی آنکھیں صاف کرلو تو...... میں ایک فارمیلٹی پوری کرلوں۔''

اصم نے شریر نظروں سے اُسے دیکھا۔ تو اروئی نے جلدی سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ اُس کے چہرے پر 'فارمیلٹی' لفظ سن کر کچھ اُلجھن سی بھی پیدا ہوگئی تھی۔

''ویسے تو مجھے زندگی میں غیر ضروری رسموں سے ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ مگر سنا ہے خواتین کو کچھ رسمیں بے حد عزیز ہوتی ہیں۔ بلکہ رومینٹک لگتی ہیں۔ جیسے شادی سے پہلے کی عید پر ملنے والے تحائف اور شادی کی پہلی رات شوہر سے ملنے والا رونمائی کا تحفہ۔ ایم آئی رائٹ؟'' اصم اُس کا ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا اور بولتا ہوا اپنے کمرے کے اندرونی دروازے سے اسٹڈی میں چلا گیا تھا۔

چند ثانیے بعد ہی وہ ہاتھ پشت پر کیے واپس آیا اور اُسی طرح اروئی کے سامنے بیٹھ گیا۔ اروئی اس کے قریب بیٹھنے پر سمٹ کر سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''مانا کہ ہماری شادی غیر روایتی انداز میں ہوئی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں تمہیں رونمائی کا تحفہ نہیں دوں گا۔ یہ دیکھو۔'' اصم نے پشت سے ہاتھ سامنے کیے اور موتیے کے پھولوں اور کلیوں سے گندھے گجرے اُس کے ہاتھوں میں پہنا دیے۔

اروئی کی آنکھیں ایک بار پھر چمک اٹھیں۔ محبت کا یہ انمول احساس اُس کے رگ و پے میں اتر گیا۔ چند گھنٹوں کی رفاقت کا اعجاز ذہن و روح کے ربط کی صورت ظاہر ہو رہا تھا۔

اُسے پھول کس قدر پسند تھے۔ شادی سے پہلے اُن کے خاندان میں لڑکیوں کو ایسے ہار سنگھار کی اجازت ہی نہیں تھی۔ حالانکہ اُس کے دل میں بارہا موتیے کے گجرے پہننے کی خواہش سر اُبھارا کرتی تھی۔ آج اُس کا شریک سفر اول شب ہی اُس کی خواہش کی تکمیل کر رہا تھا۔

''کیا ہوا...... تحفہ پسند نہیں آیا؟'' اصم نے اُسے سوچتے دیکھ کر پوچھا۔

''بہت خوبصورت ہیں۔ میرے لیے بے حد انمول...... میں انہیں ساری زندگی سنبھال کر رکھوں گی۔''

''اونہہ...... ہوں...... یہ پھول تو مرجھا جائیں گے۔ انہیں سنبھالنے کے بجائے میری محبت سنبھال کر رکھنا۔ جواب ساری زندگی تمہارے ساتھ رہے گی۔ ویل لک ایٹ دس، اصم نے اپنے کُرتے کی جیب سے ایک سلور رنگ کا کیس نکالا اور ایک ڈائمنڈ رنگ اُس کے دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہناتے ہوئے کہا۔

''یہ گجرے تو میری خواہش تھی اور یہ رنگ دنیا کی خوشی...... کل تم کسی کو بتاتیں کہ تمہیں رونمائی میں گجرے ملے ہیں تو سبھی تمہارا مذاق اڑاتے بلکہ میرا مذاق اڑاتے کہ شرتج خان کے بیٹے کی حیثیت صرف گجرے دینے کی ہے۔''

''دنیا تو...... میرے بارے میں...... بھی آپ سے سوال کرے گی...... میری حیثیت......''

''کیا ہوا تمہاری حیثیت کو؟ بیوی ہو تم میری آئندہ بس یہی بات یاد رکھنا۔'' اصم نے اُسے درمیان میں ہی سنجیدگی سے ٹوک دیا۔ اروئی کے چہرے پر مکمل اطمینان پھیل گیا تھا۔ اصم کی طرف سے یہی یقین تو

اُسے چاہیے تھا۔
''تم...... اتنی صبح...... خیریت تو ہے انعم......؟'' انعم کو صبح سات بجے بیت الجنت میں دیکھ کر بی بی جان کے ساتھ ثمن بھی حیران تھی۔ دونوں خواتین نماز کے بعد لاؤنج میں بیٹھی ہوئی چائے پینے کے ساتھ دن بھر کا پروگرام مرتب کر رہی تھیں۔ تبھی انعم کی آمد ہوئی تھی۔
''آپ مجھے دیکھ کر حیران ہیں؟ حیرت تو مجھے ہے کہ آپ سب نے مجھے بالکل ہی بھلا دیا۔ اصم بھائی کی شادی ہوگئی اور مجھے۔''
''السلام علیکم......'' انعم کے شوہر فائق بلال کی آمد و سلام نے نہ صرف انعم کو خاموش کروا دیا بلکہ دونوں خواتین کو بھی سنبھلنے کا موقع مل گیا۔
''یہ آپ نے کیا غضب کر دیا بی بی جان...... آپ کی بیٹی نے ساری رات سونے نہیں دیا اور صبح پانچ بجے سے یہاں آنے کے لیے بے چین ہیں۔''
''وعلیکم السلام! آؤ بیٹا بیٹھو۔'' بی بی جان نے داماد کے ساتھ شفقت سے بات کرتے ہوئے انعم کو قدرے خفگی سے دیکھ کر کہا۔
''انعم...... اب تم بچی نہیں ہو۔ حالات و معاملات سمجھنا سیکھو...... اصم کی شادی کی اطلاع تمہیں کس نے دی؟''
''وہ...... بی بی جان...... میں نے رات انعم کو فون کیا تھا۔'' سبرینہ بھی کمرے سے نکل کر آ گئی تھی۔
''تو اطلاع دینے کے ساتھ وجوہات بھی بتانی چاہیے تھیں تاکہ یہ اس طرح ہر ایک کو پریشان کر کے، شکوے شکایتوں کے ساتھ نہ آتی۔'' بی بی جان کی سنجیدگی میں اُن کی خفگی پوشیدہ تھی۔ سبرینہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئی۔
''بی بی جان میرے شکوے جائز ہیں۔ اپنے بھائی کی شادی کی خبر مجھے نہیں تھی۔'' انعم اپنی منوانے والی تھی۔ بابا جان کی لاڈلی تھی اسی لیے اس طرح بول رہی تھی۔
''انعم یہاں ہمیں بھی خبر نہیں تھی۔ بابا جان نے خود ہی اصم کی شادی کا فیصلہ کیا تھا اور خود ہی دلہن گھر لے کر آ گئے۔ تم ایسے ہی ناراض ہو رہی ہو...... آرام سے بیٹھو۔ فائق...... ناشتہ کر کے جانا۔'' ثمن بھابی نے نرمی سے انعم کو سمجھانے کی کوشش کی اور ناشتہ بنانے چل دیں۔
ملازمین کی موجودگی کے باوجود کچن کے کام گھر کی خواتین کی ہی ذمہ داری تھے۔
پھر فائق کے پوچھنے پر بی بی جان نے ساری بات دہرا دی۔ فائق نے تو کچھ نہیں کہا البتہ انعم ضرور بولی۔
''بابا جان نے اصم بھائی کی شادی ایک غریب فیملی میں کر دی؟ وہ یہاں ایڈجسٹ ہو جائے گی۔''
''غریب ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ اور پھر باشعور پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے۔ تم بھی کوئی فضول بات مت سوچو۔'' بی بی جان نے ایک بار پھر اُس کی حوصلہ شکنی کی۔
انعم سے یہ رویہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔
''میں اصم بھائی سے ملنے جا رہی ہوں۔'' بی بی جان اُسے روکنا چاہ رہی تھیں مگر وہ روک نہیں سکیں۔

بس اُسے جاتے ہوئے دیکھے گئیں۔

☆......☆......☆

منڈیر پر بیٹھی چڑیاں مٹی کی کنالی (پرات) سے دانہ چگ کر چہچہاتیں اور پھر سے اڑ جاتیں۔ پھر کوئی دو تین چڑیاں آتیں، آپس میں چونچ لڑاتیں۔ جلدی جلدی دانہ چگ کر پھر اُڑ جاتیں۔ زہرا احمد صحن میں پیڑھے پر بیٹھی کب سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

ذہن میں بیٹیوں سے وابستہ خیالات مچل مچل کر احساس دلا رہے تھے کہ بیٹیاں بھی ان چڑیوں کی طرح گھر کے آنگن میں چہچہاتی پھرتی ہیں۔ لڑکیوں کے بچپن سے لڑکپن اور پھر جوانی کے دور کے ایام پلک جھپکتے گزر جاتے ہیں۔ ایک دن وہ انہی چڑیوں کی طرح کسی اور آنگن میں چہچہانے لگتی ہیں۔ بیٹیوں کی جدائی کا سامان خود کر کے مائیں اسی طرح سے بے کل و بے چین ہونے کے بعد آخر مطمئن ہو ہی جاتی ہیں۔ زہرا بھی اروی کو رخصت کر کے اب خود کو سمجھانے کے مراحل میں تھی۔

''امی جی...... آپ اس طرح کیوں بیٹھی ہیں۔ آرام سے لیٹ جائیں۔'' زہیر سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آتے ہوئے بولا۔ مہمانوں کی وجہ سے وہ چھت پر سویا تھا۔ سورج کی آمد نے اُسے جگا دیا تھا۔

''اب کیا آرام؟ ابھی سب اٹھ جائیں گے، ناشتے کا کچھ انتظام کرتی ہوں۔'' زہرا نئی فکر کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

''اروی...... کی طرف سے جانا ہے۔'' زہیر نے جمائی روکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں...... تین گھنٹے کا سفر ہے۔ اتنی دور کون جائے گا۔ وہ لوگ منع بھی کر کے گئے ہیں۔''

''ہم میں سے پھر بھی کسی کو جانا چاہیے امی، اروی انتظار نہیں کرے گی؟'' زہیر نے پھر استفسار کیا۔

''سمجھدار ہے وہ...... ہمارے وسائل جانتی ہے۔ تمہارے ابو کہہ رہے تھے کہ دوپہر میں فون کریں گے۔ پھر اروی سے ہی مشورہ لوں گی کہ ہم اُس کے سسرال آئیں یا......''

''امی...... اس میں مشورہ لینے والی کیا بات ہے۔ ہم اُسے ملنے جا سکتے ہیں؟ وہ لوگ امیر ہیں تو کیا ہے۔ اب ہمارے رشتہ دار ہیں۔'' زہیر نے تردید کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ زہرا نے بیٹے کو سر ہلا کر دیکھا۔

''جذبات میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے ابو اٹھتے ہیں تو پوچھ لینا۔ وہ اگر کہیں گے تو تم چلے جانا بہن سے ملنے...... یا ہو سکتا ہے اروی خود ہی آ جائے ملنے۔'' زہرا نے اُسے سمجھاتے ہوئے کچن کی طرف قدم بڑھائے۔ زہیر سر جھٹک کر غسل خانے میں چلا گیا۔

اروی کچھ دیر کے لیے سوئی تھی اور پھر اپنے معمول سے اٹھ کر غسل کر کے نماز پڑھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اصم سو رہا تھا۔ مسلسل دستک پر چونک کر وہ ایکدم بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ صبح کسی کی بھی آمد کی توقع تو تھی مگر اتنی صبح کوئی جگانے آ جائے گا وہ یہ خیال نہیں رکھتی تھی۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ دروازہ کھولے یا اصم کو جگائے۔''

''اصم بھائی...... دروازہ کھولیں۔''، مسلسل پکار پر اروی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دستک کی آواز اصم کی نیند میں پہلے ہی خلل ڈال چکی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اُس نے اپنی مندھی مندھی آنکھوں

سے دروازے کی جانب دیکھا تو اُسے جیسے کسی خواب کا گمان ہوا تھا۔

''السلا......م...... و...... علیکم!'' نیلم سے مشابہ قدرے فربہ سی لڑکی کو دیکھ کر اروی اٹک کر بولتے ہوئے دروازے میں ہی ایستادہ ہو گئی۔

''او......تو آپ ہیں بھائی کی ہم سفر۔'' انعم کی تنقیدی نظریں اُس کے سراپے پر تھیں۔ گہرے فیروزی رنگ کے کامدانی کے سوٹ میں اُس کا حسن سمندر میں اترتے چاند کی جھلک کی مانند تھا۔

وہ اُس کے چہرے پر پھیلے صبح کے اجالوں کے احساس پر ٹھٹکی ضرور تھی۔ مگر اس وقت وہ کچھ غصے میں تھی اس لیے اُس نے اروی کو نظر انداز کرتے ہوئے اروی کے ایک طرف سے اپنے اندر جانے کی جگہ بنائی۔

''اصم بھا......ئی......بس اب اٹھ جائیں۔ سا......ری رات نہیں سوئی ہوں میں آپ کی وجہ سے اور آپ......؟ آپ سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔''

انعم اُس کے سر پر کھڑی تقریباً چیخ رہی تھی۔ اصم فوراً ہی ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھا تھا۔ اُسے جیسے انعم کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔

''کیا......ہوا...... ہے۔ ایک گھنٹہ تو اور سونے دو۔'' پھر چونک کر اُس نے بغور آنکھیں کھول کر انعم کو دیکھا۔

''ت......تم...... یہا......ں...... اتنی......صبح...... میرے روم میں؟'' اُس نے دوبارہ آنکھیں مسل کر دروازے کے قریب کھڑی گم صم اروی کو دیکھا۔ اُس کے حواس ایکدم بیدار ہو کر چوکنے ہو گئے تھے۔

''کیو......ں؟ آپ کے روم میں میری اینٹری بند ہو گئی ہے۔'' انعم کی خفگی برقرار تھی۔

''کس نے کہا ہے۔'' وہ جمائی روکتے روکتے سرسری لہجے میں پوچھنے لگا۔

''آپ نے جو کیا ہے اُس سے تو لگتا ہے میری سسرال میں بھی میری پوزیشن آکورڈ ہو جائے گی۔ یو نو......کل ہی میں نے آپ کے لیے اپنے سسرال میں ایک لڑکی پسند کی تھی اور آپ نے۔'' انعم کے دل میں جو تھا بلا سوچے سمجھے بول رہی تھی۔

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔'' اصم نے اُسے مزید کہنے سے پہلے ٹوکا۔ پھر اُس کا موڈ دیکھ کر فوراً ہی لہجہ بدلا۔

''ڈیئر سسٹر تمہاری پلاننگ کا مجھے پتہ ہوتا تو میں بابا کے ساتھ جاتا ہی نہیں...... ویل اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔ تم نے اروی سے اپنا تعارف کروایا۔ اروی...... کم ہیر...... میٹ مائی سسٹر انعم فائق...... اس کے بارے میں بھی میں نے تمہیں رات بتایا تھا نا۔''

اروی فوراً قدم اٹھاتی اُن کے پاس آ گئی۔ انعم بنا کہے ہی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ اصم نے اُسے بھی بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اروی کے تاثرات اُلجھن زدہ تھے۔ وہ شرمائی جھجکی ہوئی بیڈ کے سرے پر ٹک گئی۔

''کیا بتایا تھا آپ نے؟''

''یہی کہ ہماری ایک بے حد لڑاکا، جھگڑالو سی بہن ہے جس کی ہم نے شادی تو کر دی ہے مگر اُس کی سواری بادِ بہاری ہر وقت......'' اصم نے اُسے شرارت سے چھیڑا تو وہ برا منا کر کھڑی ہو گئی۔

''اصم بھائی آپ اپنی ایک دن پہلے بننے والی بیوی کے سامنے اپنی بہن کا یہ امیج بنا رہے ہیں۔ ایک

رات میں ہی آپ اتنا بدل گئے کہ......''

''انعم میں مذاق کر رہا ہوں......اور تم برا منا گئی ہو۔ کیا فائق سے جھگڑ کر آئی ہو۔''

''مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔ صحیح کہتے ہیں لوگ بھائی شادیوں کے بعد بدل جاتے ہیں۔ مگر اتنی جلدی......؟''

''انعم......'' کھلے دروازے سے ثمن بھابی اندر چلی آئی تھیں۔

''فائق کو واپس جانا ہے۔ جاؤ اس کے ساتھ ناشتہ کرو۔''

وہ مزید وہاں ٹھہری نہیں۔ اصم کو اُس کا اروی کو نظر انداز کرنا اور اس طرح بات کرنا کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔ مگر وہ اپنے رویے سے کسی کو احساس بھی نہیں دلانا چاہتا تھا۔

''السلام علیکم!'' اروی انہیں دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی تھی۔ انعم کا رویہ اُس کی بھی سمجھ سے بالاتر تھا۔

''وعلیکم السلام! آئی ایم سوری ہم تم لوگوں کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے مگر انعم......ابھی بچپنا ہے اُس میں۔ بھائی کی شادی کا سنتے ہی دوڑی چلی آئی......ویل بتاؤ ناشتہ کتنے بجے بھجواؤں۔'' ثمن نے بھی انعم کی باتیں سن لی تھیں۔ تبھی معذرت پیش کر رہی تھیں۔

''بھجوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سبھی کے ساتھ ناشتہ کریں گے۔'' اصم نے فوراً ہی جواب دیا۔

''ایک دو دن کی رعایت ہے یہ......نو پرابلم......پھر تو روٹین پر ہی چلنا پڑے گا میرے بھائی۔''

''بڑی بھابی......آپ ہمیں آج سے ہی روٹین میں رکھیں، آپ چلیں ہم بس آتے ہیں۔''

''اصم یہ بی بی جان نے ہی پیغام دیا ہے ابھی اروی سب میں کمفرٹ فیل نہیں کرے گی۔ ڈونٹ وری......میں اوپر بھجوا دیتی ہوں تم لوگوں کے لیے ناشتہ۔''

''نہیں......بھابی جان......مجھے اچھا لگے گا سب کے ساتھ بیٹھنا۔'' اروی نے اپنی رائے کا فوراً اظہار کیا۔ اصم بھی یہی چاہتا تھا۔

ویسے بھی وہ اروی کو رات ہی ہدایت دے چکا تھا کہ سبھی کے ساتھ گھل مل کر رہے اور گھر کے کچھ اصول وقواعد ہیں جنہیں بی بی جان نے مرتب کیا ہے۔ انہیں ماننا اور عمل کرنا ضروری ہے۔ جن میں اولین تو یہی قاعدہ ہے کہ تمام افرادِ خانہ ایک ساتھ ناشتہ کریں رات کا کھانا کھائیں۔ دوپہر کے کھانے کے حوالے سے ہر کوئی آزاد تھا۔ اسی طرح رات کو گیارہ بجے کے بعد بلا ضرورت گھر سے باہر جانے یا رہنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔

''تمہاری مرضی ہے تو ٹھیک ہے۔ اصم! تم جلدی سے فریش ہو کر آجاؤ۔ اروی تو تیار ہے۔ آدھے گھنٹے میں آجاؤ تم لوگ۔'' ثمن بھابی نے بہت اپنائیت سے اُس کا گال سہلایا اور مسکرا کر چلی گئیں۔

ناشتے کے وقت ڈائننگ ہال میں عجب سماں تھا۔ ثمن کے دونوں بیٹے معاذ اور معز جو چھ اور پانچ سال کے تھے اپنے گھر میں ایک نئے فرد کو دیکھ کر نہ صرف حیران تھے بلکہ خوش بھی تھے۔ سبرینہ کی چار سالہ بیٹی سمعیہ تو چاچو کی دلہن کو بس دیکھے جا رہی تھی۔ اور شکوہ کناں بھی چاچو سے تھی۔

''چاچو......آپ مجھے، اپنی شادی میں نہیں لے کے گئے؟ میں نے بھی چوڑیاں لینی تھیں۔ مہندی لگوانی تھی۔ اور وہ ریڈ غرارہ بھی پہننا تھا۔ جو میں نے ماموں طلال کی شادی میں پہنا تھا۔

اصم کے برابر کرسی پر بیٹھی اروی اپنی جھجک وگھبراہٹ کے باوجود بچوں کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔
''بائی سوئٹ فیری...... آپ اسکول سے واپس آؤ پھر آپ کو چوڑیاں بھی مل جائیں گی اور ہم بازار سے مہندی بھی لگوا دیں گے اور آپ کے لیے کوئی اچھا سا ڈریس بھی لیں گے۔'' اصم نے اُسے اپنی گود میں بٹھا کر بے ساختہ پیار کیا۔
''چا...... چو...... ہمیں کچھ نہیں لے کر دیں گے۔''
معز ذرا تیز تھا اسی لیے فوراً اپنا آپ منوا لیتا تھا۔ جبکہ معاذ کم گو اور شرمیلا سا تھا۔
''آف کورس...... آپ کو بھی کچھ نہ کچھ تو ملے گا۔ لیکن ابھی آپ اسکول جاؤ...... شام کو بازار جائیں گے۔'' اصم نے اُسے بھی محبت سے پچکارا۔
''چلو بچو...... ہری اپ ڈرائیور انتظار کر رہا ہے۔ شمو انہیں لے کر جاؤ۔'' ثمن بھابی نے آ کر سمعیہ کو اصم کی گود سے اُتار کر کھڑا کیا۔ بچے منہ بسورتے ہوئے سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر جاتے ہوئے بڑبڑا رہے تھے۔
''چاچو کی شا...... دی پر بھی ہمیں اسکول بھیج رہے ہیں۔'' اُن کی بڑبڑاہٹ بڑوں کے چہروں پر مسکراہٹ لے آئی۔
اروی کے لیے یہ ماحول، گھر اور یہاں کے طور طریقے بالکل نئے تھے مگر اب اُسے اسی ماحول کا حصہ بننا تھا۔ اسی لیے وہ خود کو سمجھاتے ہوئے ایک عزم دل میں بسائے ہوئے اس گھر میں رچ جانے کا حوصلہ خود کو دے رہی تھی۔ سبھی کی توجہ و محبت اُس کے حوصلے و عزم کو تقویت دے رہی تھی۔
ناشتے کے بعد بی بی جان نے اروی سمیت سبھی خواتین کو اپنے کمرے میں بلوایا۔ شریح خان اور ضیغم ولیمے کے انتظامات کے لیے گھر سے جا چکے تھے۔ شارم اور اصم کو آفس بھیج دیا گیا تھا۔ فائق تو پہلے ہی جا چکا تھا۔
''تم سب کو یہ بتانے کے لیے بلایا ہے کہ ہم نے اصم اور اروی کے ولیمے کا فنکشن کل شام کو ارینج کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمہارے بابا جان اور ضیغم اسی سلسلے میں گئے ہیں۔ اور ابھی ہم یعنی میں، ثمن اور اروی شاپنگ کے لیے جانے والے ہیں۔ سبرینہ تم لنچ اور ڈنر کا انتظام کر لینا۔ انعم اور نیلم تم اپنی بھابی کے ڈریسز اصم کی کسی وارڈ روب میں ایڈجسٹ کر دینا۔ اور نیلم تمہیں بعد میں سبرینہ کے ساتھ کچن میں ہیلپ بھی کروانی ہے۔ یہ نہ ہو کہ تم فرصت ملتے ہی ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاؤ۔'' بی بی جان کی بات سن کر سبرینہ نے ناچار سر ہلایا۔
شاپنگ کی شوقین سبرینہ دل مسوس کر رہ گئی البتہ نیلم جھٹ بولی۔
''بی بی جان مجھے بھی تو بھائی کے ولیمے کے لیے ڈریس لینا ہے۔ کیا میں بھائی کی شادی پر پرانا ڈریس پہنوں گی۔'' نیلم نے سبرینہ اور انعم کے دل کی بات بھی کہی۔
''تمہیں تو ضرور بولنا ہوتا ہے نیلم...... تم انعم اور سبرینہ ہمارے آنے کے بعد چلی جانا...... بچوں کو اصم لے جائے گا۔ اروی بیٹا تم اپنی چادر شمو سے منگوا لو۔'' بی بی جان نے اُسے محبت سے مخاطب کیا۔ اروی کے چہرے پر روشن آنکھیں مزید چمک گئیں۔

''میں خود لے آتی ہوں بی بی جان۔''
''تم یہیں بیٹھو...... شمو لے آتی ہے۔ جاؤ نیلم شمو سے کہو۔ اور ثمن تم بھی چلنے کی تیاری کرو۔'' بی بی جان کا اشارہ بھی جانتے تھے۔ باری باری اُٹھ کر سبھی نکل گئے۔
انعم روٹھی ہوئی تھی اس لیے کسی بات میں نہیں بول رہی تھی۔ اُس نے جاتے جاتے مڑ کر دیکھا بی بی جان اروئ کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ انعم کو نجانے کیوں اپنے دل میں اروئ سے کدورت محسوس ہوئی۔ ایک اَن جانی کم حیثیت کی لڑکی کو نجانے سبھی کیوں اس قدر اہمیت دے رہے تھے۔ بی بی جان خود اُس کے ساتھ بازار جا رہی تھیں جبکہ انہیں ہمیشہ بھابیوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ اُن کے جاتے ہی بی بی جان نے اروئ کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا پھر سنجیدگی سے اُسے سمجھانے لگیں۔
''دیکھو بیٹا ہو سکتا ہے اس وقت تمہیں میری باتیں سمجھانا اچھا محسوس نہ ہو لیکن بیٹا تمہیں گھر کے چند اصولوں کے بارے میں آگاہ کرنا میں اپنا فرض سمجھتی ہوں۔'' بی بی جان نے بولتے بولتے کچھ توقف کیا تو اروئ نے اپنی طرف سے اُن کی غلط فہمی دور کرنے کی سعی کی۔
''مجھے بالکل بھی برا نہیں لگے گا بی بی جان...... ماؤں کی رہنمائی زندگی کو آسان بنا دیتی ہے۔ مجھے آپ کی رہنمائی چاہیے تاکہ میں اس گھر میں سب کے دلوں میں اپنی جگہ بنا سکوں۔''
اُس کی بات بی بی جان کے دل میں ہی نہیں چہرے پر بھی اطمینان بکھیر گئی۔ اُسے بولنے کا سلیقہ تھا یہی بات انہیں پسند آئی تھی۔
''انشاء اللہ تمہاری جگہ ہمارے دلوں میں بھی رہے گی اور اس گھر میں بھی...... بس بیٹا ہمیشہ اس گھر کے سکون و امن کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنا...... یہاں بڑوں کی مانی جاتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ خیال رکھنا کہ تمہارا کوئی فعل بڑوں کا مان نہ توڑ دے...... اصم ہم سبھی کو بے حد عزیز ہے۔ میری خواہش ہے اسی طرح تمہیں بھی سب عزیز رکھیں۔''
''بی بی جان سبھی مجھے عزیز رکھیں؟ یہ مراحل طے ہونے میں حقیقتاً ایک لمبا عرصہ لگے گا مگر میرے لیے یہ مرحلہ ایک پل میں طے ہو گیا تھا۔ میرے لیے یہ گھر، اور گھر کا ہر فرد ہمیشہ قابل احترام اور عزیز تر رہے گا۔ آپ کو کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''
''انشاء اللہ......'' زبدہ خان کے تفکرات بھی پل بھر میں اڑنچھو ہو گئے تھے۔ اچانک انہیں کچھ یاد آیا۔
''تم نے اپنے گھر فون کیا ہے؟ اپنی ماں سے بات ہوئی؟'' جواب میں اُس نے سر جھکا کر نفی میں سر ہلایا۔
''کیو......ں؟ نہیں کی...... اصم سے کہنا تھا۔ وہ لوگ فکر مند ہوں گے۔ نجانے کیا سوچتے ہوں گے ہمارے بارے میں...... جاؤ اپنے روم میں اور اپنی ماں کو فون کرو ہم تھوڑی دیر بعد چلتے ہیں۔''
بی بی جان کا احساس اُس کی آنکھیں نم کر گیا۔ گھر والوں کے لیے دل تو بے چین تھا مگر تربیت کا تقاضہ تھا کہ سسرال میں میکے کی یاد کو صبر کے گھونٹ کے ساتھ پی جاؤ...... صبح صبح انعم کی آمد کے بعد اُس کے احساسات پر ایک دباؤ ایک بوجھ سا آ پڑا تھا۔ اور پھر اصم اور وہ نیچے آ گئے تھے۔ بی بی جان کو تشکر سے دیکھ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

''امی...... امی جی...... جلدی آئیں۔ آپی کا فون ہے۔'' وردہ خوشی سے آوازیں دے رہی تھی۔ زہرا کچن میں دوپہر کے کھانے کا انتظام کررہی تھی۔ وردہ کی آواز پر بے اختیار باہر آئی۔ وردہ بھی کمرے سے تیزی سے نکل رہی تھی۔

''وردہ کتنی بار کہا ہے آہستہ بولا کرو۔ لڑکیوں کی آواز گھر سے باہر جانا خلافِ شرع بھی ہے اور بدتہذیبی بھی ہے۔'' زہرا نے فوراً ہی بیٹی کو نصیحت کی۔

''افوہ امی...... مجھے بعد میں نصیحت کرنا۔ پہلے ارویٰ آپی سے تو بات کرلیں۔ بے چاری کب سے آپ کا انتظار کررہی ہیں۔'' وردہ نے فوراً ہی زہیر کا سیل فون زہرا کی طرف بڑھایا۔ خود تو وہ پہلے ہی بات کرچکی تھی۔

''السلام علیکم...... امی جی...... آ...... پ...... ٹھیک ہیں۔'' زہرا کو وردی کے باوجود بیٹی کی آنکھوں کی نمی بے چینی میں مبتلا کرگئی۔ دوسری طرف اروی واقعی رو رہی تھی۔

''وعلیکم...... السلام...... میری بچی...... تُو کیسی ہے۔ تیری ساس...... تیرے گھر والے...... کسی نے کچھ کہا۔ تو نہیں۔'' زہرا بھی لہجے کی نمی اور اندرونی بے چینی کو چھپا نہ سکی۔ اروی نے ماں کو تسلی آمیز انداز میں دوبارہ مخاطب کیا۔

''امی...... آ...... پ رو رہی ہیں؟ پلیز...... امی۔'' اروی نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔

''امی جی! سب بہت اچھے ہیں آپ بالکل بھی فکر نہ کریں۔ آپ کی دعاؤں کے صلے میں مجھے اللہ تعالیٰ نے بے حد اچھا سسرال دیا ہے اور اص...... اصم بھی بہترین انسان ہیں۔ آپ لوگ کل آئیں گے تو خود دیکھ لیں گے۔''

''کل...... کل کیا ہے...... اور کیا تم آج نہیں آؤ گی؟'' زہرا کو بیٹی کا لہجہ یقین تو دلا یا رہا تھا مگر ماں کا دل دیکھے بغیر آمادہ ہونے پر تیار نہیں تھا۔

''کل...... ولیمے کا فنکشن ہے امی...... اور آج تو بی بی جان مجھے شاپنگ کے لیے بازار لے جارہی ہیں۔ اس لیے میں کیسے آسکتی ہوں...... اور پھر۔''

''ٹھیک ہے بیٹی...... جیسے تمہاری ساس اور شوہر چاہے ویسا ہی کرو۔ شادی کے بعد لڑکی کے لیے شوہر کی خواہشوں کا احترام کرنا لازم و فرض ہو جاتا ہے۔ ہم تو تمہیں رخصت کرچکے، اب انہی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے تمہیں۔ انہیں کبھی شکایت کا موقع نہ دینا۔ میری تربیت کی ہمیشہ لاج رکھنا۔'' زہرا کو اپنے فرائض یاد تھے تبھی وہ بیٹی کو سمجھا رہی تھی۔ جانتی تھی ماں باپ سے پہلی بار دور ہونے والی بیٹی اپنی زندگی کے اس بدلاؤ پر تھوڑی بہت تو کشمکش کا شکار ہوتی ہے۔

''جی امی مجھے یاد ہے...... امی ابو اور بھائی سے بات نہیں ہوسکی۔ وردہ بتا رہی تھی وہ کہیں باہر گئے ہیں...... ابو جی ٹھیک ہیں ناں...... اُن کی طبیعت......''

''بالکل ٹھیک ہیں تمہارے ابو...... زہیر کے ساتھ کیٹرنگ والوں کا حساب کتاب کرنے گئے ہیں۔ آتے ہیں تو کہتی ہوں کہ تم سے بات کرلیں۔ زہیر تو صبح ہی سے کہہ رہا تھا مگر میں نے ہی منع کردیا۔ پتہ نہیں اتنی صبح کوئی ہمارے عمل کو پسند کرتا یا نہیں۔''

''امی میں شام کو خود کر لوں گی...... ابھی مجھے بازار جانا ہے...... خالہ اور پھوپو کو میرا اسلام کہہ دینا، اللہ حافظ۔'' بیٹی کا فون سن کر زہرا کی بے چینی کو کچھ قرار آیا تھا۔ تفکرات کے بادل چھٹتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

اصم آفس آ تو گیا تھا مگر اُس کا دل و ذہن تو اروی کے حسن جہاں سوز سے متاثر وہیں اُس کے پاس بھٹک رہے تھے۔ زندگی میں اچانک آ جانے والی تبدیلی بے حد خوشگوار اور نویلی سی تھی۔ روح میں پیدا ہونے والی لطافت کے بارے میں اُس نے سنا ضرور تھا مگر تجربہ اُسے اب ہوا تھا۔ جو سننے سے بھی زیادہ کیف آگیں اور سرور بخش تھا۔ رفاقتوں کا اعجاز کیا ہوتا ہے یہ اُس پر آج کھلا تھا۔ پہلی نظر میں ہو جانے والی محبت کا یقین بھی اُسے اب ہو رہا تھا۔

اروی سے یہ ذرا سی دوری عجیب بے کلی سی دل میں پیدا کر رہی تھی۔ دل اُس کے ساتھ رہنے اس کے قرب کے لیے ہمک رہا تھا مگر ہائے اُس کی مجبوری واحترام و لحاظ کی خو اُسے اپنی بے قراری مٹانے کا سامان بھی نہیں کرنے دیتی تھی۔ بڑوں نے اُسے آفس آنے کے لیے کہہ دیا تھا سو اُسے آنا ہی تھا۔ شارم بھائی اُسے اونگھتے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ آخر اُس کے پاس چلے آئے۔

''یار...... تمہیں یہاں بیٹھ کر سونا ہی ہے تو گھر جا کر سو جاؤ۔'' شارم بھائی کے لہجے میں شرارت چھپی تھی۔

''مہ...... میں کب سو رہا تھا۔'' اصم فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔

''اچھا...... !تم سو نہیں رہے تھے تو پھر فیصل کا فون ریسو کیوں نہیں کیا۔'' شارم اُس کے سامنے بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

''فیصل کا فون؟'' اصم نے اپنا موبائل ڈھونڈا شارم نے ہاتھ میں پکڑا اُس کی طرف بڑھا دیا۔ فون تھامتے ہوئے خفت سے اپنی بے خبری کے بارے میں سوچا۔ اور شارم سے نظریں چرا کر سیل فون کا کال رجسٹر چیک کیا۔ آخری کال فیصل ہی کی ریسو کی گئی تھی۔

''یار اتنی فرمانبرداری بھی اچھی نہیں ہوتی۔ دل نہیں چاہ رہا تھا تو آفس نہیں آتے نا...... اوکے تم گھر جا کر آرام کرو۔ میں یہاں سب دیکھ لوں گا۔'' شارم نے دوستانہ انداز میں اُسے مشورہ دیا تو وہ ایک بار پھر نظریں چرا کر بولا۔

''شام کو گھر جانا ہی ہے۔ آپ کافی پیئں گے؟'' اپنی سستی بھگانے کا اُسے یہی حل نظر آیا۔

''ہا...... ں میرے لیے تو منگوا لو مگر تم اٹھو اور جاؤ فیصل بھی نیچے آ گیا ہوگا۔ میں نے اُسے بلوایا ہے تم اُس کے ساتھ جاؤ۔''

''بھا...... ئی میں...... بابا جان...... میں نہیں جانا چاہتا اس وقت گھر۔'' اصم اپنے جذبات چھپانے کی کوشش میں گڑبڑا یا۔

''میں کہہ رہا ہوں نا...... کوئی کچھ نہیں کہے گا۔''

''آئی انڈرسٹینڈ یار...... تمہاری شادی کے بعد پہلا دن آفس میں گزارنا تمہیں پسند تو نہیں آ رہا ہوگا۔

ویل تم جاؤ انجوائے کرو۔'' شارم اُسے محبت سے کہہ رہا تھا تبھی فیصل کا فون پھر آ گیا۔ اصم شرمندگی وخفت سے اپنا کوٹ لے کر آفس سے نکل آیا۔ فیصل پارکنگ میں اُس کے لیے کار لے کر کھڑا تھا۔

''ارے یا...ر... تُو آج بھی آفس آ گیا، حد ہے بھئی۔'' فیصل نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اُسے حیران نظروں سے دیکھا۔

''آفس نہ آتا تو کیا کرتا... آج چھٹی تو نہیں تھی۔'' اصم نے سادگی سے جواب دیا۔ فیصل نے اُس کی سادگی پر منہ بنا کر اُسے دیکھا۔

''تمہیں یاد ہے کل تمہاری شادی ہوئی تھی۔''

''تو...؟''

''تو... جناب اُس شادی میں آپ کا کوئی دوست بھی شریک نہیں تھا۔ تم نے ہمیں نہ بھابی سے ملوایا ہے اور نہ ہی ہمیں کوئی ٹریٹ دی ہے۔ ہم نے تمہاری طرف سے لنچ ارینج کرلیا ہے۔'' سبھی ہوٹل پہنچ چکے ہیں۔ اب تمہیں آدھے گھنٹے تک بھابی کو لے کر ہوٹل پہنچنا ہے۔ تم کہتے ہو تو میں تمہیں پک کر لیتا ہوں۔'' فیصل نے ڈرائیو کرتے ہوئے اُسے اطلاع دی تو اصم حیرت سے گویا ہوا۔

''مجھے بتائے بغیر... پروگرام بنالیا... کل ولیمے کا ڈنر ارینج ہو رہا ہے نا... تم سبھی کو انوائٹ کرنا ہی تھا۔''

''کل کی کل دیکھیں گے تم ابھی بتاؤ آ رہے ہو یا میں ہی تمہارا انتظار کروں۔'' فیصل نے گاڑی گھر والی سڑک پر موڑی۔

''میں... اروی کو نہیں لا سکتا... یو نو ویری ویل بی بی جان یہ سب پسند نہیں کریں گی کہ پہلے روز ہی میں اُسے اپنے دوستوں میں لے جاؤں۔''

''یار... تُو تو ایسے ڈر رہا ہے جیسے اپنی بیوی کو نہیں کسی غیر لڑکی کو لے کر آنا ہے۔ وہاں رمیز کی وائف بھی آ رہی ہے۔ سعد کی فیانسی بھی ہوگی۔ شاویز نے بھی اپنی منکوحہ کو بلوایا ہے۔ تمہاری شادی کی ریسیپشن ہے اور دلہن کے بغیر کیا خاک مزا آئے گا۔ میں بھی فریش ہو کر آتا ہوں۔ تم بھی جاؤ اور بھابی کو تیار کر کے لاؤ او کے۔''

''آئی... ایم سوری... فیصل تم اچھی طرح ہماری فیملی ویلیوز جانتے ہو۔ آئی نو میں چاہوں گا پھر بھی اروی اس وقت میرے ساتھ نہیں آئے گی۔ تم لوگوں نے ارینجمنٹ سے پہلے مجھ سے تو کنفرم کر لینا تھا۔'' اصم نے صاف گوئی سے کہا تو فیصل کا موڈ خراب ہو گیا۔

''میں جانتا ہوں فیملی ویلیوز کے بارے میں مگر شادی کے دنوں میں تو کچھ رعایت سبھی کو ملتی ہے۔ اور ہم تمہارے دوست ہیں۔ تمہاری خوشی ہماری خوشی ہے۔'' فیصل گاڑی گیٹ کے سامنے روکے بول رہا تھا۔ اصم نے اُس کی ناراضگی محسوس کرتے لب بھینچ کر اُسے دیکھا اور پھر اپنا سیل فون نکال کر اُس نے گھر کا نمبر پش کیا۔ بیل بج رہی تھی۔

''میں بی بی جان سے پوچھ لیتا ہوں اگر وہ مانیں تو... ورنہ...'' اصم نے بیل بجنے تک کے دورانیے میں اُسے بتایا۔ چند ثانیے بعد ثمرینہ بھابی نے کال ریسیو کی۔ اصم نے فون کا اسپیکر بھی آن کر دیا تھا۔

''السلام علیکم بھابی جان...... بی بی جان قریب ہیں تو اُن سے بات کرادیں۔''

''بی بی جان سے بات کرنی ہے یا......'' سبرینہ بھابی کی آواز میں شرارت کا رچاؤ تھا۔

''آف کورس بی بی جان سے ہی بات کرنی ہے۔''

''صحیح صحیح بتاؤ...... ہماری دیورانی کی یاد ستا رہی ہے نا بچو! شادی کے شروع میں سبھی کا یہی حال ہوتا ہے۔ ویسے اس وقت میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ کیونکہ اس وقت گھر پر نہ بی بی جان ہیں اور نہ ہی تمہارے سپنوں کی رانی...... وہ لوگ شاپنگ کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ دل زیادہ ہی بے قرار ہے تو ثمن بھابی اپنا سیل فون لے کر گئی ہیں۔ اوہ...... کچن میں دودھ اُبل گیا ہے۔'' سبرینہ بھابی نے سلسلہ منقطع کردیا۔

فیصل نے مزید بری شکل بناتے ہوئے اُسے دیکھ کر کہا۔

''تمہاری نیت ہی خراب تھی...... تم تو چل رہے ہو یا سبھی کی جوتیاں مجھے کھانی پڑیں گی۔ وہاں سبھی پہنچ چکے ہوں گے۔ بھابی کی کوئی تصویر تو ہے نا تیرے سیل فون میں۔'' فیصل نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

''کیوں؟ اُس کی کیا ضرورت ہے۔'' اصم نے حیرت سے پوچھا۔

''تصویر دیکھ کر سب یقین کرلیں گے کہ تمہاری شادی ہوگئی ہے۔''

''یونو...... فصی ایسی چیپ حرکتیں مجھے پسند نہیں ہیں۔''

''یار...... تو اتنا اَن رومینٹک کیوں ہے۔ بیوی کی تصویر پرس یا سیل فون میں رکھنا چیپ حرکت ہے؟''

''سچ بتا...... تو نے بھابی سے اظہارِ محبت بھی کیا ہے یا یہ بھی تجھے چیپ حرکت لگتی ہے۔ بے چاری پچھتا رہی ہوں گی کہ کیسے رف اور اَن رومینٹک بندے سے شادی کرلی ہے۔''

''میری شادی ہوگی تو دیکھنا اپنی بیوی کو ویڈنگ نائٹ ہی لے کر ایسا غائب ہوجاؤں گا کہ دس دن تک کسی کو میری خبر نہیں ملے گی۔'' فیصل نے چڑتے ہوئے اُسے اچھی خاصی سنائیں۔

''شٹ اپ...... سامنے دیکھ کر ڈرائیو کرو۔'' اصم نے اُسے مصنوعی خفگی سے جھاڑا۔

☆......☆......☆

ولیمے کی تقریب کا شاندار انتظام سبھی سراہ رہے تھے۔ عزیز و اقارب اصم کی اچانک شادی کے حوالے سے حیران بھی تھے۔ زبدہ خان اور شریح خان کی وضاحت کچھ لوگوں کے لیے قابلِ یقین تھی اور کچھ لوگوں کے لیے یہ بات خاصی مشکوک تھی کہ شریح خان اپنے دوست کی بیٹی کو سادگی سے اپنی بہو کی حیثیت دے کر لائے ہیں۔

بہر حال لوگوں کے رویے اور باتیں اُن پر اثر انداز نہیں ہوسکتے تھے۔ وہ اپنے فیصلوں اور ارادوں کے خود مختار تھے۔ انہیں کسی کی پرواہ تھی نہ خیال...... تقریب میں اروی کے گھر والوں کے علاوہ چند ایک خاص عزیز بھی شریک تھے۔ اروی کی قسمت کا رونا رونے والے اروی کا چمکتا ستارہ دیکھ کر اب ششدر تھے۔ پھوپو سکینہ تو خاصی مرعوب سی بیٹھی تھیں اور اپنی بھابیوں کے سامنے اپنے کہے کی ہی تردید کررہی تھیں۔

''دیکھ لو...... یہ ہوتا ہے مقدر...... میں تو کہہ رہی تھی۔ رونے پیٹنے کے بجائے شکر ادا کرو۔ کیسا بڑا گھر ملا ہے ہماری بچی کو...... احمد حسن کی تو ساری فکریں ہی ختم ہوگئیں۔ زہرا نے تو کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ بیٹی ایسے بڑے گھر میں بیاہی جائے گی۔ دیکھو زینت بھابی! کیا روپ آیا ہے نا اروی پر، ہائے کیسی پیاری لگ رہی ہے نا...... وردہ بتا رہی تھی اُس جگہ سے تیار ہوئی ہے وہ جہاں سے ٹی وی اور فلم کی اداکارائیں تیار ہوتی ہیں۔ وہ کیا نام ہے نا......'' زینت کے تیور و تاثرات اُن کی باتیں سن کر مزید خراب ہوگئے تھے۔ وہ مجبوری میں شریک ہوئی تھیں۔

''آپا...... سب پیسے کی بات ہے۔ جتنا لٹاؤ اتنی واہ واہ ہوتی ہے۔ ہمیں کیا لینا دینا ہے اس شوشا سے...... اُلٹا ہماری بچیوں کے دل کلس رہے ہیں۔ کوئی اہمیت ہی نہیں ہے ہماری تو۔'' زینت چچی کو یہ ملال تھا کہ آزادی سے کبھی کی سن گن نہیں لے سکتی تھیں۔ سرسری تعارف کے بعد انہیں ایک طرف بٹھا دیا گیا تھا البتہ زہرا' وردہ اور نمرہ خالہ اروی کے پاس اسٹیج پر موجود تھیں۔

☆......☆......☆

اروی واقعی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ آسمانی رنگ کے جدید طرز کا پیروں تک جاتا فراک جو میکسی بھی لگتا تھا۔ اس پر بے حد خوبصورت کرسٹلز سفید پرلز اور گلابی دبکے اور کامدانی کا کام عجیب بہار دکھا رہا تھا۔ اُسی طرح دوپٹے پر بھی کام بھرا بھرا تھا۔ گھیر دار لباس کی وجہ سے آسمانی چوڑی دار پاجامہ پر ہوا کام نمایاں تو نہیں تھا البتہ جب وہ کھڑی ہوتی تھی تو تب پتہ چلتا تھا۔

زہرا دل ہی دل میں بیٹی کی بلائیں لے رہی تھی۔ وردہ بہن کو دیکھ کر خوش تھی اور احمد حسن کے بے قرار دل کو قرار مل گیا تھا۔ بیٹی کے لبوں کی مسکراہٹ اُنہیں سمجھا گئی تھی۔ تبھی وہ بار بار اصم اور شریح خان سے اظہار تشکر کر رہے تھے۔ جس پر اصم نے آخر انہیں محبت و احترام سے ٹوک ہی دیا۔

''پلیز انکل آپ مجھے بار بار شرمندہ کر رہے ہیں۔ ہم مقدر کو مانتے ہیں تو پھر اس میں ایک دوسرے کا احسان مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ اُس نے مجھے بہتر زندگی گزارنے کے لیے اپنی رضا سے نوازا۔ آپ بھی اُسی کا شکر ادا کریں۔''

''ہمارا بیٹا بالکل صحیح کہہ رہا ہے۔ ہمیں اللہ نے نعمتیں عطا کی ہیں تو ہمیں اُسی کا شکر ادا کرنا چاہیے۔'' شریح خان نے بھی اصم کی تائید کی۔ پھر کچھ سوچ کر بولے۔

''میں تم سے یہ پوچھنے آیا تھا یار کہ تمہاری طرف ایسی کوئی خاص رسم تو نہیں ہے نا کہ داماد اور بیٹی کو ابھی لے جاؤ۔ دراصل ہم بھی چاہ رہے ہیں کہ ہم سب کل اکٹھے ہی تمہاری طرف آتے ہیں۔''

''آپ کو جیسے مناسب لگتا ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بھائی صاحب۔'' احمد حسن کو بھلا کیا اعتراض ہوتا۔ یہاں آکر اُنہیں بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ بیٹی داماد کو کسی رسم کے نام پر لے جانا اپنی کم مائیگی کے احساس کو مزید بڑھانا تھا۔ وہاں داماد کے شایانِ شان انتظام نہ کر سکنے کا ملال ساری عمر دل میں رکھنے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ اُن کی تجویز مان لیتے۔

''پھر بھی احمد تم لوگ گھر کی خواتین سے مشورہ کر لو۔''

(اس خوبصورت ناول کی اگلی قسط ماہِ نومبر میں ملاحظہ فرمائیں)

دوشیزہ گلستان

اسماء اعوان

قرآن الحکیم

اور اگر ہم نے قرآن پاک کو کسی پہاڑ پر نازل کردیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہوجاتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی حالت پر غور کریں۔(سورۃ حشر 121)

روشن۔لاہور

دین میں سختی نہیں ہے

ایک شخص نے حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا۔

''یارسول اللہﷺ ممکن ہے کہ میں نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکوں کیونکہ فلاں شخص ہمیں بہت طویل نماز پڑھاتا ہے۔ ابوسعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورﷺ کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا۔آپ نے فرمایا۔

''لوگوں کو سختیاں کرکے دین سے دور کرنا درست نہیں۔''(صحیح بخاری جلداول حدیث 91)

طاہرہ علی۔کوٹری

باتوں سے خوشبو آئے

☆......نماز پانچ وقت اور اخلاق چوبیس گھنٹے فرض ہیں۔

☆......وہ صبح سب سے زیادہ روشن ہوتی ہے جب بندہ سب سے پہلے اللہ سے بات کرتا ہے یعنی نمازِ فجر ادا کرتا ہے۔

رفعت۔کراچی

دعا

کوئی راستہ نہیں دعا کے سوا
کوئی سنتا نہیں خدا کے سوا

تبسم گڑیا۔میرپور

شادی

شادی کیا ہوتی ہے سمجھنے کے لیے سائنسدان نے شادی کرلی۔

اب اُس کو سمجھ نہ آرہا تھا کہ سائنس کیا ہوتی ہے۔

سید عمر تحسین۔ریاض

سیلف کنٹرول

ایک شوہر اپنی شوگر کی مریضہ بیوی سے بولا۔

''سیلف کنٹرول تو کوئی تم سے سیکھے۔''

بیوی نے خوش ہوکر پوچھا۔''وہ کیسے؟''

شوہر:''جسم میں اتنی شوگر ہے مگر مجال ہے زبان پر ذرا بھی آتی ہو۔''

سلمٰی۔بحرین

سچا واقعہ

حضرت عمرؓ کے دور میں مدینہ میں ایک گویا

رہتا تھا جو گانے گایا کرتا تھا اور یہ پیشہ اُس زمانے میں بہت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ جب گویے کی عمر 80 سال ہوگئی اور اُس کی آواز نے ساتھ چھوڑ دیا تو اس کے گھر فاقے پڑنے لگے ایک دن وہ روتا ہوا جنت البقیع چلا گیا اور رو رو کر اللہ سے فریاد کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ اس وقت سو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خواب میں انہیں کہا کہ عمر میرا ایک بندہ تمہیں پکار رہا ہے۔ جاؤ جنت البقیع میں جا کر اُس کی مدد کرو۔ حضرت عمرؓ ننگے پاؤں اور ننگے سر دوڑے تو دیکھا ایک بوڑھا رو رہا ہے۔ گویے نے جب حضرت عمرؓ کو اپنی جانب تا دیکھا تو گھبرا کر چھپنے لگا۔

حضرت عمرؓ نے چیخ کر کہا۔

''ڈرو مت میں تمہاری مدد کو آیا ہوں۔'' اُس نے پوچھا آپ کو کس نے بھیجا ہے۔ جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جس سے تم مدد مانگ رہے تھے۔ گویے نے جب یہ سنا تو سجدہ میں گر گیا اور روتے روتے مر گیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کی نماز جنازہ پڑھائی اور بیت المال سے اس کے خاندان کے لیے وظیفہ مقرر کیا۔

غزالہ۔ بحرین

بہترین مشغلہ

پڑوسی کے بچوں کی بھوک اور فاقے سے انجان رہنا اور اُس کی بیوی اور بیٹی کی حرکتوں سے واقف رہنا ہمارے معاشرے کا بہترین مشغلہ ہے۔

پروین شروانی۔ کراچی

اُف یہ معصومیت

جو حضرات یہ مانتے ہیں کہ خوشیاں پیسوں سے نہیں خریدی جا سکتیں وہ برائے مہربانی اپنے پیسے میرے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیں، شکریہ۔

غزالہ رشید۔ کراچی

قوم کے نام

چلتے ہیں دبے پاؤں کوئی جاگ نہ جائے
غلامی کے اسیروں کی یہی خاص ادا ہے
ہوتی نہیں جو قوم حق بات پر یکجا
اس قوم کا حاکم ہی بس اُن کی سزا ہے

سعدیہ سیٹھی۔ U.K

لطیفہ

ایک خان صاحب نے روزہ رکھا جب بھوک سے نڈھال ہوگئے تو وقت گزاری کے لیے FM ریڈیو فون کیا۔

R.J نے پوچھا: ''جی جناب کیا سنیں گے آپ؟''

خان صاحب بولے: ''اوہ مڑا مغرب کا اذان سنا دو۔''

زین شمسی۔ کراچی

سنہری اقوال

☆...... لاکھوں میں ایک ہونا بڑی بات نہیں ہاں قابلِ ذکر بات ایک شخص میں لاکھوں خوبیاں ہونا ہے۔

☆...... پھول کی زندگی مختصر سہی مگر خوبصورت ہے جو ہمیں پیغام دیتی ہے کہ جیو خواہ کم جیو۔

☆...... خوش اخلاقی پر کچھ خرچ نہیں ہوتا بلکہ وہ آپ کا وقار بڑھا دیتی ہے۔

☆...... چھوٹے، چھوٹے اخراجات کا خیال رکھو معمولی سا سوراخ بہت بڑے جہاز کو ڈبو دیتا ہے۔

☆...... غلطی مان لینے سے آدمی کا ذہنی بوجھ

کم ہو جاتا ہے۔

☆......ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان لینے آتی ہے۔

☆......نیکی کا حسن یہ ہے کہ اُسے فوراً کیا جائے۔

☆......دل ایک کانچ کی مانند ہے اُس کا ٹوٹ کر جڑنا ناممکن ہے کسی کا دل نہ توڑو۔

☆......مطالعہ غم اور اُداسی کا بہترین علاج ہے۔

☆......آنسو کو بہہ جانے دو یہ غموں کو مایوسیوں میں تبدیل ہونے سے روکتے ہیں۔

☆......نیکی کے کاموں میں دیر نہ کرو کیونکہ موت تمہارے پیچھے لگی ہے۔

☆......توبہ کرنا آسان ہے گناہ چھوڑنا مشکل۔

☆......جو زبان پر قابو نہ رکھے پشیمان ہوگا۔

☆......شرم کی کشش حسن سے زیادہ ہوتی ہے۔

☆......انسان کا کردار خوبصورت ہو تو چہرے پر حسن نظر آتا ہے۔

......☆☆......

☆......بے وقوف سے دوستی نہ کرنا وہ تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا اور نقصان پہنچا دے گا۔

☆......کنجوس سے دوستی نہ کرنا کیونکہ جب تمہیں اُس کی مدد کی انتہائی ضرورت ہوگی وہ تم سے دور بھاگے گا۔

☆......بدکردار سے دوستی نہ کرنا ورنہ وہ تمہیں کوڑیوں کے مول بیچ دے گا۔

☆......جھوٹے سے دوستی نہ کرنا کیونکہ وہ سراب کے مانند تمہارے لیے دور کی چیزوں کو قریب اور قریب کی چیزوں کو دور کر دے گا۔

مرسلہ: مسز نگہت غفار۔ کراچی

قابل دید

ایک کالج میں رزلٹ کا دن تھا۔ ایک طالب علم نے اپنے دوست سے کہا۔

''یار! میرے ساتھ میرے ابو کھڑے ہیں تو جلدی سے جا اور میرا رزلٹ دیکھ کر آ۔ اگر میں ایک مضمون میں فیل ہوں تو کہنا ایک مسلمان بھائی سلام کہتا ہے۔ اگر دو میں فیل ہوں تو کہنا کہ دو مسلمان بھائی تمہیں سلام کہتے ہیں۔''

دوست گیا اور تھوڑی دیر بعد آ کر بولا۔

''یار! پوری امت مسلمہ تمہیں سلام کہتی ہے۔''

دانیال۔ کراچی

چوری

نوجوان نے رومانوی انداز میں محبوبہ سے کہا۔

''جان! تم اب بدل گئی ہو، پہلے جیسی بات نہیں ہے۔''

محبوبہ نے حیرت سے پوچھا۔ ''وہ کیسے؟''

نوجوان نے کہا۔ ''اب میں تمہارا ہاتھ پکڑتا ہوں تو تم شرماتی نہیں ہو۔''

محبوبہ نے اٹھلا کر کہا۔ ''پچھلی بار میں نے شرما کر آنکھیں بند کیں تو پرس سے دو سو روپے غائب تھے، چور کہیں کے۔''

افشاں۔ U.K

رشتے

کچھ رشتے استوار کرنے میں انسان کتنی جدوجہد کرتا ہے۔ کڑی سے کڑی ملا کر مالا تیار کرتا ہے لیکن توڑنے والا ایک پل میں سب کچھ توڑ دیتا ہے۔ چاہے وہ دل ہو یا کوئی موتیوں کی مالا؟ وہ یہ جاننے کی بھی کوشش نہیں کرتا کہ یہ شخص کتنی مسافتوں کے بعد اس مقام تک پہنچا ہوگا اور

اس نے اس عرصہ میں کیا کچھ قربان نہ کیا ہوگا؟

رافعہ۔ چکوال

سچے جھوٹ

☆ وطن عزیز میں کرپشن ختم ہوگئی۔

☆ طلباء نے علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔

☆ پاکستان کرکٹ ٹیم نے 'ایک ہوکر' میچ کھیلا۔

☆ پاکستان ہاکی ٹیم دنیا کی نمبرون ٹم بن گئی۔

☆ نوجوانوں نے عہد کرلیا کہ وہ والدین کی خوب خدمت کریں گے۔

☆ ایک گھر میں پانچ شادی شدہ بھائی مل جل کر خوشیوں کے گیت گاتے ہیں۔

تمام سیاست دان ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لیے ایک ہوگئے۔

☆ سرکاری ڈاکوؤں نے ڈاکے سے سچی توبہ کرلی۔

☆ پولیس نے رشوت لینے سے صاف انکار کردیا۔

☆ سرکاری ملازمین نے 'خادم وطن' بن کر فرائض انجام دینا شروع کردیے۔

☆ ایک جگہ پر پانچ خواتین دس منٹ خاموش بیٹھی رہیں۔

فاخرہ۔ لاہور

بسوں اور ویگنوں پر تحریر جملے

☆ شیشے احتیاط سے چلائیں...... آنکھیں چلانے پر کوئی پابندی نہیں۔

☆ گندگی مت پھیلائیں...... پھلوں کے چھلکوں اور اپنے کرتوتوں کی۔

☆ خواتین کا احترام کریں...... بال کٹی، میک اپ زدہ، فیشن ایبل اور خوبصورت دوشیزاؤں کا...... عمر رسیدہ خواتین کا نہیں

☆ سگریٹ پینا منع ہے...... کون پی رہا ہے ہم تو سگریٹ سلگا رہے ہیں اور دھواں پھیلا رہے ہیں۔

☆ سیٹ بیلٹ باندھ لیں...... ہرگز نہیں...... ورنہ اسپیڈ بریکر آنے پر ہم 'اُن' پر کیسے گریں گے۔

☆ ڈرائیور سے تعاون کریں...... بس تیز چلانے، سگریٹ پینے اور فحش گیت سننے میں۔

☆ آرام سے اتریں...... بے شک معشوقوں کا ہاتھ پکڑ کر۔

☆ سامان کی حفاظت کریں...... صرف خوبصورت لڑکیوں کے...... اپنے نہیں۔

وارث شاہ۔ کرک

اے انسان ذرا غور کر

دنیا بلاشبہ ایک قدرتی معجزہ ہے۔ قدرت کی ہر نعمت' ہر چیز انوکھی ہونے کے ساتھ خوبصورت ترین ہے۔ قدرت نے سورج کی روشنی، پھول کی خوشبو تمام انسانوں کے لیے برابر دی ہے۔ کسی امیر، غریب کا فرق نہیں تو پھر ہم کون ہوتے ہیں یہ فرق پیدا کرنے والے۔

غریب لوگوں کو شادی بیاہ سے لے کر ہر محکمہ اور ہر معاملے میں حقارت سے کیوں دیکھا جاتا ہے؟ ہمارے ملک میں غریب لوگ خودکشیاں اور بچوں کو قتل کررہے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ جو بے اولاد ہیں بے چین و مضطرب ہیں۔

غریب لوگ اپنے بچوں کو غربت سے تنگ آ کر قتل کرنے کی بجائے کسی فلاحی ادارے میں چھوڑ دیں تو یہ بچے کسی بے اولاد صاحب ثروت کے آنگن کی رونق بن کر باعث اطمینان و ثواب ہوں گے۔

ماہرہ جمیل۔ گجرات

☆☆☆☆☆

نئے لہجے' نئی آوازیں

کچھ تو خیال کر

کبھی تو اپنی حالت دیکھ آئینے میں
اے دلِ برباد ، کبھی تو اپنا حال سنوار
یہ مجنوؤں والا حال نہیں دیتا زیب تجھے
کچھ تو اپنی کر فکر ، کچھ تو اپنا حال سنوار
کیا کمی ہے تجھے اُس کے سوا دنیا میں
نہ دے اُس کو آواز' کچھ تو اپنا حال سنوار
یہ در بدر کی ٹھوکریں نہ کردیں تجھے بدنام
کچھ تو اپنا نام بچا ، کچھ تو اپنا حال سنوار
بھول جا اُس کو، نہ آیا ہو کبھی جیسے تری حیات میں
تیری زندگی ہو، پہلے جیسی کچھ تو اپنا حال سنوار
تُو کر تو سہی اِک کوشش' ہو جائے گا فاتح
خود کو کر اُس سے آزاد، کچھ تو اپنا حال سنوار

شاعرہ: ماریہ یاسر۔ کراچی

آئیڈیل

عمر تلاش میں کٹی اِسی سُراغ میں مٹی
کہ دل کے حسیں قصر میں
سجالیا ہے شخص جو
کئی مقام زندگی
میں اُس کے واسطے چلی
ہزار راستوں پہ میں...... اُسی کے واسطے پھری
کہ اندر کا وہ اک آدمی، کبھی تو باہر آئے گا
وہ اِس جہانِ غیر میں کہیں تو مجھ کو پائے گا
اور......! آخر آسمان سے
وہ شہریار آملا
ہزار گل بکف ملا
مہک بدوش آملا

شاعرہ: راحت وفا راجپوت ۔ لاہور

تُم سچے

شب گزشتہ جو دیدار ہوا اُن کا روبرو
لگا کہ گزری گھڑیاں پھر لوٹ آئیں
جس راہ پر چھوڑ کر گئے تم ہم کو جاناں
برسوں سے ہم نے اُس راہ پر ہیں نظریں جمائیں
حالات سے مجبور ہو کر تم نے رستے بدل لیے
مدت گزرنے کے بعد بھی ہم نے آس لگائی
ہر آہٹ پر چونکتی رہی ہوں میں تیم
ہر بار دل کو پھر اِک امید ہم نے دلائی
آج وہ ہمیں دیکھ کر سرتاپا مجسمہ بن گئے
جسم سے جیسے ہو جاں نکالی گئی
سُنا تھا حسن والے ہوتے ہیں ناآشنائے دل
گزشتہ ماہ و سال میں یہ بات تم نے سچ کر دکھائی

شاعرہ: شبانہ نسیم ۔ کراچی

تم میری عید ہو

سنو! جاناں!
عید آرہی ہے...... قریب بہت قریب
اور تم...... تم ہی تو میری عید ہو
تم...... تم...... مجھ سے بہت دور ہو
جاناں! تمہیں میری یاد تو آتی ہوگی؟
ماضی کے حسیں لمحات
زندگی کے خوبصورت خواب، مستقبل کے رنگین خیالات
تمہیں یاد تو ہوں گے نا؟

اِن یادوں کی بارات کے حصار میں بھی
میں ہوں تنہا......
اس عید پر تم آ جاؤ نا......
کہ میری بھی عید ہو جائے اس برس
شاعرہ: مسز نگہت غفار۔ کراچی

خواب

شاید یہ سپنا ہی تھا
کہ تم
میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ لیے
ساحل کی گیلی ریت پر
چل رہے تھے
کھلی جو آنکھ تو
دور تلک
اندھیرے کے سوا
کچھ نہ تھا
شاعرہ: فصیحہ آصف خان۔ ملتان

کبھی سوچا تم نے

ہر شام ملو گے تو
کیا ہوگا
ساون کی بارشیں
بے وقعت کیوں
ہو جاتی ہیں
کبھی سوچا تم نے؟
شاعرہ: عائشہ نور عاشا، شادیوال۔ گجرات

کس لیے

زندگی کا غم کریں کس لیے
ہم اپنی آنکھیں نم کریں کس لیے
تم ہمارے ہو ہمیں یہ ناز ہے
ہم محبت کم کریں کس لیے
ہر کسی کا ظرف دیکھا جائے گا
دشمنی بھی ہم کریں کس لیے
ہر کسی سے دشمنی ہو کیوں بھلا؟
سر ہمارے خم کریں گے کس لیے
تم ہماری جستجو کا باب ہو
خواہشوں کو کم کریں گے کس لیے
شاعرہ: فریدہ فری۔ لاہور

اے میرے دوست بتا

اے میرے دوست کبھی شام ڈھلی دیکھی ہے
تُو نے کیا کرنوں کو روتا ہوا دن پر دیکھا
کیا سنا تُو نے ترنم بھی کبھی اشکوں کا
محوِ رقص اس پہ کبھی رات کا جلوہ دیکھا
تُو نے تو کہہ دیا سینے میں تیرے پتھر ہے
بارہا شیشۂ دل جس سے میرا بکھرا ہے
تُو مسیحا ہے تو کیوں لفظ ہیں جلاد صفت
تُو سویرا ہے تو تاریک دل کیوں میرا ہے
جس قلم سے تُو سجاتا ہے کسی کی قسمت
ہے خاموش کیوں لکھتے ہوئے پیغامِ وفا!
تیرے حروف نویدِ حیات دیں مجھ کو
کبھی تو میرے لیے بھی ہوں وہ نسخۂ شفا!
اتنا مبہم تیرا اندازِ وفا ہے میرے دوست
کبھی انجان سرحدوں سے وہ جا ملتا ہے
تیری خفگی کی بدولت جو یہ احساس ملے
ہے یہ بہتر کہ تنفر کی جگہ پیاس ملے
اے میرے دوست اگر کوئی خطا ہو تو بتا
بے خطا روز یہاں کون سزا دیتا ہے
شاعرہ: خولہ عرفان۔ کراچی

ڈاکٹر اقبال ہاشمانی

1

ایک کہانی بہت پرانی

ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی سبق ضرور ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے دادی اماں بچوں کو کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ اس کہانی میں بھی ایک نہیں کئی سبق ہیں۔ سب سے پہلے سبق تو یہ ہے کہ نیلام گھروں سے توتے خریدنے سے پہلے یہ تحقیق کر لی جائے کہ......

ہمارے مشرقی معاشروں میں کہانی سننا، سنانا ایک روایت ہی رہی ہے۔ گئے وقتوں کی بات ہے کہ جاڑوں کی سرد راتوں میں لحافوں میں دبک کر مونگ پھلیاں کھاتے ہوئے دادی اماں سے کہانی سنا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ مونگ پھلیاں بچے کھاتے تھے اور کہانی دادی اماں سنایا کرتی تھیں۔ گرمیوں کے دنوں میں رات گئے کھلے آنگن میں بیٹھ کر کہانی سنا کرتے تھے کبھی کہانی ادھوری ہی ہوتی کہ نیند آ جایا کرتی تھی۔ کبھی بچوں کو تو کبھی دادی اماں کو۔ اب معاشرے کی بدلتی قدروں نے دیگر روایتوں کی طرح کہانی سننے سنانے کی روایت کا بھی خاتمہ کر دیا ہے۔ بچے ویڈیو گیمز کی طرف اور دادی اماں ٹی وی ڈراموں کی طرف راغب ہو گئی ہیں۔ ایسے میں مجھے یہ خیال سوجھا کہ کیوں نہ کچھ کہانیاں سُنا کر اس قدیم روایت کو از سرِ نو زندہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہمارے ادب میں تو تا مینا کی کہانی بہت مشہور ہے۔ اسی لیے میں بھی سب سے پہلے توتا کہانی بیان کرتا ہوں۔

توتا کہانی...... کہانی شروع کرنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ مقتدرہ قومی زبان نے توتا بجائے 'ط' سے لکھنے کے 'ت' سے لکھنے کو صحیح قرار دیا ہے۔ اگرچہ میں بھی ابنِ انشاء مرحوم کی طرح اس بات کا قائل ہوں کہ توتا 'ط' سے ہی لکھا اچھا دکھائی دیتا ہے۔ خیر ہوا یوں کہ ایک صاحب کسی نیلام گھر سے ایک بولنے والا توتا مہنگے داموں خرید لائے۔ جس طرح ہمیں ووٹ بھگتانے کے کافی عرصے بعد پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ساتھ ہاتھ ہو گیا ہے۔ بالکل اسی طرح ان صاحب کو کافی دنوں بعد معلوم ہوا کہ جسے وہ توتا سمجھ کر لائے تھے، وہ توتی ہے۔ خیر، اس پر تو انہوں نے دیگر مرد حضرات کی طرح صبر اور شکر کر لیا کہ ہر مرد شادی کے بعد ویسے بھی صابر و شاکر ہو کر رہ جاتا ہے۔ صابر اس لیے کہ وہ صبر کے ساتھ بیگم کے ساتھ گزارہ کر لیتا ہے اور شاکر اس لیے وہ ہر وقت شکر ادا کرتا رہتا ہے کہ اس نے ایک ہی کی ہے...... اگر دو کر لیتا تو کیا ہوتا۔''

خیر ان صاحب کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ وہ مادہ تھی کہ انہیں کب اس سے شادی کرنی تھی۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ توتی حد درجہ بدزبان تھی۔ یہی نہیں بلکہ اسے مغلظات بکنے میں ہدطولی حاصل تھی۔ ایسی ایسی جدید اور غلیظ گالیاں بکا کرتی کہ سننے والے کے ہاتھوں کے توتے اڑ جایا کرتے۔ وہ صاحب توتی کی اس بدزبانی اور یاوہ گوئی سے بے حد تنگ آئے

ہوئے تھے۔ ایک روز غصے میں آ کر بولے۔

"مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ کم بخت توتا نہیں توتی ہے۔ میں بھی نرا احمق ہوں کہ نیلامی میں بڑھ چڑھ کر بولی لگاتا رہا اور پتہ نہیں وہ کون کم بخت تھا کہ جو میری بولی پر اپنی بولی لگا کر اس دو کوڑی کی توتی کے دام بڑھاتا رہا تھا۔"

"چپ ہو جا، بے وقوف، گدھے۔" توتی نے سالے کے علاوہ درجن بھر موٹی موٹی گالیوں سے نوازتے ہوئے کہا۔

"نیلامی میں دوسری بولی میں خود لگا رہی تھی۔ اگر تجھے پتہ نہ چلا تو یہ تیری حماقت تھی۔"

یہ سن کر وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ کہیں سے ڈھونڈ کر ایک بڑا سا پتھر لے آئے اور بجائے اس توتی کا سر کچلنے کے، اپنے سینے پر رکھ لیا۔ کافی دنوں تک وہ سینے پر پتھر لیے پھرتے رہے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر انہیں کسی ہمدرد نے مشورہ دیا کہ وہ فلاں صاحب کے پاس جائیں اور اسے اپنی دکھ بھری بپتا سنائیں۔ اس شخص کے پاس دو عدد نیک اور صالح توتے ہیں۔ ایک تو ہر وقت تسبیح پڑھتا رہتا ہے جبکہ دوسرا ہر وقت سجدے میں پڑا رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے ان نیک اور صالح توتوں کی صحبت میں رہ کر بی توتی سدھر جائے اور صراطِ مستقیم پر آ جائیں۔

خیر وہ صاحب سفارشی خط لے کر اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا دکھڑا رو کر بیان کیا۔ پہلے تو وہ شخص ان کی داستانِ الم سن کر خوب رویا، پھر ان کی حماقت پر خوب ہنسا۔ پھر اپنے دونوں توتے اس امید کے ساتھ ان صاحب کے حوالے کیے کہ ان نیک اور صالح توتوں کی صحبت میں رہ کر وہ بدزبان توتی راہِ راست پر آ جائے گی۔ یہ صاحب خوشی خوشی دونوں توتوں کو لے کر گھر آ گئے۔ توتی کا پنجرہ کھولا اور اسے توتوں کے پنجرے میں چھوڑ دیا۔

اِدھر وہ دونوں صالح توتے اپنے اپنے وظائف میں مصروف تھے۔ سجدے میں گرے ہوئے توتے کو تو خیر توتی کی آمد کا پتہ ہی نہیں چلا۔ مگر تسبیح کے دانے گھماتے ہوئے توتے نے توتی کو آتے دیکھ لیا۔ توتی کو دیکھتے ہی اس نے تسبیح ایک طرف پھینک دی۔ مسکرا کر توتی کی طرف دیکھا، بال وغیرہ سیٹ کیے، اور پھر سجدے میں گرے ہوئے توتے کو ایک لات رسید کرتے ہوئے بولا۔

"اے چل کھڑا ہو جا...... ہماری دعائیں قبول ہوئیں۔"

ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی سبق ضرور ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے دادی اماں بچوں کو کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ اس کہانی میں بھی ایک نہیں کئی سبق ہیں۔ سب سے پہلے سبق تو یہ ہے کہ نیلام گھروں سے توتے خریدنے سے پہلے یہ تحقیق کر لی جائے کہ دوسری بولی کون لگا رہا ہے۔ دوسرا اہم سبق یہ ہے کہ کوئی بھی پالتو یا فالتو شے لانے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ طبیعت کی کیسی ہے اگر توتی ہے تو گالیاں تو نہیں دیتی، بلی ہے تو کاٹتی تو نہیں اور اگر بیوی ہے تو گالیاں دینے اور کاٹنے کے علاوہ مارتی تو نہیں۔ تیسرا اور اہم سبق یہ ہے کہ توتا خریدنے سے پہلے اچھی طرح سے دیکھ لیں کہ وہ توتا ہے توتی نہیں۔ اس کا ایک بے حد آسان اور آزمودہ نسخہ یہ ہے کہ پنجرے سے توتے کو نکال کر اڑا دیں۔ اگر وہ اڑتا ہوا دکھائی دے تو سمجھ لیں توتا ہے اور اگر وہ اڑتی ہوئی نظر آئے تو جان لیجیے کہ وہ توتی ہے۔

یقیناً آپ نے اس کہانی سے ضرور سبق لیا ہوگا اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ عبادت اور ریاضت کے پردے میں کیا بوالہوسی چھپی ہوتی ہے اور بھی کہ بگلا بھگت کس کو کہتے ہیں۔ توتا کہانی کے بعد پبلک کی فرمائش پر میں ایک اور کہانی بیان کرتا ہوں۔

گدھا کہانی...... کہانی سنانے والے دنیا بھر کے بے کار اور بے مصرف جانوروں کی کہانیاں سناتے ہیں لیکن ایک بے حد کارآمد اور محنتی جانور پر کوئی بھی کہانی نہیں کہتا۔ وہ تو آنجہانی کرشن چندر کی ہمت کی داد دیجیے کہ اس کی سرگزشت لکھ کر حقِ دوستی ادا کر دیا۔ چونکہ گدھا ایک محنتی اور احمق جانور ہوتا ہے اس لیے مالک اس پر ہر قسم کے ٹیکسوں کے علاوہ مہنگائی کا بوجھ لادتے رہتے ہیں، یہ اُف نہیں کرتا، گدھا جو ٹھہرا، راقم اطراف کو چونکہ گدھوں سے بے حد

ہمدردی ہے۔ اس لیے ان کی خوشی کی خاطر یہ کہانی بیان کر کے گدھا نوازی کر رہا ہے۔

کہتے ہیں کہ کسی گاؤں میں ایک کمہار رہا کرتا تھا۔ ابھی اسے شہر کی ہوا نہیں لگی تھی۔ اگر وہ شہر خصوصاً کراچی میں ہوتا تو کمہار واڑہ میں اعضاء بند کا منافع بخش کام کرتا۔ لوگوں کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا کچومر بنا کر اپنی تجوریاں بھرتا۔ لیکن وہ گاؤں میں رہتا تھا۔ اس لیے مٹی کے برتن بنایا کرتا تھا۔ وہ ان برتنوں کو گدھے پر لاد کے منڈی میں لاتا اور انہیں بیچ کر گزارہ کرتا۔ دن بھر کی محنت مزدوری کر کے وہ اور اس کا گدھا شام کو تھکے ماندے لوٹتے۔ گدھا گھانس کھا کر اور کمہار روکھی سوکھی کھا کر پیٹ بھرتا۔ رات بھر دونوں ہی گدھوں کی طرح پڑ کر سو رہتے۔ غرض یوں ہی ان کی بسر ہو رہی تھی۔

اس کمہار کے پاس ایک بلی بھی تھی۔ اسے اپنی بلی سے بیوی سے زیادہ محبت تھی۔ ایک اُسی کو کیا سب کو ہوتی ہے۔ بلی دودھ اور چھیچھڑوں پر گزارہ کر لیتی ہے۔ دنیا بھر کی فرمائشیں نہیں کرتی۔ زیورات اور نت نئے ڈیزائن کے لباس کا مطالبہ نہیں کرتی۔ میک اپ کا مہنگا اور امپورٹڈ سامان نہیں خریدتی۔ میکے جانے کی دھمکی نہیں دیتی۔ ہر وقت کسی حقیقی یا فرضی سوکن کا طعنہ نہیں دیتی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کمہار کو بلی سے پیار کرتا دیکھ کر اس کی بیوی کو حسد ہوتا۔ وہ جلتی، کڑھتی، مگر وہ نیک بی بی ہر مشرقی عورت کی طرح شوہر کو مجازی خدا مانتی تھی۔ اس کی ہر بے راہ روی پر صبر کرنے کی عادی تھی۔ یوں بھی بلی سے کمہار کا پیار اس کے لیے کسی خطرے کا سگنل نہیں تھا۔ اگر پڑھی لکھی ہوتی تو علامہ اقبال کی مشہور نظم 'اُن کی گود میں بلی دیکھ کر' گنگناتی رہتی۔

لیکن کمہار کا گدھا، چونکہ پرلے درجے کا گدھا تھا۔ اس لیے وہ کمہار کو یوں بلی سے پیار کرتا دیکھ کر جل بھن جایا کرتا۔ وہ سوچتا کہ سارا دن محنت وہ کرتا ہے۔ بوجھ وہ لادتا ہے کمہار کے رزق کا ذریعہ ہے اس لیے کمہار کے اصل پیار کا حق دار وہ خود ہے نہ کہ بلی لیکن کمہار بجائے اُسے پیار کرنے کے اس ہڈ حرام بلی سے پیار کرتا ہے۔

ایک دن شاید اسے کچھ کامریڈ قسم کے گدھوں نے مشورہ دیا کہ اگر دنیا میں جینا ہے تو اپنا حق چھیننا سیکھو۔ چنانچہ ان کے کان بھرنے پر وہ انقلابی بن گیا ایک دن جب شام کو کمہار اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر بلی کو گود میں لے کر پیار کر رہا تھا تو گدھا بھی آ گیا۔ پہلے تو اس نے لات مار کر بلی کو گود سے نیچے گرا دیا۔ پھر خود کمہار کی گود میں چڑھ کر بیٹھ گیا۔ کمہار اس اچانک افتاد پر ہکا بکا رہ گیا۔ ذرا دیر میں اس کے حواس یکجا ہوئے تو پہلے تو اس نے گدھے کو دھکا مار کر پرے ہٹایا۔ ادھر گدھا اس کی گود میں چڑھنے پر بضد تھا۔ تنگ آ کر کمہار نے ایک موٹا سا ڈنڈا اٹھایا اور گدھے کی خاطر خواہ پٹائی کر دی۔

مجھے یقین تو نہیں ہے کہ گدھے نے اس پٹائی سے کوئی سبق حاصل کیا ہوگا لیکن اس کہانی میں بھی کئی سبق موجود ہیں۔ سب سے پہلے سبق تو یہ ہے کہ توتا کہانی کے علاوہ دوسری کہانیاں حتیٰ کہ گدھا کہانی تک لکھی جا سکتی ہے بشرطیکہ پڑھنے والا خود کو ایسا نہ سمجھتا ہو۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ بلی اور گدھا ایک ساتھ نہ پالے جائیں۔ امکانی حد تک کوشش کی جائے کہ گدھے کے ساتھ کوئی اور جانور پالا ہی نہ جائے۔ اس ہدایت پر بیگمات کو خصوصی طور پر عمل کرنا چاہیے۔ قسمت سے جو ایک مل گیا ہے اسی پر قناعت کی جائے۔

تیسرا اور اہم سبق یہ ہے کہ اگر گدھا گود میں چڑھ کر پیار جتانے کی کوشش کرے تو اس کی موٹے ڈنڈے سے اچھی طرح مرمت کر دی جائے۔ دوسری صورت میں گدھا خود تو کم مالک زیادہ گدھا دکھائی دے گا۔

بندر کہانی...... میرا ارادہ تو یہی تھا کہ توتا کہانی اور گدھا کہانی ہی پڑھنے والوں کی تفریح طبع کے لیے کافی رہیں گی اور اِن سے حاصل ہونے والے سبق، زندگی میں کام آئیں گے لیکن ہوا یوں کہ ایک رات، خواب میں ڈارون صاحب، قلابازیاں کھاتے ہوئے آ گئے۔ فرمانے لگے کہ جب آپ نے توتا کہانی اور گدھا کہانی لکھی ہے تو ہمارے جد امجد بندر نے کیا قصور کیا ہے۔ لہٰذا فوراً بندر کہانی بھی لکھیے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ہم تو اپنے آپ کو باوا آدم کی نسل مانتے

ہیں۔ آپ ہمارے خواب میں بلاوجہ اور بلا اجازت در آئے ہیں۔ اس لیے مہمان نوازی کا تقاضا سمجھ کر آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے بندر کہانی بھی لکھے دیتے ہیں۔ کہانی کا انجام پڑھ کر اگر آپ کے برادر یعنی بندر برا مانیں تو آپ ہی ان سے نمٹیے گا۔ کہانی حاضر ہے۔

ایک بڑے سے جنگل میں ایک بندر رہا کرتا تھا۔ یہ بندر بے حد شرارتی اور بدتمیز تھا۔ جنگل کے تمام جانور اس کی شرارتوں سے تنگ تھے۔ روز کسی نہ کسی کو چھیڑتا۔ کسی کو ستاتا، کسی کو تنگ کرتا کبھی ہاتھی کی دم کھینچتا تو کبھی اونٹ کے گدگدی کر کے بھاگ جاتا۔ دوپہر کو بن سنور کر نکلتا اور جنگل کے واحد گرلز کالج سے گھروں کو لوٹتی بندریاؤں کو چھیڑتا...... رفتہ رفتہ اس کا حوصلہ مزید بڑھا اور وہ جنگل کی دیگر باحیا اور پردہ دار خواتین سے بھی چھیڑخانی کرنے لگا۔ کبھی کسی اونٹنی کے پیچھے سیٹیاں بجاتا تو کبھی کسی ہرنی کو دیکھ کر فلمی گانا گانے لگتا۔ ایک بار تو اس نے ایک نٹ کھٹ لومڑی کو باقاعدہ محبت نامہ بھیج دیا۔ ان حرکتوں سے جنگل کے تمام جانوروں میں وہ بدنام ہو گیا۔ تمام جانور اس سے نالاں اور اس کی شرارتوں سے پریشان تھے۔

آخر جنگل کے تمام جانوروں نے ایک خفیہ میٹنگ کی اور بی لومڑی کے مشورے پر اسے سبق سکھانے کا جامع منصوبہ بنایا۔ اگلی صبح جب بندر ایک درخت کی شاخ پر بیٹھا امرود کھا رہا تھا کہ وہاں سے ایک زیبرا کا گزر ہوا۔ قبل اس کے کہ بندر کوئی شرارت کرتا، زیبرا اسے دیکھ کر حیرت سے بولا۔

''کمال ہے بھئی، آج زندگی میں پہلی بار کسی شیر کو امرود کھاتے دیکھا ہے۔''

بندر یہ سن کر بولا۔ ''اے زیبرا کراسنگ جیسے کپڑے پہنے ہوئے گدھے، میں شیر نہیں، بندر ہوں۔''

زیبرا بولا۔ ''حضور آپ اپنی زبان سے خود کو جو چاہیں کہیں، مگر بندے میں بھلا اتنی جرأت کہاں کہ شیر کو بندر کہہ سکے۔''

زیبرا یہ کہہ کر چپکے سے وہاں سے کھسک لیا۔ بندر سوچنے لگا کہ لگتا ہے زیبرا کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اسے کسی ماہر نفسیات کو دکھانا چاہیے۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے دور ایک ہرن دکھائی دیا۔ وہ درختوں کی شاخوں پر جھولتا ہوا ہرن کے پاس جا پہنچا۔ ہرن نے گردن اُٹھا کر اپنی ہرنی جیسی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور حیرت سے بولا۔

''حیرت ہے کہ اب شیر بھی درختوں کی شاخوں پر لٹکنے لگے ہیں۔'' بندر نے منہ چڑاتے ہوئے کہا۔

''ابے میں شیر نہیں ہوں، میں بندر ہوں۔''

ہرن کان پکڑ کر بولا۔

''توبہ......توبہ...... میں بھلا شیر کو بندر کیسے کہہ سکتا ہوں۔'' یہ کہہ کر ہرن توبہ توبہ کرتے ہوئے قلانچیں بھرتا کافی دور چلا گیا۔ لیکن بندر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ ماجرا کیا ہے لگتا ہے زیبرا کی طرح ہرن بھی باؤلا ہو گیا ہے۔ دوپہر کو بندر ایک شاخ پر بیٹھا ہرن اور زیبرا کی دماغی کیفیت پر غور کر رہا تھا کہ اسی درخت کی اوپر شاخ پر بیٹھے دو پرندوں کی گفتگو نے بندر کو متوجہ کیا۔ ایک پرندہ کہہ رہا تھا۔

''نہ جانے ہمارے بادشاہ سلامت کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بندروں کی طرح درخت کی شاخ پر لٹک رہے ہیں۔''

دوسرا پرندہ سرد آہ بھر کر بولا۔

''آج کل ہر شے میں ملاوٹ ہو رہی ہے لگتا ہے شیر صاحب نے دو نمبر کا جانور کھا لیا ہے۔ شاید اُن کے پیٹ میں نفخ پیدا ہو گیا ہے۔ اس کا علاج کرنے کے لیے درخت پر الٹے لٹک گئے ہیں۔''

پرندوں کی باتیں سن کر بندر کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ سوچنے لگا کہ مانا زیبرا پاگل ہو گیا ہے اور ہرن بے چارے کا دماغ بھی اُلٹ گیا ہے مگر ان پرندوں کو کیا ہوا ہے کہ یہ بھی مجھے شیر سمجھ رہے ہیں؟ پرندے تو خیر تھوڑی دیر میں وہاں سے اُڑ گئے۔ لیکن بندر کافی دیر تک وہیں بیٹھا سوچتا ہی رہ گیا۔ اسی اثناء میں وہاں سے ایک ریچھ کا گزر ہوا۔ بندر نے آواز دے کر اسے پاس بلایا اور اس سے پوچھنے لگا۔

''بھائی ریچھ ذرا یہ تو بتا میں کون ہوں؟''

ریچھ نے اس کی طرف دیکھ کر پہلے سلام کیا اور پھر

ادب سے بولا۔

''جناب آپ شیر ہیں۔ اس جنگل کے بادشاہ، لو بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔''

اب تو بندر بہت ہی پریشان سا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ راتوں رات جنگل میں ایسی کون سی وباء پھوٹ نکلی ہے کہ تمام جانوروں کا دماغ اُلٹ گیا ہے۔ ہر کوئی اسے شیر سمجھ رہا ہے وہ یہ سوچتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ذرا دور اُسے ایک خرگوش نظر آیا۔ بندر اس کی سمت بڑھا۔ مگر جیسے ہی خرگوش کی نظر اس پر پڑی، وہ چیخ مار کر بھاگا۔ ساتھ ہی دوسرے چھوٹے موٹے جانور بھی شیر آیا آیا پکارتے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اب تو بندر کی پریشانی بڑھ گئی۔ وہ ایک جگہ بیٹھ کر اپنا جائزہ لینے لگا۔ اسے اپنے ہاتھ میں کوئی تبدیلی دکھائی نہ دی۔ دُم کا معائنہ کیا وہ بھی ویسی ہی تھی۔ وہ اب بھی خود کو بندر ہی سمجھ رہا تھا لیکن اس کے دل میں ہلکے سے شک نے بھی جگہ بنالی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر کوئی تو وجہ ہے کہ تمام جانور اسے شیر سمجھ رہے ہیں۔ اسی ادھیڑ بن میں وہ وہیں بیٹھا رہ گیا اور فلسفیوں کی طرح خلاء میں دور دور تک نہ جانے کس شے کو تکنے لگا۔

''کیا بات ہے؟ بادشاہ سلامت...... خیر تو ہے کہیں دشمنوں کی طبیعت ناساز تو نہیں؟'' بندر کے کان میں لومڑی کی آواز آئی۔

''نہیں...... بی لومڑی...... طبیعت تو ٹھیک ہے۔ مگر ایک بات کی پریشانی ہے۔''

''وہ کیا بات ہے بادشاہ سلامت؟'' لومڑی نے ادب سے پوچھا۔

''بی لومڑی سچ بتاؤ، میں بندر ہوں یا شیر؟''

''یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' لومڑی نے دست بدستہ ہو کر کہا۔

''آپ شیر ہیں، اس جنگل کے بادشاہ...... آپ بھلا بندر کیسے ہو سکتے ہیں۔''

''اچھا......! میں شیر ہوں۔'' بندر بے یقینی سے بولا۔

''مگر مجھے یقین نہیں آرہا۔''

''عالم پناہ! اب میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ آپ بندر نہیں شیر ہیں۔ جنگل میں آئینہ نہیں ہوتا ورنہ میں آپ کو آئینہ دکھاتی کہ آپ سچ مچ میں شیر ہیں...... ہمارے بادشاہ......'' لومڑی کی بات سن کر بندر کو یقین ہو گیا کہ وہ واقعی ہی شیر ہے جاتے جاتے لومڑی نے اسے مشورہ بھی دیا کہ وہ اب کسی بھی جانور سے ہرگز نہ پوچھے کہ وہ شیر ہے یا بندر...... اس طرح اس کی عزت کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ جنگل کے جانور اس کو دیوانہ قرار دے کر کسی اور شیر کو بلا کر اسے اپنا بادشاہ بنالیں گے۔ اس لیے وہ خود کو ہی شیر ہی سمجھے اور شیر ہی کی طرح عمل کرے۔

اب تو بندر بھی اپنے آپ کو شیر سمجھنے لگا۔ جنگل کے جانوروں کو ڈرانے لگا۔ جنگل کے جانور بھی اس سے جھوٹ موٹ میں ڈرنے لگے۔

جب جنگل کے اصل شیر کو پتہ چلا کہ بندر نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ہے تو وہ بندر کو ڈھونڈتا ہوا نکلا اور ایک جگہ اسے تلاش کر لیا۔ شیر نے بندر کو للکارا۔ جواب میں بندر نے بھی اُسے للکارا۔ کچھ دیر دونوں اطراف سے ڈائیلاگ بازی ہوئی۔ اس کے بعد دونوں جانب سے بڑھکوں کا مقابلہ ہوا۔ جب بندر نہ مانا تو شیر نے جھپٹ کر اس کی گردن پکڑ لی اور آناً فاناً جنگل کے جانوروں کو اس شرارتی بندر سے نجات مل گئی۔

بندر کہانی سے ایک سبق تو یہ ملتا ہے کہ بندر کو بندر ہی رہنا چاہیے۔ وہ لوگ جو اپنے آپ کو شیر دا پتر کہلواتے ہیں انہیں ہر ممکن احتیاط کرنی چاہیے اور بجائے بڑھکیں مارنے کے چھلانگیں مارنی چاہئیں۔

دوسرا سبق تیسری دنیا کے حکمرانوں کے لیے ہے کہ خوشامدیوں کی باتوں میں نہ آئیں۔ عوام کے خادم بن کر رہیں ورنہ جمہور جو اصل طاقت ہے ایک دن انہیں گردن سے دبوچ کر ہمیشہ کے لیے خاموش کر دے گی۔

لیکن ان تمام جانوروں کی کہانیوں سے جو سب سے اہم سبق حاصل ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان چاہے تو جانوروں سے بھی سبق لے سکتا ہے۔

☆☆......☆☆

منی اسکرین

اے آر وائی کے خوبصورت پروگرام

م ش خ

ہم تمام ناظرین کے بہت مشکور ہیں کہ وہ بہت وضع داری کا ثبوت دیتے ہوئے ہمارے پروگراموں کو پسند کر کے ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی بصیرت افروز پسندیدگی کی وجہ سے رب ذوالجلال نے ہمیں ہر مقام پر سرخرو کیا ہے یہ ناظرین آپ کی بالغ نظری کہ ہم آپ کی

پروگراموں کے حوالے سے بلند و بانگ دعوے نہیں کیے بلکہ ناظرین اور قارئین ہم نے ہمیشہ آپ کی چاہت کے گرویدہ نگاہ سے دیکھا ہے اور اس میں ہم آپ کے مشکور ہیں یہ آپ کی چاہت ہی کا مظہر ہے کہ آپ ARY ڈیجیٹل، کیو ٹی وی، دی میوزک، ARY ،NICK ،HBO زندگی کے پروگراموں

ARY کے گڈ مارننگ پاکستان میں ندا یاسر اور ARY کے دی مارننگ شو میں صنم بلوچ

چاہت اور محبت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ناظرین اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ہمارے دل کے منصب پر خوبصورتی سے فائز ہیں ہم نے بھی

کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

آیئے قارئین اور ناظرین اب چلتے ہیں ARY ڈیجیٹل اور ARY زندگی کے پروگراموں

کی طرف اس دفعہ ARY زندگی اپنے ناظرین کے لیے 2 خوبصورت سوپ اور دیگر پروگرام آپ کی نظر کر رہا ہے۔ سوپ 'بابا کی اونچی حویلی' کو تحریر کیا ہے سمینہ اعجاز نے جبکہ ہدایت ثاقب ظفر خان کی ہیں۔ ابا میاں اپنی بیوی کے انتقال کے بعد اپنی تین عدد بیٹیوں کو بڑی محبت سے پالتے ہیں۔ مگر کچھ عرصے کے بعد اُن کی بیٹی صوفیہ سے اُن کے تعلقات عامر کی وجہ سے کچھ بجھے بجھے ہو جاتے ہیں اور صوفیہ ابا میاں میں یہ اختلاف اور کھل کر سامنے آتا ہے جب ابا میاں صوفیہ کا رشتہ عامر کے بجائے تنویر سے کر دیتے ہیں۔ تنویر کی ماں ایک خود غرض اور لالچی عورت ہے اور اس بات کا پتہ نکاح کے موقع پر ہوتا ہے۔ ابا میاں اس شادی سے انکار کر دیتے ہیں جبکہ صوفیہ ایک سمجھدار لڑکی ہے جو ابا میاں اور بہنوں کی عزت کی وجہ سے تنویر سے شادی کر لیتی ہے۔ شادی کے بعد تنویر اور اُس کی ماں کا رویہ صوفیہ کے ساتھ نا قابل برداشت ہوتا ہے مگر وہ اِن باتوں کا تذکرہ ابا میاں سے نہیں کرتی۔ تنویر اور ساس کے خراب رویے کے باوجود صوفیہ صبر سے کام لیتی ہے اور پھر اسی دوران صوفیہ کے ہاں کنزہ پیدا ہوتی ہے۔ کنزہ کی پیدائش کے بعد تنویر اور اس کی ساس کا رویہ صوفیہ سے اور بگڑ جاتا ہے۔ تنویر ماں کے کہنے پر صوفیہ کو طلاق دینا چاہتا ہے اِدھر سدرہ کی جس گھرانے میں منگنی ہوتی ہے اُن کی فرمائش سدرہ کے توسط سے ابا میاں تک پہنچ جاتی ہے۔ عمل کی منگنی انور سے ہو چکی ہے اور عمل پر ناجائز الزامات کچھ لڑکے لگاتے ہیں جس سے عمل کا منگیتر انور بدظن ہو جاتا ہے اور وہ منگنی توڑنے کی بات کرتا ہے۔ عمل ان سب باتوں سے دلبرداشتہ ہو کر خودکشی ایک ایکسیڈنٹ کے توسط سے کرتی ہے۔ کیا تنویر کی ماں صوفیہ کو طلاق دلوانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ سدرہ کی جس گھر میں منگنی ہوتی ہے کیا اُن کی فرمائش ابا میاں پوری کرتے ہیں یا یہ گھر بھی بگڑ جاتا ہے۔ عمل کو اس کا منگیتر چھوڑ دیتا ہے، کیا عمل خودکشی کی وجہ سے زندگی کی بازی ہارتی ہے۔ ان سب باتوں کا جواب تو ARY زندگی کے سوپ 'بابا کی اونچی حویلی' دیکھنے کے بعد ہی ملے گا۔ اس سوپ میں جن فنکاروں نے کام کیا ہے اُن میں طلعت حسین' مریم انصاری' مہوش قریشی' سوکنہ بختاور' فراز فاروقی' طاہر علی شاہ' سلیم معراج' مرزا رضوان' حمزہ طارق' شازیہ قیصر' حمیرا' گل رعنا' ذیشان علی شاہ' آغا طلال اور عمر سعید قابل ذکر ہیں۔ سوپ 'بابا کی اونچی حویلی' ARY زندگی سے پیر سے لے کر جمعرات تک روزانہ 8 بجے دیکھایا جائے گا۔ ARY زندگی سے پیش ہونے والا خوبصورت سوپ 'حال دل' اپنی مثال آپ ہے اسے تحریر کیا ہے واثق علی نے جبکہ ہدایت حسن سعید کی ہیں۔ اس کے فنکاروں میں نور خان' بینا ڈیوڈ' مدیحہ رضوی' رمشا سومرو' فرید رضا' مصبر خانم ریحانہ' اور سینئر فنکار سلمیٰ ظفر' شہزاد رضا قابل ذکر ہیں۔ قارئین اور ناظرین اس کے کچھ کردار بہت ہی خوبصورت ہیں اُن کا تعارف آپ سے کرواتے ہیں نور جو مرکزی کردار ادا کر رہی ہے نجمہ بیگم کی بیٹی ہے خوبصورت سادہ دل اور شریف طبیعت کی لڑکی ہے۔ رومیل کو پسند کرتی ہے شگفتہ نجمہ بیگم کی بڑی بیٹی ہے جو بہت بدتمیز' انا پرست اور چڑچڑی طبیعت کی مالک ہے۔ نجمہ بیگم نور کی والدہ ایک بدمزاج' ظالم' لالچی عورت ہے جس کی وجہ سے گھر میں بے رونقی کا احساس رہتا ہے۔ شوہر اور بچوں پر حکومت کرنے کی عادی ہیں۔ رومیل جو اس سوپ میں مرکزی کردار ادا کر رہا ہے بہت خوبصورت پڑھا لکھا انسان ہے۔ بچپن میں والدین کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا۔ بڑے بھائی کو میل نے ماں باپ کا پیار دیا اور

اس وجہ سے وہ بھابی فریال کی بہت عزت کرتا ہے۔ فیصل پیشے کے اعتبار سے انجینئر ہیں۔ چھوٹی عمر میں ہی ذمے داریوں کا بوجھ کندھوں پر آ گیا اور فریال سے لو میراج کی فریال فیصل کی بیوی شریف بھی ہوئی ہر حال میں صبر وشکر کرنے والی خاتون ہے۔ دیور رومیل کو اپنے بچوں کا درجہ دیتی ہے۔ ثمن نجمہ بیگم کی چھوٹی بیٹی ہے۔ جو بہت منہ پھٹ اور بدتمیز قسم کی لڑکی ہے ہر وقت لڑکوں سے فون پر فضول قسم کی باتیں کرتی ہے۔ شفیق نور کے والد سرکاری ریٹائرڈ ملازم ہیں۔ بیوی کے غلط رویے کی وجہ سے کم گو ہیں۔

وہ چاہتے ہیں کہ بیٹیوں کے اچھے گھرانوں میں رشتے ہو جائیں۔ احسن جو نور کا بھائی ہے رمشا کو پسند کرتا

ARY زندگی کے سوپ 'بابا کی اونچی حویلی' میں طلعت حسین اور مہوش صدیقی

ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن رمشا ایک غریب گھرانے کی لڑکی ہے جس کی وجہ سے شگفتہ بیگم اس شادی میں دلچسپی نہیں لیتیں۔ رمشا کی شادی احسن سے ہو جاتی ہے مگر ساس کے اچھے رویے کی وجہ سے پریشان ہے اور احسن سے الگ گھر کا مطالبہ کرتی رہتی ہے۔ حمزہ نور کا کزن ہے۔ بزنس مین ہے مگر مکار انسان ہے اور گل سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر گل اس شادی سے انکار کر دیتی ہے ایک کردار کلثوم آپا کا ہے جو شادیاں کرواتی ہے۔ بیوہ ہونے کے علاوہ بہت چالاک مکار اور اِدھر کی اُدھر کرنا اُس کا مشغلہ ہے۔ سوپ حال دل پیر سے لے کر جمعرات تک روزانہ رات ARY زندگی سے 8:30 بجے دکھایا جائے گا۔ اِدھر گڈ مارننگ پاکستان' دی مارننگ شو' جیتو پاکستان اور سلام زندگی نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا ہوا ہے۔

ARY زندگی کے سوپ 'حال دل' میں بینا ڈیوڈ

☆☆......☆☆

”چٹ پٹی خبریں“

ڈی خان

وہ خبریں جو آپ کا موڈ بدل ڈالیں......

عاطف بڑا فنکار ہے

عاطف اسلم اپنے گائے ہوئے گانے نہیں سنتے جب تک کوئی کسی غلطی کی نشاندہی نہ کرے

ایسا کہنا ہے ہمارے زبردست سنگر کا وہ کہتے ہیں میری زندگی بالکل بدل گئی جب اللہ نے مجھے بیٹا دیا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں پہلے چاہتا تھا کہ نمبرون کہلاؤں لیکن اب خواہش ہے کہ جب تک آواز ساتھ دے لوگوں میں خوشیاں بانٹوں۔

پوت کے پاؤں

علی ظفر کے چھوٹے بھائی دانیال ظفر بھی فلموں میں آنے والے ہیں۔ لیکن جناب پاکستانی نہیں بلکہ میش راج بینرز کے تحت بننے

والی فلم میں وہ بطور ہیرو کاسٹ کیے گئے ہیں۔ فلم کا نام ابھی طے نہیں کیا گیا مگر ڈائریکشن حبیب

فیصل دیں گے۔ جن کا شمار بھارت کے چند مشہور ڈائریکٹرز میں ہوتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ دانیال بھی اپنے بھائی علی ظفر کی طرح خوب نام کمائیں گے۔

ماڈل ایمان علی

ایمان علی ہماری مشہور ماڈل جنہوں نے ڈراموں میں بھی کام کیا اور فلموں میں بھی نئے

آنے والی فلم 'میں پنجاب نہیں جاؤں گی' میں کافی اہم رول پلے کر رہی ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ ماڈلنگ اور ایکٹنگ میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں تو باربی ڈول نے کہا کہ کوئی خاص فرق نہیں۔ ایمان آپ نے یقیناً یہ بات مذاق میں کہی ہوگی لیکن جن لوگوں نے 'ماہ میر' دیکھی اُن کا کہنا ہے کہ ایمان فلم میں ایکٹرس سے زیادہ مینی کوئن محسوس ہوئیں۔

اللہ اللہ کریں

اداکارہ صائمہ کہتی ہیں کہ آج کل فلموں میں سب کچھ ہے مگر کہانی نہیں، یہی بات اداکارہ ریشم نے بھی کی تھی۔ کہانی سے مراد اگر چھ فٹ کی خاتون کا گنے کے کھیت میں کودنا ہے تو صائمہ جی یقین کریں اب فلمیں کوئی نہیں بنائے گا۔ اور ویسے بھی آپ تو اب اللہ اللہ کریں۔ فلموں کو بھول جائیں۔

تاریخ کے ساتھ ہاتھ

ریتک روشن کی فلم 'موہنجودڑو' فلاپ ہوگئی ہے انتہائی ہیوی بجٹ کے ساتھ تیار کی جانے والی فلم خوب مصالحہ ڈالنے کے بعد بھی دیکھنے والوں کو سینما گھروں تک لانے میں ناکام رہی۔ فلم کے فلاپ ہونے کے جہاں اور بہت سے اسباب ہوں گے۔ وہاں سب سے اہم وجہ تاریخ کو غلط بیان کرنا ہے۔ صرف فلم کی پروموشن اور کامیابی کے لیے اور کم از کم ریتک روشن کو اسکرپٹ پڑھ کر فلم سائن کرنی چاہیے۔
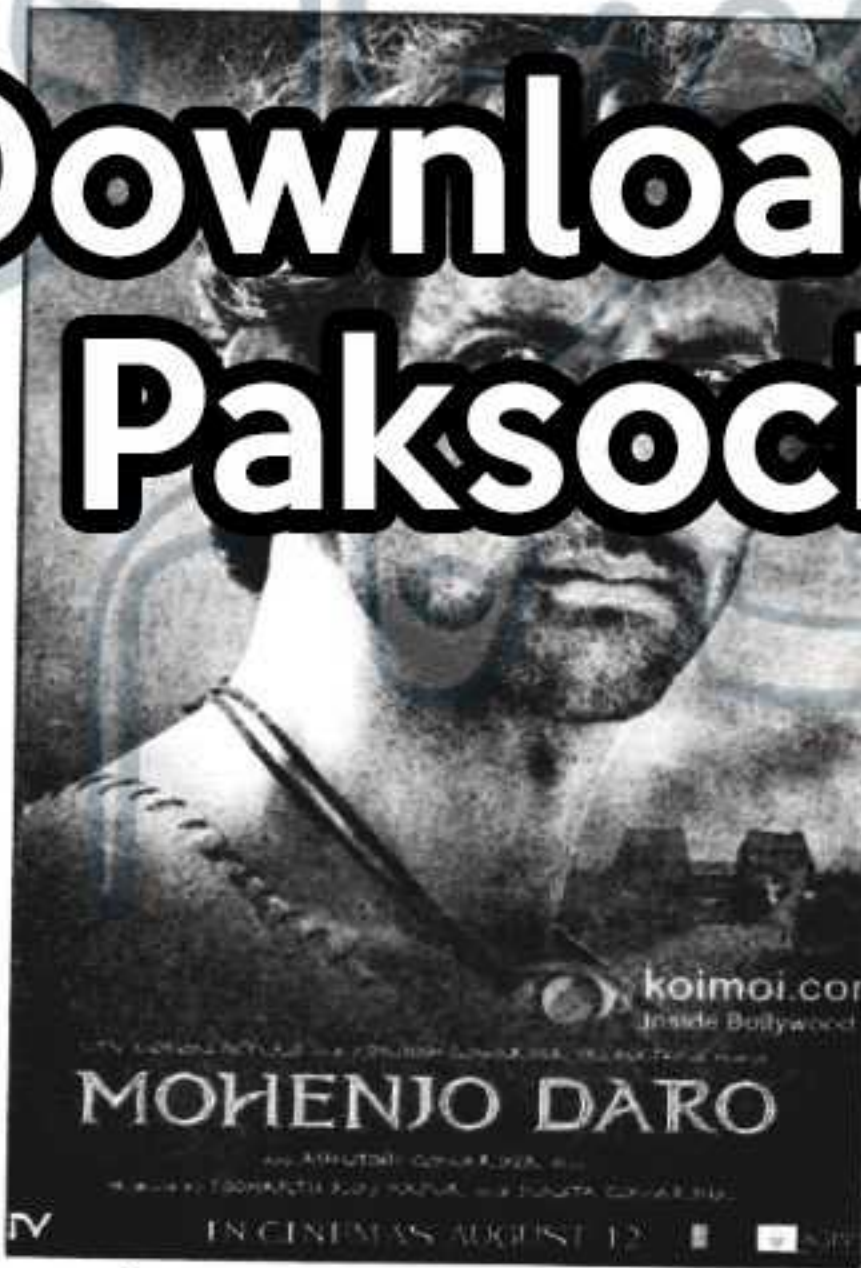
انسانیت

امریکہ میں ایک عورت نے بھوک سے تنگ آ کر دکان سے 5 انڈے چرائے دکان دار نے

فوراً پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس والے آئے اور اس عورت کو گرفتار کرنے کے بجائے دو گاڑیاں بھر کر راشن اُس کے گھر چھوڑ آئے اور اس عورت سے حکومت کی طرف سے معافی بھی مانگی۔ شاید انہوں نے حضرت علیؓ کا قول سن رکھا ہوگا کہ اگر کوئی شخص کھانے کی چیز چرائے تو اُس کا ہاتھ کاٹنے کے بجائے بادشاہ کا ہاتھ کاٹا جائے۔

سجل بھی پیاری ہوگئیں

نازک سی اداکارہ سجل علی بھی بہت جلد بھارتی

فلم 'موم' میں نظر آئیں گی یہ فلم اگلے سال ریلیز ہوگی اس میں سری دیوی اور عدنان صدیقی بھی موجود ہیں۔ سجل کہتی ہیں کہ انہیں بھارت میں جو عزت اور محبت ملی وہ کبھی نہیں بھول سکتیں۔ سجل آپ بھی اب بھارت کو پیاری ہوگئیں۔ بے شک اُن کی محبت اور عزت مت بھولیے گا مگر اپنے ملک کی عزت کا بھی بہت خیال رکھیے گا آپ سے ہمیں ویسے بھی اچھی ہی امید ہے۔

شائستہ لودھی

شائستہ لودھی بھی بہت جلد ڈراموں میں نظر

آئیں گی۔ ہوسٹنگ میں فلاپ ہونے کے بعد اب وہ ڈراموں میں طبع آزمائی کریں گی۔ اُن کے مقابل فیصل قریشی ہیں اس بات کو کافی چھپانے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ ناظرین کو سرپرائز دیا جائے۔ شائستہ فلموں میں بھی کام کرنے کی خواہاں ہیں مگر اب تک انہیں کوئی فلم آفر نہیں ہوئی ہے۔

☆☆......☆☆

شبانہ عنایت

دوشیزہ قارئین کی فرمائش پر اب سے انتہائی سہل کھانے کی تراکیب پیش کی جارہی ہیں وہ تراکیب جو عام زندگی میں سہولت کے ساتھ استعمال کی جاسکیں۔

گردوں کی کڑاہی

اجزاء

گردے	ڈیڑھ کلو
لہسن (چوپ کیا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک (چوپ کیا ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
گھی	ڈیڑھ کپ
زیرہ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر (چوپ کرلیں)	چار سے پانچ عدد
ہری مرچیں (چوپ کریں)	پانچ سے چھ عدد
ہرا دھنیا (چوپ کرلیں)	ڈیڑھ گڈی
پودینہ (چوپ کرلیں)	دو کھانے کے چمچے
قصوری میتھی	حسب ذائقہ
دہی	دو کھانے کے چمچے
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:
گردوں میں ادرک ڈال کر اُبال لیں۔ اب ایک سوس پین میں گھی گرم کریں اور اس میں لہسن ڈال کر فرائی کریں۔ اب اس میں اُبلے ہوئے گردے ڈال کر فرائی کریں، دہی، ٹماٹر، نمک، لال مرچ پاؤڈر، ادرک ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ اس کے بعد بھون کر ہرا دھنیا، لیموں کا رس، پودینہ، ہری مرچیں، زیرہ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، گرم مسالا پاؤڈر اور قصوری میتھی ڈال کر مکس کر کے ایک منٹ تک پکائیں، گردوں کی کڑاہی تیار ہے۔

ثابت ران

اجزاء

ثابت ران	دو کلو
سرکہ	ایک پیالہ
لہسن (پسا ہوا)	چار بڑے چمچے
ادرک (پسا ہوا)	ایک بڑا چمچہ
مرچ پسی ہوئی	ایک چھوٹا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
اجینو موتو	آدھا چائے کا چمچہ
آئل	حسب ضرورت

ترکیب:
ران دھو کر کانٹے کے ساتھ کچوک لیں۔ تیز

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

نوک دار چھری ہو تو آپ اس سے بھی کام لے سکتی ہیں۔ گھی کے علاوہ سب چیزیں ملا کر ران پر لگادیں۔ اسٹیل کے تسلے میں کم از کم تین چار گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ایک دن پہلے بھی آپ فریج میں رکھ سکتی ہیں۔ اوون ہو تو آسانی سے ران بھون سکتی ہیں۔ ورنہ تین کپ پانی ڈال کر پکائیں۔ ہلکی آنچ رکھیں، پانی خشک ہو جائے تو آپ اُسے اتار لیں۔ گھی ڈال کر بھون لیں۔ ٹماٹو کیچپ، دہی، سلاد کے ساتھ کھائیں۔

چیز چکن سلاد

اجزاء

مرغی (بریسٹ پیس)	350 گرام (ابال لیں)
چیز	ایک کپ
کالی مرچ پاؤڈر	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	حسبِ ضرورت
مایونیز	آدھا کپ
دھنیا تازہ (چوپ کرلیں)	حسبِ ضرورت
سلاد پتہ یا بند گوبھی	ایک بڑا پتہ
سیب	ایک عدد

ترکیب:

چکن کو چوکور ٹکڑوں میں کاٹ کر بوائل کرلیں۔ چیز کو چوکور ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ سیب کو بھی چوکور ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ ایک باؤل میں چکن پیس اور چیز کو ڈالیں۔ اس کے بعد سیب کے ٹکڑے ڈالیں۔ پھر اس میں نمک اور کالی مرچ ڈال دیں۔ ساتھ ہی مایونیز بھی ڈال کر اسے اچھی طرح مکس کرلیں۔ اس کے بعد کسی بھی پلیٹ میں سلاد پتہ یا پھر بند گوبھی کا ایک بڑا پتہ رکھ کر اس پر یہ سلاد ڈالیں۔ آخر میں اسے چوپ کیے ہوئے ہرے دھنیے سے گارنش کریں۔ فریج میں رکھ دیں۔ ٹھنڈا ہو جانے پر سرو کریں۔ چیز چکن سلاد تیار ہے۔

دھواں دہی گوشت

اجزاء

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
پودینہ	آدھی گڈی
پیاز	بڑے سائز کی چار عدد
دہی	آدھا کلو
سوکھا دھنیا پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
گھی	ایک پیالی
لال مرچ پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن ادرک پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسبِ ذائقہ
ہری مرچ	3 عدد (باریک کٹی ہوئی)

ترکیب:

سب سے پہلے ایک دیگچی میں گوشت، لہسن، ادرک پیسٹ، دھنیا، مرچ گھی ڈال کر دو پیالی پانی کے ساتھ چڑھا دیں۔ دھیمی آنچ رکھیں۔ جب گوشت گل جائے تو دہی کالی مرچوں کے ساتھ خوب پھینٹ لیں۔ یہاں تک کہ بالکل کریم کی شکل ہو جائے۔ ایک ذرا بڑے سائز کا کوئلہ آگ میں اچھی طرح دہکائیں۔ اب گوشت کو اتنا بھونیں کہ گھی الگ ہونے لگے تو چولہا بند کردیں۔ سالن ٹھنڈا ہونے دیں۔ اوپر سے پودینہ اور ہری مرچیں ڈال دیں۔ پھر ایک روٹی کا ٹکڑا درمیان میں رکھ کر جلتا کوئلہ رکھ کر ڈھکن اچھی طرح سے ڈھانک دیں تاکہ بھاپ باہر نہ نکلے۔ پندرہ منٹ بعد دھواں دہی گوشت تیار ہے۔

☆☆.........☆☆.........☆☆